ساقی



نذرالاسلام نمبر



جن میں تبت کی آب
وہ دانت لاجواب!
جو لوگ باقاعدہ تبت ٹوتھ پیسٹ استعمال کرتے ہیں ان کے دانت ہمیشہ
صاف اور چمکدار، منہ جراثیم سے پاک اور مسوڑھے مضبوط رہتے ہیں۔
تبت ٹوتھ پیسٹ
TIBET
سادہ اور کلوروفل کے ساتھ
دانتوں کی جلا اور بقا کے لئے
TIBET
کوہ نور کیمیکل کمپنی لمیٹڈ - کراچی، ڈھاکہ

ساقی

"نذرالاسلام نمبر"

مصنّفہ

پروفیسر محمد عبداللہ

قیمت :- دو روپے

"نذرالاسلام نمبر"

صفحہ	فہرست مضامین	شمار نمبر
۱۱	نذرالاسلام پر ایک طائرانہ نظر	۱
۱۵	نذرالاسلام کے حالاتِ زندگی	۲
۴۳	نذرالاسلام کی شاعری کا ایک مختصر جائزہ	۳
۵۴	باغی شاعر ——— نذرالاسلام	۴
۶۱	قومی بیداری میں نذرالاسلام کا حصّہ	۵
۷۱	نذرالاسلام کی شاعری میں جرأت و رجائیت	۶
۷۷	نذرالاسلام اور انسانیت	۷
۸۶	نذرالاسلام کی نگاہ میں عورت	۸
۹۰	نذرالاسلام اور سنگیت	۹
۱۱۱	نذرالاسلام کی شاعری میں اسلام کا روپ	۱۰
۱۳۴	نذرالاسلام اور ان کا مذہب	۱۱
۱۴۳	نذرالاسلام اور بچوں کا ادب	۱۲
۱۴۵	نذرالاسلام کی شاعری میں عربی، فارسی اور اُردو الفاظ کا استعمال	۱۳
۱۵۲	ادب میں نذرالاسلام کا درجہ	۱۴
۱۵۷	نذرالاسلام کا اثر مشرقی پاکستان پر۔	۱۵
۱۶۳	نذرالاسلام، اقبالؔ اور رابندرناتھ ٹیگور ایک نظر میں۔	۱۶
۱۶۶	نذرالاسلام کی تصنیفات	۱۷

بھارت میں ساقی کا چندہ بھیجنے کا پتہ :۔ عظیم کتاب گھر ۲۴۹۳ رنگ محل خورد، پھاٹک حبش خاں، دہلی
ناشر عاصمہ بیگم نے انٹرنیشنل پریس، کراچی میں چھپوا کر پی۔ آئی۔ بی کالونی (۵) سے شائع کیا۔

ڈاکٹر عندلیب شادانی

تعارف

اُردو میں نذرالاسلام کے متعلق مضامین تو بہت سے لکھے جا چکے ہیں لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے اِس موضوع پر کوئی جامع اور مستقل تصنیف موجود نہیں - اُردو میں نذرالاسلام کی زندگی اور شاعری پر قلم اُٹھانے والے کیلئے ضروری ہے کہ اس کی مادری زبان بنگلا ہو - وہ اُردو میں اچھی دستگاہ رکھتا ہو - بھرپور ادبی ذوق کا مالک ہو اور اُردو ادب سے بخوبی واقف ہو - پروفیسر عبداللہ ان تمام خوبیوں کے جامع ہیں - ان کی مادری زبان بنگلا ہے - وہ اُردو میں اعلیٰ ڈگریاں امتیاز کے ساتھ حاصل کر چکے ہیں اور بہت اچھا ادبی ذوق رکھتے ہیں - ان کی یہ کتاب "نذرالاسلام" درحقیقت اہلِ وطن کے لئے ایک نادر تحفہ ہے -

بنگلا زبان نہ جاننے کی بنا پر جو لوگ براہِ راست نذرالاسلام کے کلام کا مطالعہ نہیں کر سکتے وہ کئی قسم کی غلط فہمیوں کا شکار ہوئے ہیں - اُن کے علاوہ ایسے لوگ بھی جن کی مادری زبان بنگلا ہے لیکن انھوں نے نذرالاسلام کا مطالعہ سرسری طور پر کیا ہے یا اپنے ذاتی رجحانات اور معتقدات کی بنا پر وہ نذرالاسلام کی شاعری کا صرف ایک ہی رُخ دیکھ سکے انھوں نے بھی نذرالاسلام کو موردِ الزام ٹھہرایا ہے -

یوں تو الزامات کی فہرست خاصی طویل ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ تین الزام زیادہ اہم ہیں '

ایک یہ کہ نذرالاسلام کی شاعری ہندو تہذیب و تمدن کا مرقع ہے - اس پر ہندو صنمیات و روایات کی گہری چھاپ ہے -

دوسرا یہ کہ نذرالاسلام متحدہ قومیت کے حامی ہیں -

تیسرا یہ کہ جہاں تک اعتقادات کا تعلق ہے، نذرالاسلام اپنی شاعری میں مسلمان سے زیادہ ہندو ہیں - بنگلا زبان کے ایک نامور عالم نے جو بنگالی بھی ہیں اور پاکستانی بھی، اپنی ایک تقریر میں یہاں تک فرما دیا کہ نذرالاسلام کو مسلمان کہنا یا مسلمان سمجھنا زبردستی ہے - جو شخص خدا کے سینے پر لات مارنے کی جرأت کر سکتا ہے وہ مسلمان کیونکر ہو سکتا ہے -

جہاں تک پہلے اعتراض کا تعلق ہے اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ نذرالاسلام نے ایک ہندی کی حیثیت سے اہلِ وطن کے ہر طبقے کے خیالات کی ترجمانی اور ان کی روایات کی عکاسی کی ہے - اس کی بنا پر اُنھیں ہندو صنمیات اور ہندو روایات کا پرستار کہنا سراسر زیادتی ہے - اُردو والوں کے سامنے تو میاں نظیر اکبرآبادی کی مثال موجود ہے - میاں نظیر اکبرآبادی نے ہولی - دیوالی - جنم کنہیا جی، کنہیا جی کا بالپن - کنہیا جی کی بانسری، کنہیا جی کا لہو و لعب - کنہیا جی کی شادی - کنہیا جی کی راس - بلدیو جی کا میلا - درگا جی کے درشن - بھیروں کی تعریف - مہادیو کا بیاہ' اور اسی قسم کے بہت سے موضوعات پر نظمیں لکھی ہیں - لیکن ان نظموں کی بنا پر انھیں کبھی کسی نے نہ ہندو کہا نہ ہندو سمجھا - وہ ہندو تیوہاروں، ہندو دیویوں اور دیوتاؤں کی تعریف کرنے کے باوجود بھی مسلمان ہی رہے -

رہا دو قومی نظریہ کا سوال - تو کیا شروع میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا حسرت موہانی جیسے مجاہدانِ ملت بھی کانگریس کے

رفیق اور متحدہ قومیت کے حامی نہ تھے۔ کیا قائد اعظم کی قوم پرستی کا آغاز کانگریس کی رکنیت سے نہیں ہوا تھا۔ کیا علامہ اقبال نے ترانۂ ہندی اور نیا شوالہ لکھکر متحدہ قومیت کا راگ نہیں الاپا تھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اگر ۱۹۴۱ء میں نذر الاسلام کا دماغی توازن درہم برہم نہ ہوگیا ہوتا تو وہ بھی ہندوؤں کی دھاندلی سے متاثر ہوکر، انجام کار دوسرے اکابر ملت کی طرح پاکستان کے حامی نہ بن جاتے۔

یہ بات خصوصیت کے ساتھ قابلِ غور ہے کہ نذر الاسلام نے سیاسی طور پر متحدہ قومیت کی حمایت کرنے کے باوجود اسلام کو ہر دوسرے مذہب سے اور مسلمان کو ہر دوسرے مذہب کے پیرو سے افضل و برتر جانا اور ملت اسلامیہ کی امتیازی شان کا ہمیشہ بے دھڑک اعلان کیا۔ ذرا ان کی کتاب "بلبل" کے یہ الفاظ دیکھئے؛ مسلمانوں کو مخاطب کرکے کہتے ہیں:

ہم اسی ملت کے افراد ہیں جو مذہب کی راہ میں شہید ہوتے ہیں۔
ہم وہی ملت ہیں۔ ہم ہی مساوات اور میل محبت کو وجود میں لاتے ہیں۔
ہمیں لوگوں نے ساری دُنیا کو اپنا سمجھا ہے
———— ہم وہی ملت ہیں۔

اگنی بینا میں ان کی اور نظم "کھیا پار پر ترنی" (پار اُترنے کی کشتی) نہ صرف ادبی حیثیت سے بلکہ مذہبی اعتبار سے بڑی معرکۃ الآرا چیز ہے۔ جی نہیں مانتا کہ اُسے نقل کئے بغیر آگے بڑھ جاؤں۔ سنئے:

رات کے وقت مسافر پار اُترنے آئے ہیں۔
پھر یہ کڑکا کہاں سے آرہا ہے؟
کون تباہی کا صور پھونک رہا ہے؟
شمالی مغربی کونے میں تیز ہوائیں چل رہی ہیں۔
ابر آلود آسمان گونج رہا ہے۔

————

پُرخطر سمندر میں تیز ترنگیں ناچ رہی ہیں۔
موت کی سرمستی اپنی ہیبت ناک صورت میں ہے۔
کالی رات ساری کائنات کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے۔
کشتی کے تمام بے توشہ گنہگار ڈر کے مارے کانپ رہے ہیں۔

————

یہ قیامت خیز رات تیرہ و تار ہے۔
کشتی پار لگنے کی کوئی اُمید نہیں۔
تمام مسافر ڈوبنے لگے ہیں۔
ٹھہر ٹھہر کر آسمان گونج رہا ہے۔ بجلی کوند رہی ہے۔
صور کی گونج سے رات تھرتھرا رہی ہے

————

پھر یہ کس کی کشتی ہے جو متلاطم سمندر کی تباہی ،
اس کی ہیبت ناک گرج ،
اور اس کی ہلاکت خیز طغیانی کو ہیچ سمجھ کر ،
بے فکری سے آگے بڑھتی چلی جارہی ہے۔

راہِ راست کے یہ مسافر معصوم ہیں ،
مذہب کی زرہ میں ان کے صاف دل بخوبی محفوظ ہیں۔
یہ بجلی کی تباہی سے بھی خوف زدہ نہیں ہوتے۔
اس کشتی کے ناخدا احمد، صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
یہ کشتی زادِ راہ سے بھرپور ہے۔

ابوبکرؓ، عثمانؓ، عمرؓ، علی حیدرؓ
اس کشتی کے چپو چلانے والے ہیں ۔
اس کے لئے کوئی خوف وخطر نہیں ۔
اس کشتی کا ناخدا آزمودہ کار ہے ۔
یہ چپو چلانے والے ہمنوا ہوکر " لاشریک لہٗ " کے گیت گائے جاتے ہیں۔

اس کشتی کے مستول پر شفاعت کا بادبان بندھا ہوا ہے۔
اس پر جنت کی حوریں ڈھیروں پھول برسا رہی ہیں ۔
یہ حوریں متواضع ہیں ۔ ان کی نگاہیں اُلفت بار ہیں۔
یہ ہستیاں خیر و برکات کے مجسمے ہیں۔
پار اُترنے والے مسافرو!
تم ہمنوا ہوکر بآوازِ بلند " لاشریک لہٗ " کے گیت گائے جاؤ۔
سمندر کی تباہی اور ابرآلود آسمان ان مسافروں کو خواہ مخواہ ڈرا رہا ہے ۔
لو ! راہِ راست کے یہ مسافر دریا پار ہوگئے۔

پروفیسر عبداللہ کے الفاظ میں :

" اس نظم میں شاعر نے حصولِ نجات کو کشتی پار لگنے سے ۔ حضرت محمد صلعم کو کشتی کے ناخدا سے ، خلفائے راشدین کو چپو چلانے والوں سے ، عام مسلمانوں کو کشتی کے مسافروں سے اور منزلِ مقصود تک پہنچنے کی دشواریوں کو پُر خطر سمندر کے شدائد

سے تشبیہ دی ہے۔ اس نظم کا بنیادی خیال یہ ہے کہ مذہبِ اسلام ہی راہِ نجات ہے۔ رسول کریم صلعم اور صحابۂ کرام کے متبعین تمام مصائب و شدائد پر قابو پالیں گے۔ اُنھیں قیامت کے دن رسولِ کریم کی شفاعت نصیب ہوگی اور ان کا انجام بخیر ہوگا۔"

اب تو آپ کو کچھ اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ہندو دیو مالا کے گیت گانے والا نذرالاسلام ہندومت کا پجاری ہے یا اسلام کا پرستار۔ نذرالاسلام کی ایک نظم اور پڑھ لیجئے اور دیکھئے کہ انھوں نے توحید، رسالت، ایمان، اسلام اور اس کی اخوت و مساوات کو کس دھوم سے، کس شان سے، کس وضاحت سے بیان کیا ہے۔

اللہ میرا رب ہے پھر مجھے کیا خوف؟
محمّد صلعم میرے نبی ہیں جن کی دُنیا بھر میں ثنا خوانی ہو رہی ہے۔
مجھے کیا ڈر ہے؟
قرآن میرا ڈنکا ہے۔
اسلام میرا مذہب ہے۔
اسلام ہی میری پہچان ہے۔

کلمۂ طیبّہ میرا تعویذ ہے۔ توحید میرا مرشد ہے۔
ایمان میری راہ ہے۔ ہلال میری ضیا ہے۔
نعرۂ اللہ اکبر میرا اعلانِ جہاد ہے۔
میری منزلِ مقصود عرشِ بریں کی فردوس ہے۔

عرب ہو یا مصر، چین ہو یا ہند، سارا جہاں میرا بھائی ہے۔
کوئی اعلیٰ اور کوئی ادنیٰ نہیں۔ یہاں سب برابر ہیں۔
مختلف قالبوں میں ایک ہی روح کارفرما ہے۔
امیر اور فقیر سب برابر ہیں۔
میں بیک تکبیر جاگ اُٹھتا ہوں۔
میری کامیابی یقینی ہے۔

یہ ہے نذرالاسلام کا مذہبی عقیدہ جس کا وہ علی الاعلان اعتراف کرتا ہے اور یہ ہے وہ نذرالاسلام جو بعض "علما" کے نقطۂ نظر سے مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔

"نذرالاسلام" اُردو میں پہلی کتاب ہے جس میں نذرالاسلام کے حالاتِ زندگی جامعیت کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں، اور اُن کے ذہنی ارتقا اور شاعری کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ پروفیسر عبداللہ نے جا بجا نذرالاسلام اور علاّمہ اقبال کا موازنہ کیا ہے۔ دونوں کے خیالات کی یکسانی واقعی حیرت انگیز ہے اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ جس طرح علاّمہ اقبال کی

شاعری کاروانِ ملّت کے لئے بانگِ درا ثابت ہوئی اسی طرح نذرالاسلام کی للکار بنگال کے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا سبب بنی۔

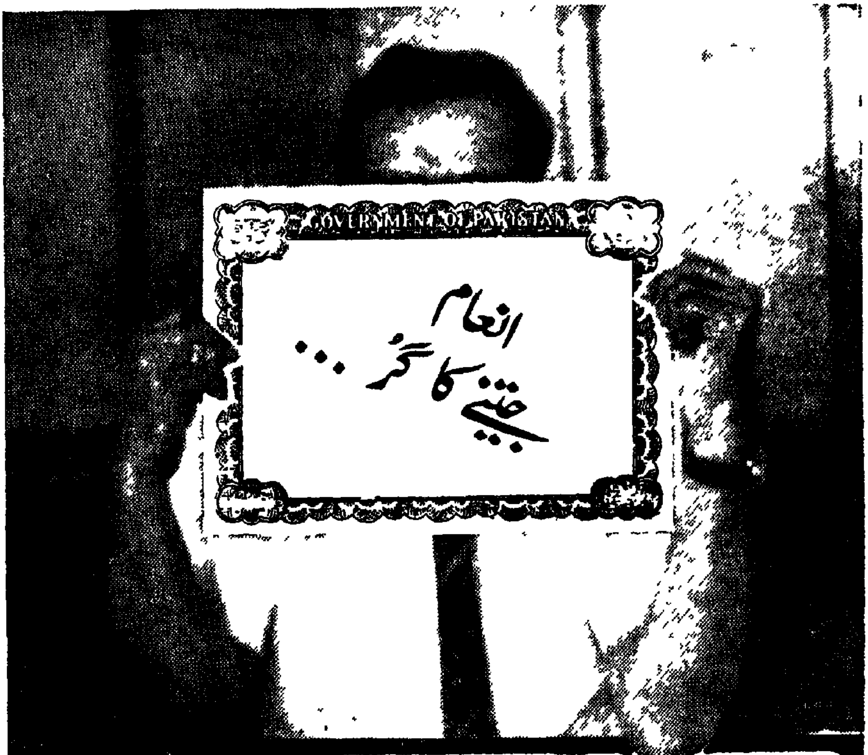
مصنف نے ایک باب میں اقبالؔ، ٹیگور اور نذرالاسلام تینوں کا موازنہ کیا ہے - یہ موازنہ دلچسپ بھی ہے اور فکر انگیز بھی۔

نذرالاسلام نے بنگلا شاعری کو اسلامی تہذیب و تمدّن اور اسلامی روایات کا آئینہ بنادیا اور وہ بنگلا میں اُردو غزل کی بحروں کو رواج دے کر نیز اُردو فارسی اور عربی کے الفاظ کا آزادانہ استعمال کر کے بنگلا کو اُردو کے بہت قریب لے آئے۔

نذرالاسلام پورے برّعظیم پاک و ہند میں ایک باغی شاعر کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ وہ اس لقب کے سزاوار بھی ہیں - ان کی سیاسی شاعری صرف نعرہ بازی نہیں بلکہ ایک برقی رَو ہے۔ جو اپنے اندر قلب کو گرمانے اور روح کو تڑپانے کی زبردست صلاحیت رکھتی ہے۔

جس طرح اُن کی غنائی شاعری کیف واثر اور ندرت وحسن کے اعتبار سے قدرِ اوّل کی چیز ہے اسی طرح ان کی مذہبی شاعری میں بھی جذبۂ دینی اور حرارتِ ایمانی کے شعلے جابجا بھڑکتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ان تمام کیفیات کو پروفیسر عبداللہ نے بڑی خوبصورتی اور کامیابی کے ساتھ اپنی تحریر کی گرفت میں لے لیا ہے - اس کتاب کے مطالعے سے نذرالاسلام کی صحیح تصویر قارئین کے سامنے آجائے گی اور بنگلا نہ جاننے والے اُردو داں بھی ان کی شاعری کی قدر و قیمت کا ایک خاصی حد تک صحیح اندازہ لگا سکیں گے اور نذرالاسلام کے متعلق وہ تمام غلط فہمیاں جو بیشتر ناواقفیت کی بنا پر لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں، دُور ہو جائیں گی۔

مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کے مطالعے کے بعد اقبال کی طرح نذرالاسلام کے متعلق بھی ہر مسلمان یہی محسوس کرے گا کہ وہ کسی ایک کا نہیں ہم سب کا ہے۔ پروفیسر عبداللہ کی یہ کوشش صرف زبان و ادب ہی کی نہیں بلکہ ملک و ملت کی خدمت ہے ●


GOVERNMENT OF PAKISTAN
انعام جیتنے کا گُر...

ڈاکٹر قاضی دین محمد

پیشِ لفظ

قاضی نذرالاسلام شاعرِ حبِ وطن ـــ اور شاعرِ بغاوت کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ انھوں نے تحریک آزادی میں صورِ انقلاب پھونک کر قوم کو خوابِ غفلت سے جگایا ہے۔ جہادِ زندگی میں فتح و نصرت کا مژدہ سُنا کر اُسے برسرِ پیکار لاکھڑا کیا۔ شدّتِ جذبات سے ان کا شاعرانہ تخئیل کہیں بھی مجروح نہیں ہوا۔ خوش قسمتی سے قوم کی زندگی میں کبھی کبھار ایسی ذہانت کی مالک دو ایک ہستیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ہمارے اُفقِ ادب پر شہابِ ثاقب ـــ اور دُمدار ستارے کی طرح طلوع ہو کر نذرالاسلام نے فضا کو چمکا دیا ہے۔ ان کے جذبات و خیالات قوم کو ہمیشہ گرماتے رہیں گے۔ وہ بیک وقت شاعر بھی ہیں اور موسیقار بھی۔ ناول نگار بھی ہیں اور ناٹک نگار بھی۔ مقالہ نگار بھی ہیں اور صحافت نگار بھی۔ ان کے نغموں کی تعداد تین ہزار سے زیادہ ہے۔ شاید ہی دُنیا کے کسی اور شاعر نے اتنے گانوں کی تصنیف کی ہو۔

نذرالاسلام ساری دُنیا میں مشہور ہیں۔ ہندوستان کی ہندی، اوڑھیا اور دوسری کئی زبانوں میں ان کی بعض نظموں کے تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ پاکستان میں اُردو اور پشتو میں ان کی نظم و نثر کے ایک معتدبہ حصّہ کا ترجمہ وجود میں آیا ہے۔ دوسرے ممالک میں بھی ان کی شاعری کے ایک حصّے کو انگریزی، روسی اور سوئز زبان کا لباس پہنایا گیا ہے۔ جس طرح رابندر ناتھ ٹیگور کو ان کی مترجم (انگریزی) "گیتانجلی" نے مغرب بلکہ پوری دُنیا میں شہرت بخشی اسی طرح نذرالاسلام کو بھی بڑی حد تک ان کی نظموں، گیتوں اور غزلوں کے تراجم ہی نے شہرۂ آفاق بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر بنگالی قارئین کے لئے معدودے چند مترجم نظموں، گیتوں اور غزلوں کے سوا نذرالاسلام سے پوری واقفیت حاصل کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ بنا بریں مختلف زبانوں میں وسیع پیمانہ پر ان کی متنوع تخلیقات کا ترجمہ وجود میں آنا ضروری ہے۔

بنگلہ میں نذرالاسلام کے شعر و ادب پر کئی ایک کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مگر جہاں تک ہماری دانست کا تعلق ہے پاکستان کی کسی اور زبان میں آج تک اس پر کوئی مکمّل تصنیف وجود میں نہیں آئی۔ انھیں مغربی پاکستان کے اُردو بولنے والوں سے روشناس کرانے کی ذمّہ داری ہم پر عائد ہے۔ پروفیسر محمد عبداللہ نے اُردو میں نذرالاسلام کے ادبی کارناموں پر "نذرالاسلام" کے عنوان سے ایک تنقیدی کتاب لکھ کر ہمیں بڑی حد تک اس ذمّہ داری سے سبکدوش کر دیا ہے۔

یوں تو پروفیسر صاحب نے نذرالاسلام کی شاعری کی روح کو اُجاگر کرتے ہوئے کم و بیش ان کی شاعرانہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے مگر ان کی تنقید و تبصرہ میں شاعر کے اسلامی جوش، وطن دوستی اور بغاوت کا پہلو زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ نذرالاسلام کی حبّ الوطنی اور ملّت دوستی کے بیان میں مصنّف نے کسی طرح کی مبالغہ آمیزی نہیں کی۔ ان کا زورِ بیان، سادہ انداز اور غور و فکر قابلِ تعریف ہے۔

نذرالاسلام کو اُردو بولنے والوں سے روشناس کرانے کی یہ پہلی جامع کوشش ہے۔ اس سے پاکستان کے ایک خطّۂ عظیم کے لوگوں کو شاعرِ موصوف، ان کے ماحول، اور ان کے علاقے کے باشندوں سے واقف ہونے کا موقع ملے گا۔ پروفیسر صاحب نے عرصے سے محسوس کی ہوئی کمی کو پورا کیا ہے۔ اس لئے ہم انھیں مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

اُمید ہے کہ یہ کتاب ان اربابِ علم کی مقبولیت حاصل کرے گی جن کے لئے یہ لکھی گئی ہے۔

محمد عبداللہ

سخنہائے گفتنی

ظاہر ہے کہ اقبالؔ اور نذرالاسلام دونوں پاک و ہند کے چوٹی کے شاعر ہیں۔ دونوں ہمارے قومی شاعر ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں میں بیداری کی روح پھونکی۔ پاک و ہند کے حصولِ آزادی کی راہ میں اہم کردار ادا کیا۔

اقبالؔ اُردو اور فارسی کے شاعر ہیں۔ ان کا کلام بنگلہ میں نہ ہونے کی بنا پر بنگال پر ان کے پیغامات کا خاطر خواہ اثر نہ ہو سکا۔ نذرالاسلام ہی نے اِس سرزمین میں ان کے مقاصد کو بار آور بنایا۔ اور یہاں کے عوام، خاص کر مسلمانوں کو آزادی کے جذبے سے سرشار کیا۔ ان کی شاعری بنگال کے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا سبب بنی۔ اس لئے پاکستان کے لوگ بیک وقت اقبالؔ اور نذرالاسلام دونوں کے مرہونِ منت ہیں۔ قوم کو ان سے روشناس کرانا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔

اُردو اور انگریزی کے علاوہ بنگلہ میں بھی اقبالؔ پر کافی لکھا جاچکا ہے۔ بنگلہ کے ذریعے بھی ان کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے مواد کم و بیش ملتا ہے۔

نذرالاسلام بنگلہ کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری کا تمام تر سرمایہ بنگلہ میں ہے۔ مگر جہاں تک ہمیں معلوم ہے تراجم کی دو چار چھوٹی چھوٹی کتابوں کے سوا اب تک نذرالاسلام پر اُردو میں کوئی ایسی جامع کتاب نہیں لکھی گئی ہے جس سے بنگلہ نہ جاننے والے اُردو داں ان کے حالاتِ زندگی، ان کی ذہنی نشو و نما اور ان کی شاعری کے تمام پہلوؤں سے واقف ہو سکیں۔

میں نے یہ کمی پوری کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب سے قارئین کو کسی قدر بھی فائدہ پہنچے تو میری سعی مشکور ہوگی۔

میں اپنے اُستادِ محترم جناب ڈاکٹر عندلیبؔ شادانی کا خاص طور سے ممنون ہوں کہ انھوں نے انتہائی مصروفیت کے باوجود اس کتاب کے مسودے کی نظرِ ثانی فرماکر میری ہمت افزائی کی ہے۔ ان کی اصلاح سے اس کتاب کی بہت سی خامیاں دور ہوگئی ہیں۔

اس کتاب کا پورا مسودہ ڈاکٹر قاضی دین محمد کی نظر سے بھی گزر چکا ہے۔ انھوں نے نذرالاسلام کی بابت مجھے مفید معلومات عطا کی ہیں۔ میں اس کے لئے ان کا نہایت احسانمند ہوں۔

میں اپنے شفیق اُستاد جناب فیض احمد چودھری، جناب حنیف فوقؔ، محب مکرم اختر العالم اور فروغ احمد کا بھی بے حد شکر گزار ہوں جنھوں نے بعض مقامات پر میری رہنمائی کی ہے۔

نذرالاسلام پر ایک طائرانہ نظر

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں، مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا (اقبالؔ)

نذرآلاسلام کا نام نامی محتاجِ بیان نہیں - ان کا نام پاک و ہند کے ہر اہلِ علم کو بخوبی معلوم ہے۔ مشرقی پاکستان میں تو ان کا نام بچّے بچّے کی زبان پر ہے - وہ ہندو - مسلم دونوں کے محبوب ہیں - دونوں فرقے یکساں انھیں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں - وہ بیک وقت چوٹی کے شاعر بھی ہیں اور صاحب طرزادیب بھی - گیت اور غزلوں کے خالق بھی ہیں اور موسیقی کے ماہر بھی - صحافی بھی ہیں اور محبِ وطن بھی - باغی بھی ہیں اور عاشق سرمست بھی - مگر سب سے بڑھ کر ایک انسان دوست ہیں۔

نذرآلاسلام ذات پات کی تنگ نظریوں اور کم ظرفیوں سے بالاتر تھے - ان کے دل میں آدمیت کا بڑا احترام تھا - وہ زندگی بھر انسانیت کے علمبردار رہے - اور اسی کے لئے اپنی شاعری وقف کردی - وہ ہندو اور مسلمان دونوں کے بہی خواہ اور دونوں کے تہذیب و تمدن کے ترجمان تھے - انھوں نے "اسلامی سنگیت" بھی گائے اور "شیام سنگیت" بھی - ان کے پہلو میں ایک حساس اور درد مند دل تھا - وہ دکھ درد کی گود میں پل کر جواں ہوئے - اس لئے لوگوں کے دُکھ درد کو دل سے محسوس کرسکے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد ملک ایک نازک حالت میں سے گذر رہا تھا - ملک کے عوام پردیسی حکومت اور ملوکیت کی غلامی اور چیرہ دستیوں کے باعث کراہ رہے تھے - سرمایہ دار طبقہ غریبوں، مزدوروں اور کسانوں کا خون چوس رہا تھا - ہندو اور مسلمان فرقہ وارانہ فسادات میں اُلجھ کر اپنے ملک کے اقتدار کی بیخ کنی کر رہے تھے - ان ناساعد حالات میں نذرالاسلام "دھوم کیتو" (دُمدار ستارہ) بن کر ان میں غیر متوقع طور پر نمودار ہوئے۔

شاعر نذرالاسلام کو خاک وطن سے والہانہ محبت اور مظلوم انسانیت سے گہری ہمدردی تھی - ان کو ملک اور عوام کی ابتری و زبوں حالی ایک آنکھ نہ بھائی - انھوں نے عام شاعروں کی طرح زندگی کی ہماہمی اور سرگرمیوں سے منہ موڑ کر گل و بلبل کی شاعری نہیں کی - وہ "ادب برائے ادب" کے قائل نہ تھے بلکہ "ادب برائے زندگی" کے حامی تھے - ان کے یہاں مستیٔ احوال نہیں، مستیٔ کردار ہے - انھوں نے شاعری سے دماغی عیاشی نہیں کی - ساحل سے طوفان کا تماشہ دیکھنا گوارا نہیں کیا - انھوں نے اس دور میں، جبکہ "رُخِ سحری کی لگن" کچھ نمایاں نہ تھی، اپنی "آگنی بینا" (آتشیں بین باجہ) اٹھائی اور اس سے ملک بھر میں آگ لگادی - ایک ایسا صور پھونکا، جس سے ہر دل میں حصولِ آزادی کی ایک نئی روح، ایک نئی تڑپ اور ایک نئی ہلچل پیدا ہوگئی - انھوں نے "بشیر بانشی" (زہریلی بانسری) بجا کر ظلم کی طاقتوں کو مبہوت کردیا - باغی

بن کر غلامی اور ناانصافی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا - آتش بیانی اور شعلہ نوائی سے چیرہ دستوں اور جفاکاروں کے دل میں تھرتھراہٹ اور زمین و آسمان میں زلزلہ پیدا کردیا - آتش فشاں اخبار "دھوم کیتو" شائع کرکے (۱۲ اگست ۱۹۲۲ء) اپنی للکار اور غیظ و غضب سے حکومت میں کپکپی پیدا کردی - وہ سامراج کے بدترین دشمن تھے - آخر "دھوم کیتو" کی اشاعت سے وہ خود بھی حکومت کے بدترین دشمن بن گئے - نتیجے میں قیدِ بامشقت کی سزا جھیلی - پھر بھی باطل کے آگے سر نہیں جھکایا - "لانگل" (کلکتہ، ۱۶ دسمبر ۱۹۲۵ء) میں نظمیں اور گانے شائع کرکے انسانی مساوات کی تعلیم دی - مزدوروں اور کسانوں کو صورِ اسرافیل پھونک کر جھنجھوڑ دیا اور انھیں خوابِ غفلت سے چونکا کر اپنے حقوق حاصل کرنے کی دعوت دی - ایک روشن مستقبل کا مژدہ سُنایا - خود موجِ بلا کے تھپیڑے کھا کھا کر مصیبت زدوں کو قعرِ مذلت سے نکالنے کی کوشش کی - در در پھر کر عوام کی رگِ حمیت میں خون دوڑایا - ہندو مسلم اتحاد کا راگ الاپا اور ہندو مسلم کے پیارے بھی بنے - شباب کے ترانے گائے اور نوجوانوں کو لے کر ایک ایسے جہانِ رنگ و بو کی داغ بیل ڈالنا چاہی، جہاں انسان، انسان کا دشمن نہ ہو، بڑے اور چھوٹے میں فرق اور دولت کی غیر مساوی تقسیم نہ ہو، جہاں مساوات کے گیت گائے جائیں، جہاں ہر فردِ بشر کو یکساں حقوق حاصل ہوں - انھوں نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا -

نذرالاسلام کی سعی مشکور ہوئی - ان کی رجائی شاعری نے لوگوں میں خود اعتمادی کا جذبہ اور آزادی کا ولولہ پیدا کیا - انھیں جبر و استبداد کے خلاف سینہ سپر بنا کر میدانِ جنگ میں لاکھڑا کیا - "خلافت" اور "ترکِ موالات" کی تحریکیں (۱۹۲۲ء - ۱۹۱۹ء) گو وقتی طور پر ناکام ہوئیں، تاہم ان کی روحیں فنا نہیں ہوئیں - وہ آئے دن مختلف شکلوں میں رونما ہوتی رہیں - شاعر نذرالاسلام نے تحریک "خلافت" اور "ترکِ موالات" کے وقت اپنی شاعری میں جس انقلاب کا بیج بویا تھا، آخر اس کا ثمرہ مرتب ہوکر رہا - ملک آزاد ہوا - پاکستان معرضِ وجود میں آیا -

نذرالاسلام کی ہنگامی نظموں اور گیتوں کی ادبی قدر و منزلت کیا ہوگی، اس کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ کہا نہیں جاسکتا - اس کا فیصلہ زمانے کی عدالت میں ہوگا - ہاں جب تک قوم اور ملک ہر طرح کے ظلم و ستم سے پاک نہ ہو، ان کی انقلابی شاعری کی ضرورت یقیناً باقی رہے گی - زمانے کو نذرالاسلام ہمیشہ یاد آئیں گے - قوم ہمیشہ ان کی ممنون رہے گی -

نذرالاسلام کی شاعری بنگلہ زبان و ادب میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے - جس وقت سرزمین بنگال میں رابندر ناتھ ٹیگور کی شاعری کا دور دورہ تھا، چاروں طرف ان کا طوطی بول رہا تھا، بجز چند گنی چنی ہستیوں کے تمام شعراء ان کی کورانہ تقلید کر رہے تھے اور ان کے طرزِ شاعری کو اپنے لئے باعثِ صد افتخار سمجھ رہے تھے، اسی وقت نذرالاسلام ایک غیر معمولی جودت و ذہانت اور زبردست شخصیت لئے ہوئے زبان و ادب کے اُفق پر طلوع ہوئے - گو شروع شروع میں انھوں نے ٹیگور کے طرزِ شاعری سے بھی فائدہ اُٹھایا، مگر تھوڑے ہی عرصے میں ان کی انفرادیت پسند طبیعت نے خیالات و بیانات کی عام ڈگر سے ہٹ کر اپنے لئے ایک الگ راستہ ڈھونڈھ نکالا - بنگلہ زبان و ادب کو نئے جذبات و احساسات، جدید طرزِ نگارش اور اسلوبِ بیان سے روشناس کرایا - مظلوم، کسان، مزدور، ماہی گیر، چور، ڈاکو غرض ہر طبقۂ انسان کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کی - "بورژوا ادب" کو اونچے محلوں سے اتار کر عوامی ادب بنایا - معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی حالات کا نقشہ کھینچ کر ادب کو حیات سے قریب تر کردیا - رابندر ناتھ اور ان کے متبعین کی شیریں اور سُریلی آواز اور نیاز مندانہ رجحانات

لئے ہوئے ادب کو صورِ اسرافیل اور برقِ میکائیل سے آشنا کیا - اس میں رعد کی گرج، بجلی کی تڑپ، طوفان کی تندی اور تلوار کی جھنکار پیدا کی - اس کو جرأت مندانہ لب و لہجہ اور فولاد کی سیرت بخشی - نئی نئی راگ راگنیوں سے باغِ ادب کو سجایا بسایا سنسکرت آمیز الفاظ کے پہلو بہ پہلو سینکڑوں عربی، فارسی اور اُردو الفاظ کے حسین امتزاج اور برمحل استعمال سے بنگلہ زبان و ادب کو ایک نیا رنگ و آہنگ بخشا - بنگلہ ادب کو، جو اب تک اسلامی رنگ روپ، اسلامی تعلیمات و پیغامات سے قریب قریب بے بہرہ تھا، لفظی و معنوی حیثیت سے اسلامی سانچے میں ڈھالا۔

نذرالاسلام، رابندرناتھ کے رعب و داب سے نہیں دبے - انھوں نے رسم و رواج کی بندھنوں سے بالاتر ہو کر اپنی انفرادیت کا ثبوت دیا - ان کی بلند شخصیت، انوکھے طرزِ فکر، دلکش اور اچھوتے اسلوب بیان نے ان کے بہت سے ہمعصر شعراء پر گہرا اثر ڈالا - وہ شہاب ثاقب کی طرح بنگلہ ادب کے اُفق پر رونما ہوئے - ان کی روشنی کچھ اتنی تیز تھی کہ آنکھیں چوندھیا گئیں - خود ٹیگور کا آفتابِ شہرت، جو اس وقت نصف النہار پر تھا، گہن میں آگیا - آخر ٹیگور کو بھی ان کا لوہا ماننا پڑا - جب نذرالاسلام نے اپنا ہنگامہ خیز اخبار "دھوم کیتو" شائع کیا، تو شاعر رابندرناتھ نے ان کی آتش بیانی اور شعلہ باری سے متاثر ہو کر اس کے پہلے ہی نمبر میں ذیل کے الفاظ میں ان کی پذیرائی کی :-

"اے "دھوم کیتو" آ، چلا آ
اندھیرے میں آگ کا پل باندھ دے
ان بُرے دنوں میں قلعے کی چوٹی پر
تو اپنی فتح کا پرچم لہرا دے
نحوست کے تِلک کو رات کی پیشانی پر
ثبت ہونے دے - کوئی پروا نہیں
خوابِ غفلت میں پڑے ہوؤں کو
جھنجھوڑ کر جگا دے ــــــ"

نذرالاسلام صرف "آگنی بینا"، "بشیر بانشی"، "بھانگار گان" (توڑ پھوڑ کے گانے)، "پرلئے شکھا" (تباہی کا شعلہ) ہی کے شاعر نہیں، "چوکھیر چانک" (آنکھ کا پپیہا)، "دولن چانپا" (پھول کا ایک خاص درخت)، "گل باغیچہ" اور "ذوالفقار" جیسی کتابوں کے بھی خالق ہیں - ان کے یہاں شعلوں کے ساتھ ساتھ گلدستے بھی ہیں - شمشیر و سنان کے پہلو بہ پہلو طاؤس و رباب بھی ہے - لہو ترنگ کے مقابلے میں جل ترنگ بھی موجود ہے - وہ بیک وقت شاعرِ انقلاب بھی ہیں اور قدرتی مناظر کے بہتر نقاش بھی - اسلام کی عظمتوں کے پُر خلوص مبلغ بھی - ایک طرف طبلِ جنگ بجاتے ہیں تو دوسری طرف حسن و عشق کا راگ الاپتے ہیں۔

ممکن ہے کہ ان کی بیشتر نظمیں، جو ہنگامی تقاضوں کی بنا پر وجود میں آئیں، "ادب برائے ادب" کے قائل حضرات اور سرمایہ دارانہ ذہنیت رکھنے والوں کو خوش نہ کر سکیں، مگر یہ فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ ان کی غنائی شاعری کا ایک معتد بہ حصّہ ایسا ضرور ہے، جو حسنِ فطرت اور قلبی واردات کی صحیح نمائندگی کرتا ہے - یہ وہ ادبی سرمایہ ہے، جو جمالیاتی

قدر کا ذوق رکھنے والوں کو بھی تسکین بخشتا ہے - ان کی یہ شاعری ایسی سدا بہار ہے، جس پر کبھی خزاں نہیں آئے گی - انھوں نے اسلامی نظموں، گیتوں اور غزلوں کا ایسا کافی ذخیرہ چھوڑا ہے، جس کا چرچا ہمیشہ مذہبی اور کیف و سرور کی محفلوں میں یکساں ہوتا رہے گا۔ یہ ادب ہمیشہ مسلمانوں کا خون گرماتا رہے گا اور ان کا دل تڑپاتا رہے گا۔

صد افسوس! تقدیر کے ظالم ہاتھوں نے ہمیں اپنے محبوب شاعر سے قبل از وقت محروم کر رکھا ہے - وہ ہم سے دور (کلکتہ میں) پڑے ہوئے ہیں اور انتہائی نازک حالت میں زندگی کی آخری گھڑیاں گذار رہے ہیں - مگر جتنے ہی وہ ہم سے دور ہیں، اس سے کہیں زیادہ قریب ہیں - کیونکہ ان کی شاعری ہماری زندگی کے ہر مرحلے میں مشعلِ راہ کا کام دیتی ہے - وہ قومی اور عہد آفریں شاعر ہیں - بنگلہ ادب کے چوٹی کے شاعر ہیں - قوم کے دل میں ہمیشہ ان کے لئے ایک معزز جگہ محفوظ رہے گی - ان کو خدا کے بندوں سے پیار تھا - اس لئے وہ بھی بندوں کے پیارے بنے ہوئے ہیں - ان کے کارناموں نے انھیں حیاتِ جاوید بخشی ہے - امرار کے ایوانوں سے لے کر غریبوں کے جھونپڑوں تک میں ان کی نظموں اور غزلوں کا چرچا ہوتا ہے اور ان کی یاد تازہ رہتی ہے ۞

نذر الاسلام کے حالاتِ زندگی

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا　　(اقبالؔ)

قاضی نذر الاسلام ۲۴ر مئی، ۱۸۹۹ء مطابق ۱۱ جیٹھ ۱۳۰۶ کو قصبہ چرولیا (بردوان، مغربی بنگال) کے ایک غریب مگر معزز قاضی گھرانے میں پیدا ہوئے - ان کے والد کا نام قاضی فقیر احمد اور والدہ کا نام زاہدہ خاتون تھا۔ ان کے اسلاف شاہ عالم کے عہد میں حاجی پور (پٹنہ) سے چرولیا میں آکر بس گئے تھے - قاضی فقیر احمد صوفی منش، فراخ دل، صحت مند اور خوب رو انسان تھے - انھوں نے اپنے مکان کے قریب مشہور بزرگ حاجی پہلوانؔ مرحوم کے مزار شریف کی خدمت گذاری اور اس سے متصل مسجد کی امامت میں اپنی ساری زندگی گذار دی۔

اسلامی رسوم و احکام کے سخت پابند ہونے کے باوجود قاضی فقیر احمد ہر مذہب کا دل سے احترام کرتے تھے - مختلف مذاہب کے لوگ ان کے ہاں آیا جایا کرتے تھے - اپنے والد کی طرح عہدِ شباب میں نذر الاسلام بھی قدآور، وجیہہ اور متناسب الاعضاء تھے - ان کی شاعری میں جو صوفیانہ رجحانات اور ہندو مسلم اتحاد کے جذبات پائے جاتے ہیں، وہ بڑی حد تک انھیں اپنے والد سے ورثے میں ملے - قاضی فقیر احمد کے گھرانے میں سات بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں - بڑے بیٹے قاضی صاحب جانؔ کی پیدائش کے بعد چار بیٹے یکے بعد دیگرے ناگہانی طور پر قضا کر گئے - اس کے بعد جب نذر الاسلام پیدا ہوئے، تو ان کا عرفی نام "دکھو میاں" رکھا گیا - وہ اپنے ہمسائیوں اور رشتہ داروں میں اسی نام سے مشہور تھے - ان کا بچپن بڑی پریشانی میں گذرا - اور آخری زندگی میں بھی انھیں بُرے دِنوں کا منہ دیکھنا پڑا - کون جانتا تھا کہ ان کا اسم بامسمّٰی ثابت ہوگا۔

نذر الاسلام آٹھ سال کی عمر (۱۳۱۴ب) میں اپنے والد کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئے - اس وجہ سے ان کے غریب خاندان کو بڑی دقّت کا سامنا کرنا پڑا - ان کی نوشت و خواند کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوئی - ان کی تعلیم کا کوئی اچھا انتظام نہ ہوسکا۔ بچپن میں انھیں دیہات کے آوارہ لڑکوں کے ساتھ زندگی بسر کرنی پڑی - وہ اپنے ہمجولیوں کے ساتھ ہنسی مذاق میں آزادانہ زندگی گذارتے تھے - ان کی طبیعت میں شوخی اور شرارت بہت تھی - ان کی شرارتوں سے پڑوسی تنگ رہتے - اس وجہ سے گاؤں والے انھیں "کھیپا" (مستان) کہا کرتے تھے - ان کی عملی زندگی میں ہمیں جو آزادہ روی نظر آتی ہے، اس کی بنیاد یہیں پڑی تھی - ان کی ذکاوت دیکھ کر ان کے گاؤں کے قاضی فضلِ احمد صاحب انھیں عزیز رکھتے تھے - وہ فارسی اور عربی کے بڑے ماہر تھے - انھیں کے ہاتھوں نذر الاسلام کی تعلیم فارسی و عربی کی ابتدا ہوئی۔

دس سال کی عمر (۱۹۰۹ء) میں انھوں نے ایک مقامی مکتب سے پرائمری امتحان پاس کیا۔ مگر تنگدستی ان کی تعلیم کی راہ میں حارج ہوئی۔ خانگی ذمّہ داریوں کے دباؤ سے مجبور ہو کر ان کو روزی کی تلاش کرنی پڑی۔ لطف یہ ہے کہ جس تنگدستی نے ان کی تعلیم و ترقی کے راستے میں روڑے اٹکائے تھے، وہی ان کے حق میں باعث رحمت ثابت ہوئی۔ وہ دکھ درد میں پل کر جوان ہوئے۔ اور اسی نے انھیں غریبوں اور مظلوموں کے دکھ درد کو قریب سے دیکھنے اور اسے دل سے محسوس کرنے کا موقع دیا۔ اور اسی احساس ہی نے انھیں عوامی شاعر بنا دیا۔ خود نذرالاسلام کو بھی اس کا احساس تھا۔ وہ اپنی نظم "دارِدر" (افلاس) میں افلاس سے خطاب کرتے ہوئے اسے زحمت کے بجائے رحمت قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"اے افلاس! تو نے مجھے سرفراز کیا ہے !
تو نے مجھے عیسیٰؑ کے تاجِ خار کی عزّت بخشی ہے !
اے زاہد (افلاس)! تو نے مجھے بے باکانہ اظہار کی
ہمّت عالی، تند اور عریاں نگاہ اور استرہ کی سی
زبانِ قاطع عطا کی ــــــــــــ
تیری زحمتوں کی بدولت میرا بین باجہ تلوار بن گیا ہے۔"　(سندھو ہندول)

جس مکتب سے انھوں نے پرائمری۔ امتحان پاس کیا، وہیں معلّمی شروع کی اور تقریباً ایک سال تک اسی ملازمت پر قائم رہے۔ اسی زمانے میں انھوں نے آس پاس کے دیہات میں مذہبی فرائض انجام دے کر کچھ روزگار کرنے کی کوشش کی۔ کبھی کبھار حاجی صاحب مرحوم کے مزار شریف اور مسجد کی خدمت انجام دیتے تھے۔ گاہ گاہ اپنے علاقے کے صوفیوں، درویشوں، سادھوؤں، اور سنیاسیوں سے رجوع کر کے ان سے روحانی سبق حاصل کرتے۔ اور ان کے طریقِ کار کو اپنانے کی کوشش بھی کرتے۔ ایک مسلمان پیر کے خادم ہونے کے باوجود، وہ رامائن، مہا بھارت اور پُرانوں کا گہرے دل سے مطالعہ کرتے۔ ان کی شاعری میں مختلف رسوم و روایات اور اسلامی و غیر اسلامی جذبات و تصوّرات کی جو آئینہ داری ملتی ہے، اس کا ماخذ اور پس منظر غالباً یہی ہے۔ بچپن میں جو باتیں انسان کی گھٹی میں پڑتی ہیں، وہ آخر دم تک قائم رہتی ہیں۔ نذرالاسلام کی شاعری میں جو عقیدت مندانہ نظمیں اور عارفانہ غزلیں ملتی ہیں، انھیں اسی ذہنیت کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے ●

شاعری کی ابتدا

قاضی نذرالاسلام فطری شاعر تھے۔ ابتدائی عمر ہی میں انھوں نے طبع آزمائی شروع کی۔ ان کے چچا قاضی بذل کریم اہلِ علم تھے۔ وہ شعر و شاعری بھی کرتے تھے۔ ان کے زیرِ ہدایت نذرالاسلام نے "اسلامی بنگلہ" میں نظمیں لکھنی شروع کیں۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں ابتدا ہی سے عربی، فارسی اور اُردو الفاظ کا وسیع استعمال شروع کیا۔ ان کے ابتدائی دور کی شاعری میں "پوتھی ادب" کا گہرا رنگ جھلکتا ہے۔

گو خانگی ذمّہ داری اور تنگ دستی نے نذرالاسلام کو باقاعدہ تعلیم سے روک رکھا تھا، تاہم اس سے ان کی شاعرانہ

اپچ پر کوئی آنچ نہیں آئی - چرلیا میں اس وقت بہت سے دیہاتی شعراء تھے - ان کی صحبت میں رہ کر نذرالاسلام کا فطری جوہر نمایاں ہونے لگا - اس زمانے میں ان کے علاقے میں "لیٹو ناچ" رائج تھا - دیہات کے شعراء منظوم ناٹک لکھتے تھے اور انھیں رقص و سرود کے ساتھ "اسٹیج" کیا جاتا تھا - اسی کا نام "لیٹو ناچ" تھا - قاضی بذل کریم اور قاضی فضل احمد لیٹو ناچ میں اُستاد کی حیثیت رکھتے تھے - نذرالاسلام کو شعر و شاعری کی طرف فطری رجحان تھا - کچھ اس لئے اور کچھ روزی کمانے کی غرض سے وہ بھی گیارہ سال کی عمر میں لیٹو ناچ میں شریک ہوگئے - اور اس کے لئے رَہَس، گیت، ناٹک وغیرہ لکھتے رہے - تھوڑے ہی عرصے میں انھوں نے اس فن میں شہرت حاصل کرلی - اپنی طباعی اور فطری شاعر ہونے کا ثبوت پیش کیا - ان کی یہ اُپچ دیکھکر لیٹو ناچ کے سرپرست اور کارکنان ان سے گیت اور ناٹک لکھنے کی فرمائش کرنے لگے - بعد کی زندگی میں انھوں نے فرمائشی گانوں کی تخلیق میں جس مہارت کا ثبوت دیا، اس کا پیش خیمہ یہی تھا - لیٹو ناچ کے کارکنوں نے انھیں " اُستاد جی " کے لقب سے نوازا - نیم شاہ گاؤں والوں نے اپنی پارٹی کی اُستادی کا سہرا ان کے سر باندھا - اور یہ ان کی آمدنی کا اچھا خاصا ذریعہ بن گیا -

اس سلسلے میں شاعرِ موصوف کو ہندو مسلم تہذیب و تمدّن اور مذہبی روایات و ثقافت کا کافی مطالعہ کرنا پڑا - ثقافتی محفلوں میں سماج کے تہذیب و تمدّن کی عکاسی ہوتی تھی - ان کی شاعری پر اس کا گہرا اثر پڑا - ان کی ابتدائی شاعری میں مذہبی خیالات اور اسلامی و غیر اسلامی تہذیب و تمدّن کی جو جھلکیاں ملتی ہیں، وہ ان کے عہدِ شباب کی شاعری میں اور زیادہ شوخ نظر آتی ہیں - ذیل میں ان کی ابتدائی شاعری کے دو ایک نمونے پیش کئے جاتے ہیں - اگرچہ ادبی حیثیت سے یہ کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، تاہم اس سے اس بات کا اندازہ ضرور ہوگا کہ ان کی بعد کی شاعری میں جو اسلامی سنگیت، شیام سنگیت اور عاشقانہ جذبات ملتے ہیں، ان کا نقطۂ آغاز یہیں ہے - تنوعِ مضامین، جودت و ذہانت کی پہچان ہے - یہ پہچان ان کی ابتدائی شاعری ہی میں نظر آتی ہے :

بدن کی زمین میں ہل چلا -
اس سے مختلف فصلیں پیدا ہوں گی -
نماز سے زمین ہموار کی جائے ،
روزے سے زمین تیار کرلی جائے ،
اور " کلمہ " سے زمین میں چوکی دی جائے ،
تو اس دُنیا میں کیا غم !

لا الٰہ الاّ اللہ
کے اصول کے مطابق بیج بو دے -
اس سے تو ایمان کی فصل کاٹے گا -
اور آرام سے رہے گا - (چا شا رسنگ)

نذرالاسلام کہتا ہے ــــــ بھائی بندگی کر -

زندگی بھر گناہ سے اپنی حیات کو برباد نہ کر۔
ورنہ حشر میں شرمندگی ہوگی۔

اے ناتھ (محبوب)! اتنے دنوں کے بعد میں نے تجھ جیسے عیّار جوان کا مکر سمجھ لیا ہے۔
مجھے بتا! تو نے عشق کا یہ انداز کہاں سے سیکھا ہے۔
تیرا دل بہت ہی سخت ہے۔
اے شیام! تو عشق کا دستور نہیں جانتا۔
اسی لئے تو نے عشق کی شمع بجھا دی ہے۔
اُسے پھر نہ جلا۔

تیرے ابرو کی کمان نے میرے دل کو بے تاب کر دیا ہے۔
میری جانِ پریشان عشق میں جل رہی ہے۔
اے دھنی (محبوب)! تجھے دیکھ کر
چاند پر کلنک کا ٹیکہ لگ گیا ہے۔
تیرا بدن کیا ہی حسین ہے!
میری متوالی جان تجھ پر قربان ہے۔
اسی لئے بلبل شہد پینے آئی ہے۔

تین چار سال تک لیٹو ناچ میں کام کرنے کے بعد نذرالاسلام کو پھر لکھنے پڑھنے کا شوق ہوا۔ بچپن ہی سے وہ بے چین طبیعت کے مالک تھے۔ پہلے رانی گنج کے "سیارسول راج اسکول" میں پڑھنا شروع کیا۔ مگر کچھ ہی دنوں کے بعد وہاں سے نکل کر "متھرون ہائی اسکول" کی پانچویں کلاس میں داخل ہوگئے (۱۳۱۸ب) اسکول کی پابندیاں ان پر بارگراں تھیں۔ وہ اکثر اسکول سے فرار ہوجاتے اور لیٹو ناچ میں جاکر پناہ لیتے۔ اس کے لئے گیت، ناٹک وغیرہ لکھتے یا اِدھر اُدھر آوارہ لڑکوں کے ساتھ مارے مارے پھرتے۔ چھٹی کلاس تک پڑھنے کے بعد مفلسی نے انھیں اسکول چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

ایک دن کسی کو مطلع کئے بغیر وہ رانی گنج چلے گئے اور وہاں ریلوے کے ایک گارڈ صاحب کے شکنجے میں پھنس کر کچھ دنوں باورچی کا کام کیا۔ ان کی آزاد طبیعت کو کسی کام میں لگے رہنا گوارا نہ ہوتا۔ چنانچہ وہ رانی گنج سے اچانک بھاگ کر آسنسول پہنچے۔ اور عبدالواحد نانبائی کی دوکان میں پانچ روپئے ماہوار پر ملازمت اختیار کرلی۔ وہاں آٹا گوندھ کر روٹی پکاتے اور فرصت کے اوقات میں گیت اور نظمیں لکھتے۔ سُریلی آواز میں پوتھی پڑھا کرتے۔ اُس وقت دُنیا کو کیا معلوم تھا کہ آگے چل کر پاک و ہند کے گوشے گوشے میں اس معمولی ملازم کا ڈنکا بجتا رہے گا۔ قومی اور عہد آفریں شاعر ہونے کا سہرا ان کے سر باندھا جائے گا۔ اس پوتھی خوانی کا اثر ان کی شاعری پر بھی پڑا۔ ان کے ابتدائی کلام میں پوتھی ادب کا جو رنگ جھلکتا ہے اس پر اس پوتھی خوانی کا اثر ضرور

پڑا ہے۔

لیٹو ناچ میں اُستاد کی حیثیت سے کام کرکے نذرالاسلام نے موسیقی میں مشّاقی حاصل کرلی تھی۔ وہ نانبائی کی دوکان میں اپنے سوز و ساز سے گاہکوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلیتے تھے۔ اسی زمانے میں انھیں قاضی رفیض الدین صاحب سے جو ان دنوں آسنسول تھانے کے پولس سب انسپکٹر تھے، روشناس ہونے کا موقع ملا۔ ان کی شاعری اور موسیقی کی صلاحیتیں دیکھ کر داروغہ صاحب سمجھ گئے کہ ان میں فطری جودت و ذہانت کا سرمایہ ودیعت کیا گیا ہے۔ انھیں موزوں تعلیم کا موقع ملے، تو یہ ذرّہ ایک روز آفتاب بن کر چمکے گا۔ چنانچہ داروغہ صاحب انھیں وہاں سے ضلع میمن سنگھ، تھانہ تریسال کے قاضیر شملہ نامی گاؤں میں لے آئے اور "دری رام پور ہائی اسکول" کے ساتویں کلاس میں داخل کردیا (۱۳۱۹ب مطابق ۱۹۱۴ء)۔

نذرالاسلام بچپن ہی سے حُسن کے پُجاری تھے۔ ہر حُسن ان کا دل موہ لیتا تھا۔ قاضیر شملہ سے دریرام پور تک پانچ میل کا فاصلہ ہے۔ وہ ہر روز یہ راستہ پیدل طے کرتے اور آمد و رفت کے وقت دیہات کے سنہرے اور دلکش فطری مناظر سے لُطف اُٹھاتے۔ وہ کلاس میں اُداس بیٹھے رہتے اور دل ہی دل میں کچھ سوچتے رہتے۔ اسکول کے قریب ٹھوٹی بھنگا جھیل کے کنارے خاموش بیٹھے رہتے اور گاہ گاہ بانسری بجاکر دل بہلاتے۔ وہ اکثر اسکول ناغہ کرتے اور دیہاتی گوالوں کے ساتھ ندی میں مچھلیاں پکڑا کرتے یا اِدھر اُدھر شریر لڑکوں سے مل کر لوگوں کی فصلیں تہس نہس کرتے۔ وہ علم کے پیاسے تو تھے مگر اسکول کی پابندیاں ان پر شاق گذرتی تھیں۔ وہ اسکول کی درسی کتابوں سے زیادہ غیر درسی کتابوں کا مطالعہ کرتے۔ کوئی دلچسپ کتاب مل جاتی، تو ختم کئے بغیر نہ چھوڑتے۔ ان کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ اس بے توجہی کے باوجود انھوں نے سالانہ امتحان میں بنگلہ مضمون کا پرچہ نظم میں لکھا۔ ممتحن کو ان کی شاعرانہ صلاحیت اور استعداد دیکھ کر بہت تعجب ہوا۔ بنگلہ کے اُستاد نے تو ان کی تعریف کی مگر دوسرے مضامین میں، انھوں نے اپنا نام ڈبو دیا۔ آخر کار امتحان میں ناکام رہے۔ اسی طرح اسکول میں ان کا ایک سال گذر گیا۔

ایک دن اچانک کسی اطلاع کے بغیر نذرالاسلام میمن سنگھ چھوڑ کر اپنے گھر واپس چلے گئے (۱۹۱۴ء)، اور دوبارہ لیٹو ناچ میں شریک ہوگئے۔ ان کی طبیعت بے چین تھی۔ کسی کام میں بھی زیادہ عرصے تک لگے رہنا ان کی فطرت میں نہ تھا۔ کچھ عرصے تک لیٹو میں رہ کر اس کا دل اُچاٹ ہوگیا، تو انھیں پھر لکھنے پڑھنے کا خیال ہوا اور "راج ہائی اسکول" (رانی گنج) کی آٹھویں کلاس میں داخل ہوگئے (۱۹۱۵ء) اسی اسکول میں حافظ نور النبی فارسی کے ایک ماہر اُستاد تھے۔ ان کی حوصلہ افزائی پر نذرالاسلام نے فارسی اختیاری مضمون کی حیثیت سے لی۔ اور خوب ذوق و شوق سے پڑھنا شروع کیا۔ اس مرتبہ اسکول میں داخلہ لینے کے بعد سے ان کی طبیعت میں متانت و سنجیدگی آنے لگی۔ ان کی تعلیم اور شعر و شاعری دونوں پہلو بہ پہلو آگے چلنے لگیں۔ وہ لکھنے پڑھنے میں بے پروا تھے۔ مگر ایک ذکی طالبِ علم تھے۔ ان کی ذکاوت دیکھ کر سیار سول کے راجا نے انھیں اسکول کی فیس اور ہوسٹل کے خرچ سے سبکدوش کردیا۔ مزید براں سات روپئے ماہوار وظیفہ ان کے لئے مقرّر کردیا۔ ان سہولتوں کو غنیمت سمجھ کر وہ باقاعدگی کے ساتھ لکھنے پڑھنے کی طرف متوجّہ ہوگئے۔

فوج میں نذرالاسلام کی شرکت ـــــ نئی زندگی کا آغاز

۱۹۱۷ء ـــــ ۱۹۱۹ء

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملّا کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور
اقبالؔ

پہلی جنگِ عظیم کے تیسرے سال (۱۹۱۷ء) نذرالاسلام دسویں کلاس کے طالب علم تھے۔ ملک میں زور سے فوج میں داخل ہونے کا پروپیگنڈا ہو رہا تھا۔ اشتہارات کے ذریعے ملک کے گوشے گوشے میں بھرتی ہونے کی ترغیب دی جا رہی تھی۔ نذرالاسلام جیسے جوشیلے اور جواں مرد انسان اس طوفان خیز ہنگامے میں کیسے نچلے بیٹھ سکتے تھے۔ امتحانِ انتخابی ختم ہوتے ہی انھوں نے ۴۹ ویں بنگالی پلٹن میں اپنا نام درج کرایا۔ فوجی تربیت کے لئے انھیں مسلسل تین ماہ پشاور کے قریب نوشہرہ میں قیام کرنا پڑا۔ پھر وہاں سے کراچی چلے گئے۔ تھوڑے ہی عرصے میں اس نوجوان سپاہی نے فوج میں اپنی صلاحیت کا ثبوت دیا۔ ان سے خوش ہو کر پلٹن کے اعلیٰ حکام نے "حولدار" کے عہدے پر فائز کیا۔ اور کوارٹر ماسٹر حولدار کی حیثیت سے شعبۂ رسد کی نگرانی ان کے سپرد ہوئی۔ فوجیوں میں وہ ہر دل عزیز تھے۔ اس لئے کہ وہ ہمیشہ تازہ بہ تازہ گانوں سے ان کا دل خوش رکھتے تھے۔

نذرالاسلام کی فوجی زندگی (۱۹۱۷ء ـــــ ۱۹۱۹ء) کراچی کی فوجی چھاؤنی میں گذری۔ فوجی ملازمت کے باوجود وہ کبھی ادبی سرگرمیوں سے بے تعلق نہیں رہے۔ سچّے معنوں میں ان کی ادبی زندگی یہیں سے شروع ہوئی۔ انھیں جنگ کا منھ دیکھنا نہ پڑا۔ بجز رسمی پابندیوں کے وہاں ان کا کوئی خاص کام نہ تھا۔ فرصت کے اوقات کو غنیمت سمجھ کر خوبی نیمے میں بھی انھوں نے شعر و شاعری اور علمی مشغلہ جاری رکھا۔ نظمیں، گیت اور افسانے ان کے قلم سے برابر نکلتے ہی رہے، جو کلکتے کے ادبی رسالوں میں "حولدار قاضی نذرالاسلام" کے نام سے شائع ہوتے رہے۔

سوغات، جیٹھ، ۱۳۲۶ ب (۱۹۱۹ء) میں ان کا افسانہ "باؤنڈولیر آتمو کاہینی" (آوارہ کی آپ بیتی) شائع ہوا۔ یہ ان کا پہلا شائع شدہ مضمون ہے۔ اس افسانے پر ان کی زندگی کی چھاپ نظر آتی ہے۔ اس میں رانی گنج کے سیارسول راج اسکول کا ذکر ہے جہاں انھوں نے تعلیم پائی تھی۔ ادبی حیثیت سے اس کہانی کی قدر و قیمت جو بھی ہو، اس سے ہمیں بحث نہیں۔ مگر پہلا مضمون ہونے کی حیثیت سے ان کی ادبی زندگی کی تاریخ میں اس کی اہمیت ضرور ہے۔ یہ افسانہ بعد میں ان کے افسانوں کے مجموعے "رِکتیر بیدن" (بے سروسامانی کی خلش) میں شامل کر لیا گیا۔ اس کتاب کے تمام (آٹھ) افسانے کراچی کے دورانِ قیام میں لکھے گئے۔

نذرالاسلام کی نظم "مُکتی" (نجات) "بنگیا مسلم ساہتیہ پتریکا" ساون، ۱۳۲۶ ب (۱۹۱۹ء) میں شائع۔ یہ ان کی پہلی مطبوعہ نظم ہے۔ یہ رانی گنج کے ایک خاموش فقیر (انتقال ۱۹۱۶ء) کی کہانی پر مشتمل ہے۔ اس درویش کا مقبرہ اب "ہاتھ باندھا فقیر کا مزار" کے نام سے مشہور ہے۔ اس نظم میں روحانیت کے متعلق شاعر کا جو عقیدہ ملتا ہے، ان کی شاعرانہ زندگی کے مختلف مدارج میں اس کا بارہا ظہور ہوا ہے۔

اسی سال (۱۹۱۹ء) اسی رسالے کے کاتک نمبر میں ان کا افسانہ "ہنا" اور ماگھ نمبر میں "بیتھار دان" (درد کا احسان)

منظر عام پر آیا - جب یہ دونوں مختصر افسانے شائع ہوئے، تو ذی فہم قارئین سمجھ گئے کہ بنگلہ ادب کے اُفق پر ایک تابناک ستارہ طلوع ہو رہا ہے - بعد میں یہ دو افسانے ان کی کتاب "بیتھا ر دان" (۱۹۲۲ء) میں شامل کئے گئے -

ڈاکٹر شہید اللہ اور مزمل حق "بنگیا مسلم ساہتیہ پترکا" کے اڈیٹر تھے - کامریڈ مظفر احمد اس کے سرپرستوں میں سے تھے - نذرالاسلام کی تحریروں میں جوشِ بیان، ولولۂ حیات اور انقلابی اثرات کو دیکھ کر مظفر احمد صاحب بہت متاثر ہوئے - وہ شاعر کے مدّاح ہو گئے اور گاہ بہ گاہ مخلصانہ خطوط سے ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہے - اس خط و کتابت سے رفتہ رفتہ دونوں کے درمیان محبت کا رشتہ گہرے سے گہرا ہوتا گیا - مظفر احمد صاحب ایک بڑے صاحب قلم اور ممتاز سیاسی رہنما ہیں - نذرالاسلام کو عرصۂ دراز تک ان کی صحبت اُٹھانے کا موقع ملا - ان پر مظفر احمد صاحب کی ادبی اور سیاسی سرگرمیوں کا گہرا اثر پڑا - اگرچہ وہ کامریڈ مظفر احمد کی طرح اشتراکی نہ تھے پھر بھی ان پر اشتراکی تحریک اور روسی انقلاب (نومبر، ۱۹۱۷ء) کا اثر ضرور پڑا - انھوں نے مزدور تحریکوں میں اہم کردار ادا کیا ہے -

سوغات، بھادوں، ۱۳۲۶ء میں نذرالاسلام کا افسانہ "شوامی ہارا" (گم کردہ شوہر) اور کنوار میں طنزیہ نظم "کوُ تیا سَمادھی" (شاعری کا مزار) شائع ہوئی - اس نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زیادہ تر تحریریں جو وہ کراچی سے اشاعت کے لئے کلکتے بھیجتے تھے، ضائع ہو جاتی تھیں - اسی رسالے کے کاتک نمبر میں ان کا پہلا مقالہ "ترک مہلا رگھومٹا کھُلا" (ترکی خاتون بے نقاب) شائع ہوا - یہ مقالہ اُس مضمون کے رد میں لکھا گیا جو اسی سال "بھارت ورش" میں ہو بہو اسی عنوان سے شائع ہوا تھا - اس میں ترک خواتین کے حسن کے متعلق نازیبا اور ناقابلِ برداشت خیالات کا اظہار کیا گیا تھا - اسی سال (۱۹۱۹ء) پوس کے مہینے میں "پرباسی" میں حافظ شیرازی کی ایک غزل کا منظوم ترجمہ "آشائے" کے عنوان سے شائع ہوا -

نذرالاسلام نے بنگالی پلٹن کے ایک پنجابی مولوی صاحب سے دیوانِ حافظ، مثنویٔ مولانا روم اور فارسی کی دوسری مشہور کتابیں پڑھیں - ان کتابوں کے مطالعہ سے ان کی نگاہ میں وسعت پیدا ہوئی - اور انھیں ایک ہمہ گیر ادب اور ایک اعلیٰ زندگی کا سراغ ملا - جس کا اثر ان کے ادب پر بھی گہرے طور پہ پڑا - اس کا ثبوت ہمیں ان کی ادبی زندگی کی مختلف منازل میں ملتا ہے - "رِکتیر بیدن" اور "بیتھا ر دان" میں انھوں نے حسنِ عقیدت کے ساتھ حافظ شیرازی کا ذکر کیا ہے - آخری عمر میں انھوں نے تمام رباعیاتِ حافظ اور عمر خیام کی ۱۹۸ رُباعیات کا منظوم بنگلہ ترجمہ کیا - رُباعیات حافظ کے مقدمہ میں انھوں نے پنجابی مولوی صاحب کا ذکر کیا ہے - اور آخر میں حافظ شیرازی کے حالات زندگی مختصر طور پر قلم بند کئے - ان کی عشقیہ شاعری پر حافظ شیرازی اور عمر خیام کا نمایاں اثر نظر آتا ہے -

اس مقام پر یہ جان لینا مناسب ہوگا کہ نذرالاسلام نے شروع شروع میں افسانہ نگاری سے قارئین کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کر لیا تھا - فوجی تربیت کے زمانے میں افسانہ نگاری ان کا محبوب مشغلہ تھا - ان کے اس دور کی افسانہ نگاری میں پختگی کی کمی نظر آتی ہے - اگرچہ بعد کی زندگی میں انھوں نے کئی اچھے افسانے بھی لکھے، پھر بھی وہ افسانہ نگاری کی صفِ اوّل میں نہ آسکے - وہ اوّل اوّل ایک شاعر سے زیادہ ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے منظر عام پر آئے تھے ●

جنگ سے واپسی، ۱۹۱۹ء

شہرت بہ حیثیتِ شاعر

۱۹۱۹ء میں پہلی جنگِ عظیم کا خاتمہ ہوگیا۔ چیت، ۱۳۲۶ء مطابق مارچ، اپریل، ۱۹۱۹ء میں بنگالی پلٹن توڑ دی گئی۔ تو نذرالاسلام کراچی سے سیدھے "کلکتہ" چلے آئے۔ اور وہاں دو دن کے قیام کے بعد سات آٹھ روز کے لئے اپنے گاؤں چُرلیا گئے۔ گھر والوں سے مل کر پھر "کلکتہ" پہنچے اور "بنگیا مسلم ساہتیہ سمیتی" کے مکان میں رہنے لگے۔ ان کی ادبی سرگرمیاں پورے معنوں میں اسی وقت سے شروع ہوئیں۔ مزمّل حق کے صاحبزادے افضل الحق کے زیرِادارت بیساکھ ۱۳۲۷ء (۱۹۲۰ء) میں کلکتہ سے "مسلم بھارت" شائع ہوا۔ اس کے پہلے نمبر سے نذرالاسلام کا پہلا ناول "باندھن ہارا" (بے قید) قسطوار شائع ہوتا رہا۔ اس کا زیادہ تر حصّہ کراچی کے دورانِ قیام میں لکھا گیا تھا۔ ۱۹۲۷ء میں یہ ناول کتابی شکل میں شائع ہوا۔ یہ کتاب ایک ناکام محبت کی داستان ہے۔ اور اس جذبۂ ناکامی نے آخر تک پہنچتے پہنچتے بغاوت کی شکل اختیار کرلی۔ اس ناول کے ایک کردار کا نام ساہسکا ہے۔ اس کے ایک مفصّل خط میں نذرالاسلام نے جس بغاوت کی توضیح کی، وہی بعد میں پورے خدّوخال کے ساتھ ان کی شہرۂ آفاق نظم "بدروہی" (باغی) میں نمایاں ہوئی۔ "باندھن ہارا" میں ساہسکا نے راؤبیہ کے نام جو خط لکھا، اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ اگر انسان شوخی کرتے ہوئے خالقِ کائنات سے بغاوت بھی کرگذرے تو یہ موجبِ کفر نہیں بلکہ موجبِ قربت ہے۔

نذرالاسلام کی ابتدائی دور کی اہم نظمیں بیشتر "مسلم بھارت" میں شائع ہوئیں۔ اس رسالہ نے ان کی شاعری کو مقبولِ عام بنانے میں بڑی مدد دی۔ اس کے جیٹھ نمبر، ۱۳۲۷ء (۱۹۲۰ء) میں حافظؔ کی غزل ——— "یوسف گم گشتہ باز آید بکنعان، غم مخور" کے مضمون کے مطابق ان کا ایک گیت اور "شط العرب" کے عنوان سے ایک اور نظم شائع ہوئی۔ اساڑھ میں حافظ کی ایک غزل کے خیال اور بحر کے مطابق "بادل پرائیر شراب" (ابر آلود صبح کی شراب)، ساون میں "کھیا پاریر ترنی" (دریا کے پار اترنے کی کشتی)، بھادوں میں "قربانی"، کنوار میں "محرم"، کاتک میں ایک گانا، اگھن میں "فاتحۂ دوازدہم" اور حافظ کی دوسری ایک غزل کا ترجمہ شائع ہوا۔ ماگھ میں حافظؔ کی اور ایک غزل کا ترجمہ، پھاگن میں "مرثی" (غمخوار) کے عنوان سے ایک گیت، چیت میں دوسرا ایک گیت غرض مختصر عرصے میں مختلف نظمیں، گانے اور مضامین یکے بعد دیگرے منظرِعام پر آگئے۔ نذرالاسلام کی دو اور معرکتہ الآرا نظمیں "بدروہی" اور "کمال پاشا" بھی بعد میں بیک وقت اسی رسالے میں شائع کی گئیں۔ جب ان کی نظم "کھیا پاریر ترنی" اور "بادل پرائیر شراب" شائع ہوئی، تو ان کے ہم عصر شاعر موہت لال مجومدار نے "مسلم بھارت" بھادوں، ۱۳۲۷ء میں ان کے نام ایک خط لکھ کر ان کی نظموں کی خوب خوب داد دی۔ اسے نذرالاسلام کا ایک خداداد جوہر ہی کہہ سکتے ہیں کہ جنگ سے واپس آکر ایک ہی سال کی مدّت میں انھوں نے نظموں کی ایک لمبی فہرست بنگلہ ادب کے سامنے پیش کردی اور وہ ملک بھر میں ایک ممتاز شاعر کی حیثیت سے تسلیم کرلئے گئے۔ شاعری کی اُفق پر طلوع ہوتے ہی نذرالاسلام کو جتنی جلدی مقبولیت حاصل ہوئی، وہ بہت ہی کم شاعروں کو نصیب ہوتی ہے۔

نذرالاسلام "نوجوگ" میں ۱۹۲۰ء

۱۹۲۰ء میں تحریکِ خلافت کے ممتاز رہنما مولوی اے۔کے فضل الحق مرحوم (۱۸۷۳ء ـــــ ۱۹۶۲ء) کا روزانہ "نوجوگ" کلکتہ سے شائع ہوا۔ کامریڈ مظفر احمد اور نذرالاسلام اس کے اڈیٹر مقرر ہوئے۔ انھوں نے اپنی شعلہ بیانی سے تحریکِ آزادی کو بڑی تقویت بخشی۔ اسی اخبار میں سب سے پہلے کھلے الفاظ میں کسانوں اور مزدوروں کی نمائندگی کی گئی۔ ان کی کوشش سے اس روزنامے نے بہت جلد ہندو۔مسلم دونوں طبقوں میں مقبولیت حاصل کرلی۔ سیاسی معاملات میں اے۔کے۔فضل الحق سے نذرالاسلام کا اتفاق رائے نہ ہوسکا۔ اس لئے انھوں نے کچھ عرصے کے بعد "نوجوگ" کا کام چھوڑ دیا۔ ان کے اداریوں میں "ہڑتال" اور "نظرانداز کی ہوئی طاقت کی بیداری" قابل ذکر ہیں۔ ان کے "نوجوگ" میں لکھے ہوئے اداریوں کا انتخاب بعد میں "جوگ مانی" (نوائے وقت) کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا (۱۹۲۲ء)۔ یہ ان کی پہلی مطبوعہ کتاب ہے۔ اِسے حکومتِ وقت نے اپنے مفاد کے خلاف سمجھ کر ضبط کرلیا۔

کومِلا میں پہلی شادی، ۱۹۲۱ء

ایک روز کسی کو مطلع کئے بغیر نذرالاسلام "نوجوگ" کا کام چھوڑ کر دیوگھر چلے گئے اور کچھ دنوں کے بعد وہاں سے واپس آکر افضل الحق کے ساتھ "ساہتیہ سمیتی" کے دفتر میں رہنے لگے۔ وہاں مشہور ناٹک نگار علی اکبر خاں بھی رہتے تھے۔ ان کا گھر دولت پور (کومِلا) میں تھا۔ ایک دن نذرالاسلام ان کے ہمراہ دولت پور چلے آئے (۱۹۲۱ء) اور کچھ دنوں وہاں قیام کیا۔ اس اثنا میں علی اکبر خاں کی ایک بھانجی سے انھیں محبت ہوگئی۔ ۳ اساڑھ، ۱۳۲۸ء (جون ۱۹۲۱ء) کو علی اکبر کی وکالت پر ان کی بھانجی سے نذرالاسلام کی شادی ہوگئی۔ مگر علی اکبر خاں اور ان کی بیوی کے برے سلوک سے تنگ آکر وہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد کلکتہ چلے آئے اور بیوی سے ہمیشہ کے لئے علیحدگی اختیار کرلی۔ مگر ان کے دل میں ہمیشہ اس فرقت کا دکھ رہا۔ علیحدگی کے سولہ سال کے بعد یکم جولائی ۱۹۳۷ء کو انھوں نے اس محبوبہ کے نام جو خط لکھا، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:۔

> "میرے دل کا مالک ہی جانتا ہے کہ تمہارے لئے میرے دل میں کیسا گہرا زخم اور کتنا درد ہے۔ مگر اس درد کی آگ میں تنہا میں ہی جلا۔ اس سے تمہیں جلانا کبھی پسند نہ کیا۔ تم نے مجھے آگ کا یہ پارس نہ دیا ہوتا تو میں آگ کی یہ بینا ہرگز نہ بجا سکتا۔ دھوم کیتو کی حیرت لے کر طلوع نہ ہوسکتا۔"

ان الفاظ سے یہ اندازہ ضرور ہوگا کہ نذرالاسلام کے دل میں عرصۂ دراز تک اس محبوبہ کی مفارقت کا رنج جاگزیں رہا۔ اور اس دردِ فراق کا گہرا اثر ان کی شاعری پر ضرور پڑا۔ علیحدگی کے بعد اس محبوبہ (نرگس خانم) نے اپنی ایک کتاب میں نذرالاسلام پر کچھ چوٹیں کیں، جس کے جواب میں "ہنگساتُر" (کینہ پرور) کے عنوان سے انھیں ایک نظم لکھنی پڑی۔ سوغات'

جیٹھ ۱۳۲۵ھ میں یہ نظم شائع ہوئی - اور بعد میں "چکرباک" کی فہرست اسے جگہ ملی - علاوہ ازیں اس کتاب کے بہت سے گانوں کے سوتے غالبًا شاعر کے اسی دردِ فراق کے سرچشمہ سے پھوٹے ہیں ؎

نذرالاسلام کی شہرۂ آفاق نظم "بدروہی" کی اشاعت ۱۹۲۱ء

یہ زوردست و ضربت کاری کا ہے مقام
میدان جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ (اقبالؔ)

کومِلا سے واپسی کے بعد نذرالاسلام تال تلالین (کلکتہ) کے ایک مکان میں اقامت گزیں ہوگئے (جولائی ۱۹۲۱ء) اسی مکان میں رہ کر انھوں نے اپنی نظم "بھانگار گان" لکھی - اسی وقت انھوں نے اپنی شہرۂ آفاق نظم بدروہی (باغی) قوم کے سامنے پیش کی (۱۹۲۱ء) دو سال پہلے جس نوجوان شاعر نے صحیح معنوں میں شاعری کے میدان میں پہلا قدم رکھا تھا اور جس کی عمر صرف بائیس سال کی تھی، اس کے قلم سے "بدروہی" جیسی آتش بار اور ہنگامہ خیز نظم کا نکلنا حیرت انگیز ہے۔ "بدروہی" اولاً ہفتہ وار "بجلی" (۱۹۲۱ء) میں شائع ہوئی - اور بیک وقت "پرباسی"، ماہانہ "بسومتی" "سادھنا" اور دوسرے رسالوں میں بھی چھپی - بعد ازاں "مسلم بھارت" کے کاتک نمبر، ۱۳۲۸ھ میں ان کی یہ نظم نیز "کمال پاشا" کے عنوان سے ایک دوسری نظم شائع ہوئی - "اُدبودھن"، "اسلامی درشن" اور دوسرے رسالوں میں اس نظم کی موافقت اور مخالفت میں مضامین شائع کئے گئے - بعض لوگوں نے انھیں ملحد اور کافر تک کہا۔ مسلم بھارت، اگھن، ۱۳۲۸ھ میں شاعر شوئی لیندر کمار نے "بدروہی بیر" (بہادر باغی) کے عنوان سے ایک طویل نظم لکھ کر نذرالاسلام کو خراجِ عقیدت پیش کیا - دوسری طرف شاعر غلام مصطفٰے نے ان کے خلاف "ینن تربیتو" (منظم) کی سرخی سے "سوغات" (ماگھ) میں ایک نظم لکھی - غرض نذرالاسلام کی اس نظم نے بنگلہ ادب نیز اہل بنگالہ کی زندگی میں ایک بڑا انقلاب پیدا کر دیا - عوام میں حصولِ آزادی کی ایک نئی روح پھونک دی - ملوکیت پر کاری ضرب لگائی - جفاکار اور سرمایہ دار طبقے میں بوکھلاہٹ پیدا کر دی - چشمِ زدن میں ملک کے گوشے گوشے میں اس نظم سے ان کی دھاک بیٹھ گئی -

یوں تو اس سے قبل ہی ان کے قلم سے "الور"، "شط العرب"، "رن بھیری" (طبلِ جنگ)، "قربانی"، "محرم" جیسی اہم نظمیں نکل چکی تھیں اور ان جواہر پاروں نے انھیں ایک اعلیٰ درجہ کا شاعر ثابت کر دیا تھا مگر "بدروہی" کی اشاعت نے انھیں ایک عہد آفریں اور باغی شاعر ہونے کا امتیاز بخشا - کیونکہ اب تک بنگلہ ادب اس قسم کی باغیانہ اور جراَت مندانہ نظم سے یکسر خالی تھا - ممکن ہے کہ فنی محاسن کے اعتبار سے اس نظم میں بعض خامیاں ہوں، لیکن اس میں شک نہیں کہ رنگ و آہنگ کے اعتبار سے یہ نظم بنگلہ زبان و ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے - بغاوت و انقلاب اور تیزی و تندی کی ایسی جیتی جاگتی تصویر شاید ہی کہیں اور ملے - خود نذرالاسلام کے قلم سے بھی ایسی نظم اور کبھی نہ نکلی - اب تک وہ "سپاہی شاعر"

کے نام سے مشہور تھے۔ مگر اس نظم کے شائع ہونے کے بعد لوگوں نے انھیں "باغی شاعر" کے لقب سے نوازا۔ نمونے کے طور پر اس نظم کا کچھ حصّہ ملاحظہ ہو:۔

کہہ دے بہادر ـــــــــ
کہہ دے کہ میں سربلند ہوں!
اتنا سربلند کہ ہمالیہ کی چوٹی بھی میری سربلندی کو دیکھ کر سرنگوں ہو جاتی ہے!
کہہ دے بہادر ـــــــــ
کہہ دے کہ میں کائنات کا وسیع آسمان پھاڑ کر،
چاند، سورج اور تاروں سے گزر کر،
زمین و آسمان کا احاطہ چیر کر،
خدا کا عرش چھید کر،
مدبّرِ عالم (خدا) کی دائمی حیرت بن کر اُبھر آیا ہوں۔
میری پیشانی میں قہار خدا چمکتا ہے۔ اس میں اقبال مندی کا راج ٹیکہ روشن ہے۔

● ● ●

کہہ دے بہادر ـــــــــ
میں ہمیشہ سربلند ہوں۔
میں کبھی دبنے والا نہیں۔ غیر متواضع اور سنگدل ہوں۔
میں ہیبت ناک تباہی کا ناچتا ہوا رُشو* ہوں۔ میں طوفان ہوں، میں تباہی ہوں،۔
میں دہشت ہوں۔ میں دُنیا کا غضب ہوں۔
میں ممانعت سے باز آنے والا نہیں۔
میں سب توڑ کر چکنا چور کر دیتا ہوں!
میں بے ضابطہ اور بے نظام ہوں۔
میں تمام بندشوں اور آئین قانون کی پابندیوں کو روند ڈالتا ہوں!
میں کسی آئین کو نہیں مانتا۔
میں بھری کشتی کو بالکل ڈبو دیتا ہوں۔ میں تارپیڈو ہوں، میں تیرتا ہوا خطرناک مائین ہوں۔
میں رُشو ہوں۔ میں بکھرے بالوں میں بے موسم بھی قیامت خیز طوفان برپا کرتا ہوں۔
میں باغی ہوں۔ میں مدبرِ جہان کا بھیجا ہوا باغی ہوں۔

---

* مخلوقات کو فنا کرنے والا ہندوؤں کا ایک مشہور دیوتا۔

کہہ دے بہادر ــــــــــ
میں ہمیشہ سربلند ہوں -
(بدروہی، اگنی بینا)

"کمال پاشا" بھی نذرالاسلام کی ایک مہتم بالشان نظم ہے - جب کمال پاشا نے یونانیوں کو شکست دے کر سمرنا پر قبضہ جمالیا (۱۹۲۲ء)، توانھوں نے خوشی کی موج میں یہ نظم لکھی - اس میں انھوں نے کمال پاشا کی فتح ونصرت کا گیت گایا - ساتھ ہی ساتھ اپنے ملک کی غلامانہ زندگی کی کلفت اور حصولِ آزادی کے ولولے کی تصویر بھی کھینچی - انھوں نے اس نظم میں ہراس جنگ کو جائز قرار دیا جو اپنے ملک کی آزادی کے لئے ہو - اور ہراس جنگ کے خلاف اظہار نفرت کیا جس سے دوسرے ملک کی آزادی پر آنچ آئے - وہ لٹیرے یونانیوں کے خلاف اپنے غم و غصّے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

بھائی! یہ سب لوگ کینہ کش جانور ہیں - انھوں نے سپاہیوں کا نام ڈبو دیا -
اس لئے کہیں ان کا وجود نہیں مگر ہم تو ذرا بھی نہیں دبے -
جو پرائے ملک کو لوٹ کر کھا جاتے ہیں، وہی ڈاکو ہیں، یقیناً ڈاکو ہیں -
بھائی! یہی وجہ ہے کہ ان کی قسمت میں ضرب کاری کے سوا کچھ نہیں -

(کمال پاشا، اگنی بینا)

اپنے ملک کی آزادی کے لئے جو لوگ جان قربان کرتے ہیں، شاعر انھیں "شہید" اور "زندہ جاوید" قرار دیتے ہیں - ان کی شہادت پر آنسو بہانا انھیں بالکل پسند نہیں - فرماتے ہیں :-

انھوں نے موت پر فتح پائی - رونا کس لئے ؟
یہ خود زہر کی پیالی پی کر آبِ زمزم لائے -
کون مرگیا ہے ؟ رونا کس لئے ؟
انھوں نے اچھا ہی کیا ہے !
مُلک بچانے کے لئے اپنی جان قربان کر دی -
انھیں نے اچھا ہی کیا ہے !
یہ لوگ شہید ہیں - ضرور شہید ہیں -

(کمال پاشا، اگنی بینا)

نذرالاسلام پھر کوملا میں، ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۲ء

۱۹۲۱ء کے آخر میں نذرالاسلام کوملا کے کاندر پاڑ گئے اور وہاں ایک عرصے تک قیام کیا - ان کی کتاب "چھایا نٹ" اور "پلو بیر ہوا" کی بعض نظمیں اور گانے اس زمانے کی یادگار ہیں - کوملا کے دورانِ قیام میں انھیں وہاں کے بہت معزز

خاندانوں سے متعارف ہونے کا موقع ملا - اسی زمانے میں انکی پرجا شنڈری سے بھی سنناسائی ہوئی - جن کے شوہر کی بھتیجی پرمیلا سے بعد میں ان کی دوسری شادی ہوئی (۱۹۲۴ء) - کومِلا کی گومتی - ندی کے دلکش نظارے کا بیان ان کے گیتوں میں ملتا ہے - گومتی کا ایک نظارہ شاعر کی زبان میں ملاحظہ ہو :-

اُداس دوپہر کب کی بیت گئی، اب شام بھی گذر رہی ہے -
گومتی ندی کے گھونگرو پہنے ہوئے پاؤں سے نیند لپٹ گئی ہے -

(چیتی ہوا، چھایانٹ)

پہلی جنگ عظیم ختم ہو چکی تھی - ملک میں حصولِ آزادی کی تحریکیں زور پکڑتی جا رہی تھیں، ترکِ موالات اور خلافت کی تحریکیں شباب پر تھیں - نذرالاسلام نے سیاسی جذبات سے متاثر ہو کر عوام کو بر ملا فتح و نصرت کی خوشخبری سنائی - سربراہانِ قوم کو قید خانوں کی آہنی دیواریں توڑ پھوڑ کر نیا سماج تعمیر کرنے کی دعوت دی - قومی بیداری کے گیت گائے - دولت پور، کومِلا، ڈھاکہ غرض مختلف مقامات میں جا جا کر عوام میں سیاسی شعور پیدا کرنے کی کوشش کی - ۲۱ نومبر، ۱۹۲۱ء کو جب انگلستان کے پرنس آف ویلس پاک و ہند کی سیر کو آئے، تو کانگریس کے زیرِ سرکردگی ملک بھر میں ہڑتال منائی گئی - اس وقت کومِلا کی مقامی کانگریس نے نذرالاسلام سے "جاگرنی" (نغمۂ بیداری) کے عنوان سے قومی بیداری کا ایک گانا لکھوایا - انھوں نے ہارمونیم گانا لکھنے ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ ہڑتال کے دن جلوس میں شریک ہو کر گلے میں ہارمونیم لٹکائے یہ گانا خود راستے میں گاتے پھرے - اس نظم میں شاعر نے انسانیت کی بھیک مانگی - اہلِ اقتدار کے سامنے مفلوک الحال قوم کی نجات کا مسئلہ پیش کیا - اس گانے کی چند سطریں ملاحظہ ہوں :-

اے شہریو! منہ موڑ کر دیکھو -
تمہاری بھوکی اولادیں دروازے پر ہیں -
دو ــــــ انسانیت کی بھیک دو -
جاگو ! جاگو !
خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے لوگو! جاگو -
جاگو رے ! جاگو !

(جاگرنی، بھانگارگان)

تحریک خلافت اور تحریک ترکِ موالات میں جب مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی گرفتار کر لئے گئے (ستمبر ۱۹۲۱ء) تو نذرالاسلام نے حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی :-

ہمارے سینے میں سچّا خدا جاگتا ہے -
آج ہم یہی دیکھ لیں گے کہ اللہ کے گلے میں کون زنجیر ڈال سکتا ہے ؟

ترکِ موالات اور خلافت کی تحریکوں میں ہندو مسلم اتحّاد، ملک کے لئے حریت پسندوں کی قربانی اور جاں نثاری کی تصویر نذرالاسلام نے اِن الفاظ میں کھینچی :-

ہم روئیں گے نہیں - جاؤ ـــــ قید خانے میں جاؤ۔ جب ہی تو تم بہادروں کی جماعت ہو۔
وہی زنجیر ہمارے تیس کروڑ لوگوں کو آپس میں بھائی بھائی بنادے گی۔
نجات اور ملاپ کے لئے جنھوں نے جان کی قربانی دی ہے۔
ہم ہندو مسلم انھیں کی جیت کے راگ گائے جاتے ہیں،
جن کی زنجیروں کی آواز سے بہادروں کی شمشیرِ نجات بے نیام ہو گئی ہے۔
ہم انھیں کے تیس کروڑ بھائی ہیں اور انھیں کی مدح سرائی کئے جاتے ہیں۔
(بندناگان، بشیر بانشی)

تحریکِ ترکِ موالات کے پروگرام میں چرخہ سے سوت کاتنا بھی داخل تھا۔ کپڑے میں ملک کو خود کفیل بنانے کے لئے حریت پسند علماء اور گاندھی جی نے لوگوں کو سوت کاتنے کی ترغیب دی۔ ان کا کہنا تھا کہ اسی کے توسط سے ملک کی آزادی حاصل ہوگی۔ نذرالاسلام نے بھی اپنی شاعری میں اس راہِ عمل کی پُرزور حمایت کی :-

گھوم ــــــ
گھوم رے گھوم، میرے پیارے چرخے گھوم!
تیرے چرخ کی آواز میں آزادی کی آمد آمد کا غلغلہ سُن رہا ہوں!
بھائی! تیری گردش کی آواز میں
گویا ہمیشہ یہی سُننے میں آتا ہے کہ
"آزادی کا عظیم الشان دروازہ کھل رہا ہے - اب دیر نہیں
بھارت کا طالع مسعود پلٹ آیا ہے۔ دُکھ کی اندھیری رات بیت چکی ہے۔
(چرکارگان، بشیر بانشی)

جب ترکِ موالات کی تحریک حسبِ توقع کامیاب نہیں ہو رہی تھی اور سیاسی رہنماؤں میں پھوٹ پڑنے لگی، تو دیس بندھو چترنجن داس نے کانگریس ہی میں رہ کر موتی لال نہرو کی حمایت سے "سوراجیہ دَل" کے نام سے اپنا ایک الگ محاذ قائم کر لیا تھا۔ سبھاش چندر نے بھی ان کا ہاتھ بٹایا۔ مشہور ادیب سرت چندر (۱۸۷۶ء ـــ ۱۹۳۸ء) بھی ان کی اس تحریک میں شریک ہو گئے۔ اُس وقت دیس بندھو کو نذرالاسلام جیسے غیور آدمی کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ انھوں نے باغی شاعر نذرالاسلام کو بھی اپنا ہمخیال بنالیا۔ ان کے اخبار "نرائن" میں شاعر کی بہت سی نظمیں اور گیت جو انھوں نے اس تحریک کی حمایت میں لکھے، شائع ہوئے۔

بیساکھ، ۱۳۲۹ء میں نذرالاسلام نے اپنی رجائی نظم "پرلئے اُلّاس" (تباہی کی خوشی) لکھی۔ اس نظم میں انھوں نے بتایا کہ تغیر کے بغیر انقلاب وجود میں نہیں آسکتا۔ لہٰذا شاعر کی بغاوت سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ بغاوت کا مقصد تجدید اور تعمیر ہے۔ یہ نظم بعد میں اگنی بینا میں شامل کرلی گئی۔

کومِلا کے دورانِ قیام میں نذرالاسلام کو پرمیلا عرف دُلی یا دولن سے گہری محبت ہوگئی۔ نذرالاسلام نے اس محبوبہ سے خطاب کرکے اپنی نظم بجیئی (فتحیاب) لکھی (۱۹۲۲ء)۔ یہ نظم چھایا نٹ اور "پلو بیر ہوا" دونوں میں شامل ہے۔ یہ نظم

ان کی عشقیہ شاعری میں بہت ہی اہمیت رکھتی ہے۔

یہ زمانہ نذرالاسلام کے لئے بہت ہی نازک زمانہ تھا۔ ایک طرف پہلی شادی کی ناکامی نے انھیں بیتاب کر رکھا تھا۔ دوسری طرف انھیں یقینی طور پر معلوم نہ تھا کہ پرمیلا سے ان کی جو محبت ہے اس کا مستقبل کیا ہے؟ اس تردّد نے ان کے دل کو اور زیادہ بے چین کر دیا تھا۔ وہ عرصے کے بعد کومِلا سے کلکتہ چلے تو گئے مگر دردِ فراق سے ان کا دل بے قرار تھا۔ ان کی شاعری پر اس کا گہرا اثر پڑا۔ "دولن چانپا" کے بہت سے عشقیہ گانے جو انھوں نے پریسیڈنسی جیل میں لکھے تھے، اسی دردِ فراق کا نتیجہ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ پرمیلا کے عرفی نام دُلی یا دولن ہی کے مطابق اس کتاب کا نام "دولن چانپا" رکھا گیا ہے۔

بہرحال چھ مہینے تک نذرالاسلام کا ندیرپاڑ (کومِلا) میں رہے۔ مختلف نظمیں اور گیت لکھتے رہے۔ بعد ازاں کلکتہ چلے گئے۔

"دھوم کیتو" کی اشاعت، ۱۹۲۲ء

۱۱ر اگست، ۱۹۲۲ء (ساون، ۱۳۲۹) کو نذرالاسلام نے کلکتہ سے عوام کے رگ و پے میں ہمّت و جراٗت کا خون دوڑانے والا مشہور سہ روزہ اخبار "دھوم کیتو" شائع کیا۔ اور اپنے شعلہ بار قلم سے ملک میں آگ برسانے لگے۔ "ترکِ موالات" کی تحریک ماند پڑ گئی، تو وہ دہشت پسند تحریک کی طرف مائل ہو گئے۔ انھوں نے اس اخبار سے اس تحریک کی بڑی حمایت کی۔ کھلے الفاظ میں ہندوستان کی پوری آزادی کا مطالبہ پیش کیا۔

۱۳ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو نذرالاسلام نے "دھوم کیتو" میں لکھا:-

"اولاً "دھوم کیتو" ہندوستان کی پوری آزادی کا مطالبہ کرتا ہے۔ . . . .

ہندوستان کی چپہ بھر زمین بھی بدیسی کے قبضے میں رہنے نہ دی جائے گی۔ ہندوستان کی پوری ذمّہ داری، اس کی آزادی کا تحفظ، یہاں کی حکومت کا انتظام سب کچھ ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس میں بدیسی کو مداخلت کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اب جن حکمرانوں نے بیجا دخل اندازی سے اس ملک کو گورستان بنا رکھا ہے، انھیں مع ساز و سامان سمندر پار روانہ ہونا پڑے گا۔ منّت سماجت سے دال نہیں گلے گی۔ اب تک ان میں اتنی سمجھ بوجھ کہاں! اس لئے ہمیں بھی التجا کرنے یا بھیک مانگنے کی بے وقوفی کا مرتکب ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔"

اُس زمانے میں، جبکہ آزادی کے علمبرداروں کے خلاف حکومتِ برطانیہ کی سخت کارروائیاں جاری تھیں، ایسا دلیرانہ بیان دینا ضرور ایک حیرت انگیز بات تھی۔

"دھوم کیتو" کے پہلے ہی نمبر میں نذرالاسلام کی معرکتہ الآرا نظم "دھوم کیتو" (دمدار ستارہ) چھپی۔ اس نظم میں انھوں نے اپنے کو دھوم کیتو سے تعبیر کیا۔ عام طور پر دھوم کیتو منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ شاعر نے بھی اس کا اعتراف کیا اور کہا کہ میں تمام ظالموں کے لئے ایک زحمت بن کر آیا ہوں مگر مظلوموں کے لئے باعث رحمت ہوں۔ ظالموں کا دل دہلانے اور ایک انقلابِ عظیم برپا کرنے

کے لئے طلوع ہوا ہوں - میں تمام جبرہ دستیوں کو کچلنے اور موجودہ نظام کو مسمار کر کے نیا نظام قائم کرنے آیا ہوں - میں شیطان کا دوست ہوں - طاغوتی شرارتوں سے بخوبی واقف ہوں - میں اِن شرارتوں کو کچل دوں گا - میں آگ ہوں - چیتا ہوں - میرے سینے میں آگ بھڑک رہی ہے - اس آگ میں " بھگوان " یعنی صاحبِ اقتدار ظالم جو مصنوعی طور پر بھگوان بن بیٹھا ہے ، جل بھن کر راکھ ہوجائے گا - " دھوم کیتو " کی چند سطریں ملاحظہ ہوں :-

میں ــــــ ہر دَور میں آیا کرتا ہوں - پھر انقلابِ عظیم برپا کرنے آیا ہوں -
میں ــــــ اِس خالق (سماجی نظام کا خالق) کے لئے زحل اور خطرناک تباہی کا مدار ستارہ بن کر آیا ہوں -
میں ــــــ اِس خالق کا دھوکہ اور اس کی عیاری خوب جانتا ہوں -
اس لئے ــــــ آئین و قانون پر لات مار کر ناظم عالم کے سینے پر ہتھوڑا مارتا ہوں -
میں ــــــ خوب جانتا ہوں کہ اس جھوٹے ایشور سے اب تک جو کچھ نہ بن پڑا ، وہ بھی ہو کر رہے گا -
اس لئے ــــــ انقلاب لاتا ہوں ، بغاوت کرتا ہوں - ناچ ناچ کر مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوں -
تیرے ــــــ بے شمار جہنموں کو پھونک سے بجھا دیتا ہوں - موت کے منہ پر تھوک دیتا ہوں -
اور ــــــ جو جس قدر غصے میں آتا ہے ، اس کے اسی قدر خطرناک آگ کی گدگدی کرتا ہوں -
میرے ــــــ فضائی تیر کی ترچھی رفتار نقّارہ بجاتی ہے -
میری ــــــ زہریلی سانس ظالم حکمرانوں کو بھی خوفِ ہلاکت سے لرزا دیتی ہے -
اے دُنیا کے لوگو ! سُنو !
وہ (نذرل) تمہارے پروردگارِ عالم کا ' چیتا* ' ہے !
اے قدرت ! کیا تجھے معلوم ہے کہ اس چیتا کی آگ میں ' جگت ایشور ' (سلطانِ عالم) جل کر راکھ ہوجائے گا -
تو کیا کہتا ہے ؟ پھر کہہ دے بھائی ! میں شیطان کا دوست ہوں -
واہ وا ! ' بھگوان ' کو جلانے کے لئے میں نے اپنے سینے میں چیتا جلا رکھا ہے -

نذرالاسلام کی نظمیں " بدروہی " اور " دھوم کیتو " ان کی شاعری میں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں - ان نظموں میں ان کی بغاوت کا روپ شدّت و حدّت کے ساتھ نمایاں ہوا ہے - ان کی " انانیت " کا پورا پورا ظہور ہوا ہے - انھوں نے " بدروہی " میں کہا :-

" میں نے یکایک اپنے آپ کو پہچان لیا ہے ،
میری تمام روکاوٹیں دور ہو چکی ہیں "

ان نظموں میں منتشر اور متضاد خیالات کا اجتماع نظر آتا ہے - یہاں شاعر ایک طرف بغاوت کا علم بلند کرتے ہیں ، تو دوسری طرف رومانیت کے شکار ہوجاتے ہیں - اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ صرف بغاوت کے شاعر نہیں - حسن کے بھی شاعر ہیں -

---

* ہندو مذہب میں مرنے کے بعد ایک اونچے چبوترے میں آگ جلا کر لاش کو راکھ کر دیا جاتا ہے اسے چیتا کہتے ہیں -

اس لئے بغاوت کی تندی میں بھی وہ حُسن وجمال کے ترانے گائے بغیر نہیں رہ سکتے - وہ اپنے کو خدا سے بہت قریب سمجھتے ہیں اور شوخی کرتے ہوئے کبھی کبھی اس سے بغاوت بھی کر جاتے ہیں - یہ دراصل خدا سے بغاوت نہیں بلکہ اپنے دل کی بیتابی کا اظہار ہے - حقیقت میں ان کا روئے سخن خدا سے نہیں بلکہ ظالموں سے ہے - یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ مشیتِ الٰہی کے بغیر کوئی فعل خواہ نیک ہو یا بد، وجود میں نہیں آسکتا - نذرالاسلام نے ظالموں کو یوں متنبہ کیا کہ اَے ظالمو! تمہاری طاقت کتنی بڑی کیوں نہ ہو، وہ میرے سامنے ہیچ ہے - میں اُسے مسمار کر دوں گا - تم کیا! حتیٰ کہ خدائی مشیت جو سب سے بڑی قوت ہے، اُسے بھی میں اپنی خودی کی قوت سے اپنے ارادوں کے سانچے میں ڈھال لوں گا -

اقبالؔ نے بھی تو کچھ ایسی ہی بات کہی ہے ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

" دھوم کیتو " ملک کے مظلوم اور مفلوک الحال عوام اور دہشت پسند جماعت کی آواز تھی - تحریکِ ترکِ موالات کی ناکامی کی وجہ سے جنگِ آزادی کے رہبرانِ قوم جب پسپا ہونے لگے، تو اس اخبار نے ان میں ہمت اور گرمی پیدا کی - حکومت کی چیرہ دستیوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا - یہی وجہ ہے کہ اس کے شائع ہونے کے بعد ہی سے نذرالاسلام پر حکومت کی کڑی نگرانی ہونے لگی - وہ حکومت کی نگاہوں میں کانٹا بن کر کھٹکنے لگے - اس اخبار کی آتش بیانی کا اثر یہ ہوا کہ ملک کے گوشے گوشے میں حکومت کے خلاف بیزاری کا اظہار کیا جانے لگا - اس اخبار میں شاعر کی کتاب " اگنی بینا " اور " بشیر بانشی " کی بہت سی آتشیں نظمیں شائع ہوئیں - بعد میں اس اخبار کے منتخب اداریوں سے " رودر منگل " (خطرناک بہتری) اور " دُردِنیر جاتری " (منحوس وقت کا مسافر) کے نام سے دو کتابیں شائع ہوئیں -

کاتک، ۱۳۲۹ سنہ (۱۹۲۲ء) میں نذرالاسلام کی کتاب " اگنی بینا " شائع ہوئی اور بازار میں اس کی مانگ روز بروز بڑھنے لگی - بنگلہ زبان کی کسی اور کتاب کو شاید ہی اتنی جلد اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی ہو - اس کتاب کی زیادہ تر نظمیں تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کی ہنگامہ خیز فضا میں لکھی گئی تھیں -

اسی زمانے میں جب چاروں طرف ملک میں آزادی کی لہر دوڑ رہی تھی تو شاعر نے ملک کو سُنایا :-

بھائی! آج تم اپنے جان و دل اللہ کے نام پر قربان کر دو -

نذرالاسلام قید خانہ میں، ۱۹۲۳ء

باطل سے دبنے والے اَے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا (اقبالؔ)

پوجا کی تقریب میں جب نذرالاسلام نے " دھوم کیتو " میں اپنی نظم " آنند میٔر آگمنے " (دُرگا دیوی کی مسرت بھری

آمد پر) شائع کی (۲۲ ستمبر ۱۹۲۲ء) تو یہ اخبار حکومت کی زد میں آگیا - اس نظم کے کچھ ٹکڑے جو انھوں نے درگا دیوی کو مخاطب کر کے لکھے ہیں، ملاحظہ ہوں :-

ہر سال یہ رسم پرستی تیری توہین ہے، یہ پوجا نہیں -
کروڑوں اولاد کو چھری کی سلامی کے بدلے تو یہ کیا دعا دے رہی ہے ؟
بہت سے بکرے اور بھینسیں تو نے کھائیں - پھر بھی تیری بھوک نہیں مٹی -
اے سنگ دل! اس دفعہ تو اپنی اولادوں کے خون کا امرت لے جا -
کمزوروں کو بھینٹ چڑھا کر بزدلوں کی یہ پوجا پاٹ تو بند کردے -
اے ماں! تو کہہ دے ـــــــ " ماں اپنی اولادوں کا خون چاہتی ہے -"

شاعر کے خلاف سمن جاری کئے گئے - اور انھیں کومِلا سے گرفتار کر کے کلکتہ میں چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ کی عدالت میں حاضر کیا گیا - نذر الاسلام نے عدالت میں جو بیان دیا ہے، وہ اس ملک کی سیاسی بیداری کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا - یہ بیان ۱۳ ماگھ، ۱۳۲۹ھ (۱۹۲۳ء) کو شائع ہوا - جو بعد میں کتابی شکل اختیار کر گیا - اس کے کچھ ٹکڑے ملاحظہ ہوں :-

" میں شاعر ہوں - اللہ تعالیٰ نے مجھے چھپی ہوئی صداقت کو ظاہر کرنے اور کائنات کی مخفی حقیقتوں کو بروئے کار لانے کے لئے بھیجا ہے - شاعر کی زبان اللہ تعالیٰ کی زبان ہے - میری شاعری حقیقت کا اظہار ہے - یہ خدا کا پیغام ہے - یہ کلام شاہی دربار میں تو قابلِ گرفت ہوسکتا ہے مگر مذہب کی روشنی اور صداقت کی نگاہ میں بے قصور، بے خطا، تر و تازہ، غیر افسردہ اور حقیقت کی جیتی جاگتی تصویر ہے - . . . .

مجھے کوئی ڈر نہیں - کوئی دُکھ نہیں - اس لئے کہ خدا میرے ساتھ ہے - میرا نا تمام فرض دوسروں کے ذریعے پایۂ تکمیل کو پہنچے گا - صداقت کو کبھی روکا نہیں جا سکتا - میرے ہاتھ کا " دھوم کیتو " اس مرتبہ خدا کے ہاتھ میں مشعلِ آتش بن کر ظلم و ستم کو جلا دے گا - تمہارا خدا خود اب کی دفعہ میرے آتشی ہوائی جہاز کا سربراہ ہوگا - "

حکومت سے بغاوت کرنے کے الزام میں ۸ جنوری، ۱۹۲۳ء کو انھیں ایک سال قید بامشقت کی سزا دی گئی - " دھوم کیتو " کچھ دنوں کے بعد بند ہوگیا - نذر الاسلام کچھ دنوں تک عالی پور سنٹرل جیل (کلکتہ) میں رہے - پھر ہگلی جیل میں منتقل کر دئے گئے - قید کی سزا ان کی زبان بند نہ کر سکی - ان کا آتشبار قلم چلتا ہی رہا - انھوں نے ہگلی جیل خانے میں شِکل پرار گان (زنجیر پہننے کے گانے) " سُپار نبدنا " (جیل سپرنٹنڈنٹ کا گیت)، " مرن برن " (استقبالِ موت)، سیبک (خادم)، سرشٹی سُکھیر اُلّاسے (تخلیق کی خوشی میں) اور دوسرے گانے لکھے - " شِکل پرار گان " کے دو بند ملاحظہ ہوں - ان میں شاعر نے حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے کہا کہ ہم حکومت کو تباہ کر کے ہی دم لیں گے - اور اپنی جان کی بازی لگا کر بھی ملک میں امن و امان قائم کریں گے :-

" تمہارا زنجیر کا پہننا ایک بہانہ ہے اور کچھ نہیں -
یہ زنجیر پہن کر ہی ہم تمہاری زنجیروں کو برباد کر دیں گے -

ہم تمہارے قیدخانے میں قیدی بننے نہیں آئے،
بلکہ سب لوگوں کو قید کے ڈر سے بے پروا بنانے آئے ہیں۔
یہ زنجیر بندھے پاؤں نہیں - زنجیر توڑ چکے ہیں۔

تم طاقت کے بل بوتے پر حکومت کر رہے ہو، اپنے کارناموں کی بدولت نہیں۔
ہم اس طاقت کا گلا گھونٹ کر اسے تباہ کر دیں گے۔
ہم خود مر کر مردوں کے اس ملک میں امن و امان قائم کریں گے۔
ہم سولی پر چڑھ کر مریں گے اور خوشی حاصل کریں گے۔

ہُگلی جیل خانہ میں سیاسی قیدیوں کے ساتھ عام قیدیوں کا سا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ ہر نوع کے قیدیوں پر ظلم و ستم ڈھائے جاتے تھے۔ نذرالاسلام نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور متواتر انتالیس روز تک بھوک ہڑتال جاری رکھی۔ حکومت کی اس بدسلوکی کے خلاف ملک میں زوردار تحریک شروع ہو گئی۔ ملک کے رہنماؤں نے ان کی بھوک ہڑتال توڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ اپنے مطالبے پر قائم رہے۔ اور اپنا برت توڑنے پر راضی نہیں ہوئے۔ ان کی نازک حالت سے واقف ہو کر رابندرناتھ ٹیگور نے شیلانگ سے ان کے نام تار بھیجا:-

"بھوک ہڑتال چھوڑئیے، ہمارے ادب کو آپ کی ضرورت ہے۔"

اسی وقت ٹیگور نے اپنے ناول "بسنت" کو ان کے نام معنون کیا تھا۔ ان کی بھوک ہڑتال کے انتالیسویں روز دیس بندھو چترنجن داس کے زیرِ صدارت کلکتہ میں ایک بڑا مجمع عام ہوا۔ جس میں جیل خانے کے کارکنوں کی بدسلوکیوں کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ ملک کے رہنماؤں نے شاعر سے بھوک ہڑتال ختم کرنے کی درخواست کی۔ عوام کے دباؤ سے حکومت نے شاعر کے مطالبات مان لینے کا وعدہ کیا تو انھوں نے بھوک ہڑتال ختم کر دی۔ کچھ دنوں کے بعد ہُگلی جیل خانے سے انھیں بہرم پور جیل خانے میں منتقل کر دیا گیا۔ وہ یہاں سے بھی مختلف اخباروں میں اپنی نگارشات بھیجتے رہے۔

قید سے رہائی، ۱۹۲۳ء

۱۵ دسمبر، ۱۹۲۳ء میں نذرالاسلام کو قید سے رہائی ملی۔ چھٹکارہ پاتے ہی وہ کومِلا چلے آئے۔ ۱۹۲۴ء میں "بنگیا ساہتیہ پریشد" (مدناپور شاخ) کے زیرِ اہتمام ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ نذرالاسلام مدعو ہو کر مدناپور گئے تو اس انجمن نے ان کا پُرتپاک استقبال کیا۔ شاعر نے وہاں چار دن قیام کیا۔

نذرالاسلام کی دوسری شادی اور ہگلی میں اُن کا قیام ۱۹۲۴ء

۲۵ اپریل، ۱۹۲۴ء کو کلکتہ میں گری بالا دیوی کی بیٹی پرمیلا سین گپتا سے ان کی دوسری شادی ہوئی - مشہور ناول "ماں - او - بیٹے" کی لکھنے والی مسز ایم - رحمٰن کے زیر اہتمام اس شادی کی رسم انجام پائی - شادی کے بعد وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ ہگلی میں سکونت پذیر ہو گئے - اس وقت انھیں سخت تنگدستی کا سامنا کرنا پڑا - پھر بھی ان کی ادبی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہ آیا - ان کی نظم "صبح اُمید"، "تشکتی کام"، "جھڑ"، "پھالگونی"، "چاندنی رات"، "ملو یر ہوا"، "دیپانتر یر بندینی"، "چر کارگان"، "کرشانیرگان"، "سامیو" وغیرہ اسی وقت (۱۳۳۱ - ۱۳۳۲ ب) کی یادگار ہیں - اسی زمانے میں ان کا پہلا بیٹا آزاد کمال پیدا ہوا - کچھ دنوں کے بعد اس بیٹے کا انتقال ہو گیا -

۱۹۲۵ء میں دیس بندھو چترنجن کا انتقال ہوا - اس موقعہ پر شاعر نے بہت سی نظمیں اور مرثیے لکھے جو بعد میں "چتر نامہ" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئے - ہگلی کے دورانِ قیام میں شاعر نے سیاسی تحریکوں میں زبردست حصّہ لیا - اسی وقت وہ بنگال کے صوبائی کانگریس کمیٹی کے رکن بھی بنے -

نذرالاسلام کے زیر نگرانی "لانگل" کی اشاعت ۱۹۲۵ء

۱۶ دسمبر، ۱۹۲۵ء کو کلکتہ سے نذرالاسلام کے زیر نگرانی "مزدور پرجا سوراج پارٹی" کا ہفتہ وار اخبار "لانگل" شائع ہوا - شاعر کی مشہور نظم "سامیو بادی" (مساوات کا قائل) اس کے پہلے نمبر کی زیب و زینت تھی - دوسرے نمبر (یکم جنوری، ۱۹۲۶ء) میں ان کی نظم "کرشانیرگان" (کسان کا ترانہ) اور تیسرے میں "سبیو ساچی" (یکم جون) شائع ہوئی - یہ وہ زمانہ ہے جب ہندوستان کے سیاسی میدان میں ایک موڑ آ رہا تھا - عوام کے دل میں برٹش سامراج کے خلاف آتشیں جذبہ موجزن تھا - وہ کسی مصالحت کے بغیر طاقت کے زور سے حکومت برطانیہ کی بیخ کنی کرنا چاہتے تھے - اس ہنگامہ خیز ماحول میں نذرالاسلام نے ظلم و استبداد کے خلاف گرج دار آواز بلند کی - ان کی احتجاجی نظموں نے نوجوانوں کے دلوں میں بارود کا کام کیا - شاعر نے "مساوات" کے موضوع پر چند نظمیں لکھیں - ان نظموں نے ملک میں سنسنی پھیلا دی - یہ نظمیں سرمایہ داروں کے مظالم اور طبقاتی امتیازات کے خلاف اعلانِ جہاد تھیں - اسی وقت شاعر نے اپنے کو "بے نواؤں کا شاعر" کہہ کر فخر محسوس کیا - اس وقت ان کے دل میں انسان دوستی کا جذبہ منتہائے کمال پر نظر آتا ہے - انھوں نے اپنی نظموں سے اقتصادی، مذہبی اور سیاسی امتیازات کو رفع کرنے کی کوشش کی - انسانیت کے احترام پر بہت زور دیا - دُنیا کے سامنے یہ حقیقت صاف صاف پیش کر دی کہ انسان اور انسان میں کوئی فرق نہیں - ہر انسان خدا کی مخلوق ہے - ہر انسان کا دل خانۂ کعبہ سے بھی زیادہ معزز ہے - انسان اشرف المخلوقات ہے - لہٰذا ایک انسان کی ذلت پوری انسانیت کی ذلت ہے -

یہ گویا کسی فارسی شاعر کی آواز بازگشت ہے ——————

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

نذرالاسلام فرماتے ہیں :-

اس دل سے بڑھ کر کوئی کعبہ یا مندر نہیں۔

انسان سے بڑا کچھ نہیں۔ کچھ بھی اس سے زیادہ معزّز نہیں۔

نذرالاسلام کی "مساوات" کے سلسلے میں یہ بات ذہن میں رکھنا مناسب ہے کہ ان کی یہ مساوات اشتراکی مساوات نہیں۔ کیمونسٹوں کی نظریاتی مساوات نہیں۔ بلکہ یہ مظلوم انسانیت کے لئے ان کے ہمدردانہ جذبات کی ایک تصویر ہے۔

نذرالاسلام کرشنا نگر میں، سنہ ۱۹۲۶ء

۳ جنوری، سنہ ۱۹۲۶ء کو ہیمنت کمار کی التماس پر نذرالاسلام ہگلی چھوڑ کر مع اہل و عیاں کرشنا نگر چلے آئے۔

۲ اپریل، سنہ ۱۹۲۶ء کو کلکتہ میں "راج راج ایشوری جلوس" کے موقع پر فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوئے تو شاعر نے اپنا مشہور گیت "کانڈاری ہوشیار" (ناخدا —— ہوشیار!) لکھ کر ملک کے رہنماؤں کو آپس کی جھڑپوں کے خطرناک انجام سے آگاہ کیا۔ اور ان کی سرکردگی میں ہندو اور مسلمانوں میں باہمی اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان کا یہ گانا ۲۲ رمئی سنہ ۱۹۲۶ء کو کرشنا نگر میں صوبائی کانگریس کے اجلاس میں پہلی دفعہ گایا گیا۔ اور "بنگو بانی" جیٹھ، سنہ ۱۳۳۳ میں شائع ہوا۔ آجکل یہ گانا مشرقی پاکستان کی سیاسی اور ثقافتی محفلوں میں اہتمام کے ساتھ گایا جاتا ہے۔ جس دن کرشنا نگر میں صوبائی کانگریس کا اجلاس ہوا تھا، اسی دن کرشنا نگر میں "مزدور سوراج پارٹی" کے زیر اہتمام ایک اور جلسہ منعقد ہوا۔ جس کے لئے شاعر نے "دھنگشس پتھیر جاتری دل" (راہِ ہلاکت کا قافلہ) اور "اٹھ رے چاشی جگت باسی، دھرگستے لانگل" (دنیا کے کسانو! اٹھو ہل کو مضبوطی سے پکڑو) کے عنوان سے دو گیت لکھے۔ اسی دن وہاں "نوجوان طلبا کانفرنس" کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ اس کانفرنس کے لئے انھوں نے "چھاتر دلیر گان" (طلبا کا گیت) لکھ کر نوجوان طلبا میں آزادی کا جذبہ اور قربانی کا ولولہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔

اس وقت نذرالاسلام کی تمام نگارشات میں انسانی میل ملاپ اور ہندو مسلم اتحاد پیدا کرنے کا انتہائی جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ اسی زمانے میں لکھی ہوئی ان کی نظمیں —— "ہندو مسلم جدھو" (ہندو مسلم کی جنگ)، "پتھیر دِسا" (رہنمائی) اور ان کا مضمون "مسجد و مندر" اسی سلسلہ کی قابل قدر کڑیاں ہیں۔

نذرالاسلام ڈھاکہ میں، سنہ ۱۹۲۶ء

۱۵ اپریل، ۱۹۲۶ء میں "لانگل" بند ہوگیا- نذرالاسلام کو بھی اس معروفیت سے رہائی ملی- انھوں نے مداری پور کی "دھیبر کانفرنس" (ماہی گیر کانفرنس) میں شرکت کی اور وہاں سے ہیمنت کمار سرکار کے ہمراہ ڈھاکہ تشریف لائے اور ۲۷ جون، ۱۹۲۶ء کو "مسلم ساہتیہ سماج" کے پہلے سال کے چوتھے اجلاس میں شریک ہوئے اور قومی بیداری کے کئی گانے سنائے -نوجوانوں میں آزادی کا ولولہ اور روشن مستقبل کی اُمنگ پیدا کی- ۲ جولائی کو انھوں نے ترائن گنج میں "ابھیجان" (مہم) کے عنوان سے ایک اور نظم لکھی- اسی زمانے میں وہ ڈھاکہ ڈویژن سے "مرکزی قانون ساز اسمبلی" کی رکنیت کے اُمیدوار ہوئے تھے- نومبر، ۱۹۲۶ء میں مشرقی بنگال کے انتخابات شروع ہوئے مگر نتیجہ شائع ہونے سے پہلے ہی وہ کرشنا نگر واپس چلے گئے- (۳۰ نومبر، ۱۹۲۶ء) نذرالاسلام جیسے تنگ دست آدمی کے لئے انتخاب کے بھاری مصارف برداشت کرنا ممکن نہ تھا- انتخاب کا نتیجہ ظاہر ہے۔

چاٹگام کا سفر، سنہ ۱۹۲۶ء

جولائی، ۱۹۲۶ء کے آخر میں نذرالاسلام نے چاٹگام میں "کل بنگال طلباء کانفرنس" کا افتتاح کیا- کانفرنس کے بعد شاعر نے کچھ دنوں مشرقی پاکستان کے سابق صوبائی وزیر اور ممتاز ادیب حبیب اللہ بہار کے گھر میں قیام کیا- بہار صاحب اور ان کی مرحومہ بہن بیگم شمس النساء محمود (۱۹۰۹ء ـــــ ۱۹۵۳ء) نے اس زمانے میں طلبا کی تحریکوں میں بڑا نام پیدا کیا تھا- ان کے ہمراہ شاعر نے چاٹگام کے مختلف مقامات کا دورہ کیا - ان کے گھر میں رہ کر نذرالاسلام نے بہت سی نظمیں لکھیں- ۲۷ جولائی کو "اناَمکا" (بے نام محبوبہ) اور ۲۸ جولائی کو گوپن پریا (مخفی محبوبہ) لکھیں- ان کی کتاب "سندھو ہندول" کی کئی نظمیں اس زمانے کی یادگار ہیں-

۱۲ اگست، ۱۹۲۶ء کو کامریڈ مظفر احمد کے زیر ادارت "لانگل گنبانی" (نوائے عام) کے نام سے دوبارہ (کلکتہ سے) شائع ہوا- اس رسالے میں نذرالاسلام کے بہت سے گانے، نظمیں اور مضامین شائع ہوئے- "لانگل" اور "گنبانی" کے دور میں ان کی شاعری میں مظلوم اور غریب انسانوں کے لئے بے تابی نظر آتی ہے- اس وقت انھوں نے کس مپرسی کے عالم میں پڑے ہوئے لوگوں کے جذبات کو ایک نئے روپ میں پیش کیا- ان میں جمہوریت کی عظمت واہمیت کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی- انھیں ایک روشن مستقبل کی بشارت دی- ان کی کتاب "فنی منسا" (ایک خاردار پودا) اور "سرب ہارا" (بے نوا) کی شعلہ بار نظمیں ان کی اس رجائی اور ہمدردانہ جذبات کی آئینہ دار ہیں-

کرشنا نگر میں ۹ اکتوبر، ۱۹۲۶ء کو نذرالاسلام کا دوسرا بیٹا بلبل پیدا ہوا- اس کے نام پر انھوں نے اپنی غزلوں

کی پہلی کتاب کا نام "بلبل" رکھا۔ کرشنا نگر کے دورانِ قیام میں نذرالاسلام کو بڑی تنگدستی کا شکار ہونا پڑا۔ ان کی مشہور اور مقبول نظم "دارِ درِ" (مفلسی) کرشنا نگر کی یادگار ہے۔ علاوہ ازیں ان کی نظمیں "اِے موراہنکار" (یہ میرا ناز ہے) اور "اگرو پتھک" (پیش رو مسافر) یہیں لکھی گئیں۔ ان کے ناٹک "کہیلکا" اور "مرتو کھدا" بھی اسی سرزمین کی نشانیاں ہیں۔ "مرتو کھدا" کا اردو ترجمہ رفیع احمد فدائی صاحب نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ "جوع الاجل" کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔

۱۹۲۶ء سے شاعر کی زندگی میں ایک نیا موڑ نظر آتا ہے۔ اس سال سے وہ گیتوں اور غزلوں کی تخلیق میں ہمہ تن معروف ہو گئے۔ اسی وقت سے ان کی غزلوں اور گیتوں میں گہرائی اور نئے نئے سروں کی تخلیق میں انفرادیت نمودار ہونے لگی۔ انھوں نے اپنی غزلوں اور گیتوں میں نئے نئے سُروں کا اضافہ کر کے بنگلہ ادب میں ایک نیا باب کھول دیا۔ ۲۸ فروری ۱۹۲۷ء کو انھوں نے ڈھاکہ میں "مسلم ساہتیہ سماج" کے پہلے سالانہ اجلاس کا افتتاح کیا۔

آساڑھ، ۱۳۳۴ (۱۹۲۷ء) میں محمد افضل الحق کے زیرِ ادارت کلکتہ سے ماہانہ "نوروز" شائع ہوا۔ اس رسالہ میں نذرالاسلام کے ناول "کہیلکا" (شبنم) کا پہلا حصّہ، اور ان کے ناٹک "جھلی ملی" اور "ستوبند" شائع کئے گئے۔ "نوروز" پانچ دفعہ شائع ہونے کے بعد بند ہو گیا۔ "کہیلکا" کا باقی حصّہ قسط بہ قسط "ہفتہ وار سوغات" میں چھپتا رہا۔ علاوہ ازیں ان کا ناول "مرتو کھدا" (موت کی بھوک) اسی رسالے میں اگھن، ۱۳۳۴ سے شروع ہو کر پھاگن، ۱۳۳۶ میں ختم ہوا۔ "مرتو کھدا" کا کردار انصار اور "کہیلکا" کا کردار جہانگیر نذرالاسلام کی آزادانہ زندگی کی تصویریں ہیں۔

نذرالاسلام پھر ڈھاکہ میں، ۱۹۲۸ء

مارچ، ۱۹۲۸ء پہلے ہفتہ میں نذرالاسلام نے ڈھاکہ "مسلم ساہتیہ سماج" کے دوسرے سالانہ جلسہ کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر انھوں نے اپنا مشہور گانا "چل، چل چل؛ اُوردھو گگنے بجے مادل" (چل، چل چل؛ آسمانِ برین پر طبلِ جنگ بج رہا ہے) سُنایا۔ ان کی کتاب "چوکھپر چاتک" کے کئی گانے اسی وقت کے لکھے ہوئے ہیں۔ اسی سال اکتوبر میں شاعر "سورما بجیلی اسٹوڈنٹس کانفرنس" کے موقعہ پر سلہٹ میں خصوصی مہمان کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے۔

نذرالاسلام پھر کلکتہ میں — چاٹگام کا دوبارہ سفر، ۱۹۲۹ء

تنگدستی اور ملیریا سے عاجز آکر ۱۹۲۹ء کے آخر میں نذرالاسلام کرشنا نگر چھوڑ کر کلکتہ چلے گئے۔ اسی زمانے میں انھوں نے چاٹگام اور سندیپ کا سفر کیا۔ اس سے پہلے ۱۹۲۶ء کے وسط میں بھی انھوں نے ایک دفعہ چاٹگام کا سفر کیا تھا۔ پہلے سفر کی طرح ان کا یہ سفر بھی بہت دلچسپ رہا۔ اس سفر نے ان کے شاعرانہ تخئیل پر زبردست اثر چھوڑا۔ اور بہت سے

شاہ پاروں کو جنم دیا۔ کامریڈ مظفر احمد سے نذرالاسلام کی بڑی دوستی تھی۔ وہ چاٹگام سے سندیپ گئے اور مظفر احمد صاحب کے گھر مہمان رہے۔ ان کے گیتی ناٹک "مدھو مالا" میں خلیج بنگال اور سندیپ کا ذکر ہے۔ اس ناٹک کی ہیروئن "مدھو مالا" سندیپ کی راج کماری ہے۔ شاعر نے جاڑے کے موسم میں سندیپ کا سفر کیا تھا۔ اس وقت خلیج بنگال کی فضا پُرسکون تھی۔ ان کی نظم "سرما کا سمندر" میں اس پُرسکون فضا کی عکاسی کی گئی ہے۔ ان کی کتاب "سندھو ہندول" اور "چکرباک" (ایک قسم کی چڑیا) کی بہت سی شاہکار نظمیں اور بھاٹیالی سُر میں لکھے ہوئے بہت سے ملاحی کے گانے اسی زمانے کی یادگار ہیں۔ یہ نظمیں اور گانے کہیں سمندر کی طغیانی، کہیں روانی، کہیں گہرائی اور کہیں رومانی کیفیت لئے ہوئے ہیں۔ ان میں چاٹگام اور سندیپ کے مناظر فطرت کی رعنائیاں نظر آتی ہیں۔

پہلے سفر کی طرح اس سفر کے دوران بھی نذرالاسلام مشرقی پاکستان کے ادیب اور سابق صوبائی وزیر حبیب اللہ بہار کے گھر (چاٹگام) تشریف لے گئے اور کچھ دنوں وہاں قیام بھی کیا۔ انھیں حبیب اللہ بہار اور ان کی بہن بیگم شمس النہار محمود سے گہری محبت تھی۔ انھوں نے اپنی کتاب "سندھو ہندول" کو ان دونوں کے نام معنون کرکے اس محبت کا اظہار کیا ہے۔ چاٹگام میں لکھی ہوئی بہت سی نظمیں اس کتاب میں شامل ہیں۔ یہ وہ نظمیں ہیں جن کے مطالعہ سے خلیج بنگال اور چاٹگام کے فطری مناظر کا نقشہ ہماری آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

قوم کی جانب سے نذرالاسلام کو تہنیت ۱۹۲۹ء

۱۵ دسمبر، ۱۹۲۹ء کو البرٹ ہال (کلکتہ) میں قوم کی طرف سے شاعر کا پُرتپاک استقبال کیا گیا۔ پرپھلا آ رائے نے جلسہ کی صدارت کی۔ جلسہ میں شاعر کو مختلف تحائف سے نوازا گیا۔

اس جلسہ کے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے نذرالاسلام نے کہا:۔

"میں نے جو کچھ دیا ہے، اس سے کس کو کس قدر سیری ہوئی ہے، وہ مجھے معلوم نہیں۔ ہاں یہ بات مجھے معلوم ہے کہ اب تک میں خود کو پورے طور پر نہیں دے سکا۔ اور دینے کی پیاس اب تک نہیں بجھی۔ میں اونچے پربت کی چوٹی سے اترا ہوا ہوں۔ اور سمندر کے آبِ رواں کا طلبگار ہوں۔ آپ دعا فرمائیں کہ میری وجہ سے اس پربت کی چوٹی کی عظمت پر کوئی حرف نہ آنے پائے۔ ریگستان کی راہ میں مجھ پر کبھی گمراہی طاری نہ ہو۔ .... اگرچہ میں اس ملک اور اس معاشرہ میں پیدا ہوا ہوں تاہم میری ذات صرف اسی ملک اور اسی معاشرہ کے لئے نہیں۔ بلکہ ہر دور اور ہر انسان کے لئے ہے۔ حُسن کی مداحی اور حُسن کا دھیان ہی میری عبادت اور میرا مذہب ہے ...."

نذرالاسلام کے گانوں کی روز افزوں مقبولیت دیکھ کر ریڈیو، کلکتہ نے انھیں نئی راگ راگنیوں کی تخلیق کے لئے مقرر کیا (۱۹۳۰ء)۔ انھوں نے کلکتہ ریڈیو کے "ہارامنی" (گم شدہ جوہر) کے پروگرام میں بہت سے گم شدہ اور فراموش کردہ

سُروں کو دوبارہ زندہ کیا - علاوہ ازیں انھوں نے نئے نئے سُروں اور گانوں سے بھی فنی مہارت کا ثبوت دیا - ۱۹۳۱ء کے وسط میں وہ سینما اور اسٹیج سے بھی متعلق رہے - ان کی نئی نئی راگنیوں اور گانوں نے اس میدان میں بھی ایک نئے باب کا اضافہ کیا -

بیساکھ، ۱۳۳۸ میں کلکتہ سے ماہانہ "جیتی" شائع ہوا - اس کے پہلے نمبر میں نذرالاسلام کی نظم "چاندنی رائے" اور "جاگو ناری جاگو بنہی شکھا" (عورتو! جاگو آگ کی چنگاریو جاگو) شائع کی گئی - اسی زمانے میں (۱۹۳۰ء) شاعر کے چار سالہ بیٹے بُلبل نے وفات پائی - بیٹے کے مرضِ موت میں اس کے سرہانے بیٹھ کر انھوں نے رباعیاتِ حافظ کا منظوم (بنگلہ) ترجمہ کیا - اس کا کچھ حصہ "جیتی" کے جیٹھ نمبر، ۱۳۳۸ میں شائع ہوا - ان کا مزاحیہ گیت "ہتے بپ ریت" (نیکی کے بدلے بدی) بھی اس رسالہ کے ساون نمبر میں چھپوا دیا گیا - یہ گیت بعد میں "چندر بندو" میں شامل کر لیا گیا - حکومت نے اس کتاب کو ضبط کر لیا -
اسی زمانہ (۱۹۳۱ء) میں جب "پرلئے شکھا" شائع ہوئی، تو اس کی تین نظموں کے لئے حکومتِ وقت نے اُسے بھی ضبط کر لیا - اور شاعر پر بغاوت کا الزام عائد کیا - ان پر مقدمہ چلایا گیا - اور کورٹ نے ان پر چھ مہینے کی قید با مشقت کا حکم صادر کیا - مگر ۴ مارچ، ۱۹۳۱ء" کے گاندھی - اَروِن معاہدہ" کی بدولت انھیں قید سے رہائی مل گئی -

نذرالاسلام کی ذہنیت میں ایک نیا موڑ، ۱۹۳۲ء

۵ نومبر، ۱۹۳۲ء کو " بنگیو مسلم تروَن سمیلن " سراج گنج میں صدارت کرتے ہوئے نذرالاسلام نے کہا:-

"آج میں انھیں لوگوں کے ساتھ ہوں جو کارکن ہیں ـــــ مفکر ہیں .... میری آخری بات یہ ہے ـــــ ہم شباب کے پجاری، نئے نئے امکانات کے پیش رو اور جدتوں کے علم بردار ہیں - ہم دُنیا کی ترقی پذیر قوموں کے دوش بدوش چلتے رہیں گے - جو اس راہ میں حائل ہوگا، ہماری مخالفت اسی سے ہے - تند و تیز ہوا کا گھونگرو پہن کر ہم ناچتے ہوئے طوفان کے مانند بہتے چلے جائیں گے - جو رہنے کا ہے، وہ رہ جائے گا اور جو ٹوٹنے کا ہے وہ ہمارے پاؤں کی ٹھوکروں سے ضرور ٹوٹ جائے گا ...."

" ہم ابوبکر صدیق رضؓ کی سچائی، عمر رضؓ کی بہادری اور وسیع النظری، علی رضؓ کی ذوالفقار، حسن وحسین رضؓ کی قربانی اور صبر و استقلال چاہتے ہیں - ہم خالد رضؓ اور موسیٰ - طارق کی تلوار اور بلال رضؓ کا عشق چاہتے ہیں - ہم یہ اوصاف اپنا سکیں، تو آج دُنیا میں جو لوگ فتح و نصرت کے علم بردار ہیں، انھیں کے ساتھ ساتھ ہمارے نام بھی بصد احترام لئے جائیں گے "

اسی زمانے سے ان کی ذہنیت میں ایک صاف تبدیلی نظر آتی ہے - پیارے بیٹے بُلبل کی وفات (۱۹۳۰ء) کے بعد ہی سے ان کے دل پر سوگ کی گھٹائیں چھانے لگیں، وہ روحانیت کی طرف جھکتے گئے اور سالک کی تعلیمات سے بہرہ یاب ہونے لگے، غور و فکر کے ساتھ مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کیا مگر ۱۹۳۲ء سے وہ ملک اور قوم کی براہِ راست خدمات سے الگ تھلگ ہو کر غزل اور گیتوں کی تخلیق میں منہمک ہوگئے اور ان کی نگارشات میں روز افزوں روحانیت اور

روحانیت اُبھرنے لگی- جنھوں نے ایک دفعہ یہ کہا تھا:——

بہادر! کہہ دے——
کہہ دے—— میں ہمیشہ سربلند ہوں-
میرے سر کو دیکھ کر ہمالہ کی چوٹی بھی سرنگوں ہوجاتی ہے-

(بدروہی)

اب وہ یہ کہنے لگے:——

میں گلستاں کا بُلبل ہوں-
"رنگین عشق" کی غزل گاتا ہوں-
فرطِ اشتیاق کی سرخ شراب سے-
میری آنکھیں جھلملا رہی ہیں- (گل باغیچہ)

سنہ ۱۹۳۳ء میں انھوں نے قرآن مجید کے پارۂ عم کا بنگلہ زبان میں منظوم ترجمہ کیا- سنہ ۱۹۳۶ء میں "فریدپور مسلم طلبہ کانفرنس" کی صدارت کرتے ہوئے انھوں نے کہا:-

"فی الحال میں نے اپنے ارادے سے ادبی، ملکی اور قومی خدمات سے الگ ہوکر سنگیت کے بحرالکاہل کے جزیرے میں جلاوطنی اختیار کرلی ہے-"

۸ اور ۹ اپریل، سنہ ۱۹۳۸ء کو انھوں نے کلکتہ میں "بنگیو مسلم ساہتیہ سمیلن" کے شعبۂ شاعری میں صدارت کی- اوراپنے خطبۂ صدارت سے ادباء وشعراء کو محوِ حیرت کردیا-

نذرالاسلام پھر "نوجوگ" میں، سنہ ۱۹۴۰ء

اکتوبر، سنہ ۱۹۴۰ء میں مولوی اے-کے- فضل الحق مرحوم کی سیاسی پارٹی کا ترجمان "روزانہ نوجوگ" کلکتہ سے دوبارہ شائع ہوا تو نذرالاسلام پھر اس کے مدیر مقرر ہوئے- اور قومی و ملکی خدمت کے میدان میں اُتر پڑے- مگر تقدیر نے انھیں زیادہ دنوں تک خدمات کا موقع نہیں دیا- تھوڑے عرصہ کے بعد وہ مرض کے شکار ہوگئے- انھوں نے اپنے ملک کے آزاد منش مجاہدوں کو ان الفاظ میں عہدِ نو قائم کرنے کی دعوت دی:-

"ہم دشوار گذار راستے پر پھر چلیں گے-
دوستو! تم پہلے کی طرح زندگی کے سیلِ رواں پر واپس آجاؤ-
میں روپوش ہوگیا تھا- "نوجوگ" مجھے پھر کھینچ لایا ہے-
تم نہ آؤ گے، تو نیا دور کیوں کر وجود میں آسکتا ہے؟

اس وقت "روزانہ نوجوگ" اور ماہانہ "سوغات" میں ان کی جو نظمیں شائع ہوئیں، ان میں سے بعض نظمیں شاعر کی کتاب "نتون چاند (ہلال) اور شیش سوغات (آخری سوغات) میں شامل کرلی گئیں۔

۱۹۴۰ء کے آخر میں آخری دفعہ نذرالاسلام ڈھاکہ تشریف لائے اور بن گرام کے "پاکستان کلب" میں تقریر کی۔ ڈھاکہ سے واپس ہوکر ۲۳ دسمبر ۱۹۴۰ء کو انھوں نے کلکتہ میں "مسلم طلبہ کانفرنس" کی صدارت کرتے ہوئے کہا:-

"آپ کو معلوم رہے کہ مجھے اللہ کے سوا کسی اور کی خواہش نہیں۔"

۱۶ مارچ ۱۹۴۱ء کو بنگاؤں (چوبیس پرگنہ) کی ادبی کانفرنس میں صدارت کرتے ہوئے کہا:-

"میں شاعرانہ عظمت کا خواہاں ہوکر پیدا نہیں ہوا - میں اس دُنیا میں اپنی ہستی اور اپنی قوت کو ڈھونڈنے آیا تھا - مجھے اس کا سراغ مل گیا ہے .... آپ نے مجھے ادبی کانفرنس میں ادب کے متعلق بات چیت کرنے کے لئے بلایا ہے - "MYSTICISM" کی حقیقتیں سُننے کے لئے مدعو نہیں کیا ہے مگر آپ کو دیر ہو گئی ہے - دو دن پہلے جس طرح اور جس زبان میں بول سکتا تھا، آج وہ بھول گیا ہوں۔ اس "MYSTICISM" یا "MYSTRY" میں جو میٹھا رس اور مزہ مجھے ملا ہے، اس سے میرا کلام شیریں اور شیریں اور صرف شیریں ہے۔"

نذرالاسلام کا آخری خطبہ، ۱۹۴۱ء

۵ اپریل ۱۹۴۱ء کو کلکتہ کے مسلم - انسٹی ٹیوٹ ہال میں "بنگیا مسلم ساہتیہ سمیتی" کی "رُجت جوبلی" (سلور جوبلی) کے موقع پر نذرالاسلام نے صدارت کی - اس جلسہ میں انھوں نے اپنی زندگی کے آخری خطبہ میں کہا:-

"میں ایک شاعر کی حیثیت سے نہیں بول رہا ہوں ——— آپ حضرات مجھ سے محبت رکھتے ہیں میں اس محبت کے تقاضوں پر بول رہا ہوں - ——— اگر میری بانسری اور نہ بجی، تو آپ مجھے معاف رکھیں۔ مجھے بھول جائیں - یقین کیجئے ——— میں شاعر بننے نہیں آیا تھا - نمائندہ بننے نہیں آیا تھا ——— میں محبت کا رشتہ جوڑنے آیا تھا - محبت پانے آیا تھا ——— مجھے محبت نہیں ملی - اس لئے میں اس بے مہر اور روکھی پھیکی دُنیا سے اپنا ناز لئے ہوئے چپ چاپ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا ہوں! ....

ہندو مُسلم دن رات فتنہ و فساد، فرقہ وارانہ بُغض و حسد اور جنگ و جدل میں مبتلا ہیں - انسانی زندگی میں ایک طرف سخت مفلسی، قرض کا وبال اور تنگ دستیاں ہیں مگر دوسری طرف دیو پیکر حریصوں کے 'بینک' میں کروڑوں روپیوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں ——— اس عدم مساوات اور امتیازات کو مٹانے کے لئے میں آیا تھا - میں نے اپنی شاعری، سنگیت اور عمل سے مساوات کی خوبیوں کا بول بولا کیا ——— آپ اس پر گواہ ہیں - اور میرا محسنِ ازل (خدا) بھی اس پر گواہ ہے۔"

۱۹۴۵ء میں کلکتہ یونیورسٹی نے شاعر کی تخلیقی صلاحیتوں کے احترام میں انھیں "جگت تارنی" کے نام سے ایک طلائی تمغہ عطا کیا۔ ۱۹۶۰ء میں حکومت ہندوستان نے انھیں "پدم بھوشن" کے لقب سے نوازا۔

افسوس! صد افسوس! یہ غیر معمولی شاعر، کئی ہزار گیتوں اور گوناگوں سُروں کے خالق ۱۰ اگست ۱۹۴۲ء کو ایک لاعلاج مرض میں مبتلا ہو گئے اور ان کی زہریلی بانسری ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔ ہزار علاج معالجہ کیا گیا مگر ؎

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

وہ خاموش ہو گئے۔ ان کے لب اور نہیں کھلے۔ جگل ادب کے اُفق پر ان کا طلوع "دھوم کیتو" کی طرح اچانک ہوا تھا، ان کا غروب بھی اچانک ہو گیا۔ فی الحال وہ کلکتہ میں اپنی زندگی کی باقی گھڑیاں گذار رہے ہیں۔ ہر سال گیارھویں جیٹھ کو مُلک کے گوشے گوشے میں "نذرل جینتی" (نذرالاسلام کی سالگرہ) منائی جاتی ہے۔ اور ہر انسان کے دل سے یہ آہ بھری آواز نکلتی ہے —
الٰہی! نذرالاسلام کو شفاءِ کلی عنایت فرما!

آج ہمیں نذرالاسلام کے وہ الفاظ یاد آتے ہیں جو خود انھوں نے اپنے متعلق کہے تھے:-

دوستو! میں تمہاری طرف آنکھ اُٹھا کر پھر نہیں جاگوں گا۔
دن بھر غل غپاڑہ کر کے کسی کا دھیان نہیں بٹاؤں گا۔
نڈھال اور چپ چاپ
اکیلا اپنے دل ہی دل میں خوشبودار صندل کی طرح جلتا رہوں گا!

نذرالاسلام کی شاعری کا ایک مختصر جائزہ

نہ ہو جلال تو حُسن و جمال بے تاثیر
نرا نفس ہے اگر نغمہ ہو نہ آتش ناک
(اقبالؔ)

نذرالاسلام کی شاعرانہ زندگی نہایت ہی مختصر ہے - پہلی جنگ عظیم کا آخری حصّہ ـــــــ ۱۹۱۷ء اور دوسری جنگ عظیم کا درمیانی حصّہ ـــــــ ۱۹۴۲ء، بس درمیان کی پچیس سالہ مدّت ان کی شاعرانہ زندگی ہے - اس مختصر عرصے میں انھوں نے بنگلہ زبان وادب کو مختلف حیثیتوں سے حیرت انگیز طور پر فروغ دیا - شاعری کے مزاج میں تبدیلی پیدا کی - ہر صنف شاعری میں نئے باب کا اضافہ کیا - زبان کو نئے سانچے میں ڈھالا - شاعری کو انسانی زندگی سے قریب تر کر دیا - بورژوا ادب کو عوامی ادب بنایا - محلوں سے نکال کر جھونپڑوں سے اس کا رشتہ جوڑ دیا - غرض انھوں نے غیر معمولی جودتِ طبع اور ذہانت سے بنگلہ زبان وادب میں ایک نئے دَور کا آغاز کیا - انھیں کارناموں نے ان کو دُنیا کے عہد آفریں شعراء کی صفِ اوّل میں لا کھڑا کیا -

---

بنگلہ ادب نذرالاسلام سے پہلے اور اُن کے بعد

نذرالاسلام نے اس وقت شاعری کے میدان میں قدم رکھا، جب بنگلہ ادب میں رابندرناتھ (۱۸۶۱ء ـــ ۱۹۴۱ء) کا ڈنکا بج رہا تھا - تمام شعراء ان کی کورانہ تقلید کر رہے تھے - مروّجہ شاعری سے سرِ مو انحراف کرنا گناہ سمجھا جاتا تھا ـــــ اُستاذ الاساتذہ ٹیگور کے طرز کو چھوڑ کر کسی نئی راہ کی تلاش کا خیال تک کسی کے دماغ میں نہیں آسکتا تھا - بے شک گنی چنی دو چار ہستیاں مثلاً کُرنانِدھان، رکرن دُھن، کمُدرنجن، جتیندر موہن باگچی، کالی داس رائے نے تو اپنی انفرادیت قائم کرنے کی کوشش کی مگر بالآخر وہ بھی ٹیگور کی مقناطیسی قوّت میں جذب ہو کر رہ گئے - البتّہ ستیندرناتھ دت (۱۸۸۲ء ـــ ۱۹۲۲ء) اور گوبند داس نے شاعرانہ ٹکنک اور طرزِ تحریر میں مروّجہ رسوم وقیود سے بالاتر ہو کر اپنا راستہ الگ قائم کر لیا - موہت لال مجومدار (۱۸۸۸ء ـــ ۱۹۵۲ء) اور جتیندر ناتھ سین (۱۸۸۸ء ـــ ۱۹۵۴ء) نے شاعری کو عوام کے جذبات کا ترجمان بنا کر اپنے طرز میں انفرادیت پیدا کرنے کی کوشش کی - غرض معدودے چند کے سوا سب ہی ٹیگور کے اتھاہ سمندر

میں غوطہ زن رہے۔

بے شک نذرالاسلام نے شروع شروع میں ٹیگور کی تقلید کی۔ ان کی انسان دوستی اور فطرت پرستی سے استفادہ کیا۔ زندگی بھر ان کی عظمت اور استادی کا اعتراف کیا۔ "اسرو پشپا بخلی" (مٹھی بھر آنسوؤں کے پھول) کے عنوان سے ایک نظم (نتون چاند) لکھ کر انھیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ علاوہ ازیں انھوں نے کچھ دنوں تک ستین دت، جتیندر ناتھ سین اور موہت لال مجومدار کی سماجی اصلاحات اور ترقی پسند رجحانات سے بھی اثر قبول کیا تھا۔ مگر قدرت نے ان کی ذات میں ایک بے پناہ صلاحیت ودیعت کی تھی۔ بہت ہی جلد ان کا اپنا جوہر پھوٹ نکلا۔ زیادہ دنوں تک انھوں نے کسی کا اتباع گوارا نہ کیا۔ انھوں نے اپنی غیر معمولی ذہانت اور بلند شخصیت سے بنگلہ زبان وادب کی تاریخ میں اپنی انفرادیت کا ثبوت دے کر ایک قابلِ رشک مقام حاصل کر لیا۔ بیس پچیس سال کی شاعرانہ زندگی میں ہر دل عزیزی حاصل کر لی۔ مائیکل مدھو سدن دت (۱۸۲۴ء۔ ۱۸۷۳ء) اور رابندر ناتھ ٹیگور کے پہلو بہ پہلو عہد آفریں شاعر ہونے کا شرف حاصل کیا۔ ٹیگور کے اثر سے بالاتر ہو کر نئی صنف کی نظمیں لکھیں اور ترقی پسند شاعری کے بانیوں میں اپنا نام درج کرایا۔

ٹیگوری دور کا ادب بڑی حد تک "بورژوا ادب" تھا۔ وہ ادب شرفاء، تعلیم یافتہ اور متوسط طبقے کا ترجمان تھا۔ غیر ملکی اور سرمایہ دارانہ نظامِ حکومت کے زیر اثر پھلتا پھولتا جارہا تھا۔ اس ادب پر تعلیم یافتہ برن ہندوؤں کے تمدن کی گہری چھاپ تھی۔ وہ ادب نام نہاد شریفوں کے جذبات واحساسات اور ان کی امیدوں اور ناامیدیوں کی آئینہ داری کرتا تھا۔ بنگال کے عوام، ان کی حسرت ومسرت اور ان کے خیالات وتصورات سے اس کا واسطہ نہ ہونے کے برابر تھا۔

پہلی جنگ عظیم سے پہلے تحریکِ آزادی اعلیٰ طبقوں میں محدود تھی۔ عوام میں آزادی کا احساس نہ ہونے کے مترادف تھا۔ جنگ کی تباہیوں نے پوری دنیا میں ہلچل مچا دی۔ روس میں "بالشویک تحریک" (۱۹۱۷ء) کی کامیابی دیکھ کر دنیا کے عوام میں آزادی اور خودداریت کا جذبہ ابھرنے لگا۔ اطرافِ عالم میں انقلابی آب وہوا چھانے لگی۔ اور کائنات کے گوشے گوشے میں وقت کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی نظام سے بیزاری کی لہر دوڑ گئی۔ پاک وہند اس کے اثر سے کیسے مستثنیٰ رہ سکتا تھا۔ یہاں بھی اس کا ردِ عمل شروع ہوا۔ ملوکیت اور سرمایہ دارانہ نظامِ حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہونے لگی۔ یوں تو ملک بھر میں تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات زوروں پر تھیں، مزید براں جلیانوالا باغ کے قتل کا واقعہ، ظالمانہ "رولٹ آئین" اور حکومت کے دیگر گوناگوں مظالم نے آگ پر تیل کا کام کیا۔

ادب، جو کہ زندگی کا ترجمان ہے، اس نازک حالت میں متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔ ہر ملک میں ادب نے ایک نئی کروٹ لی۔ ادب سے زندگی کی الجھنوں کو سلجھانے کی کوشش کی جانے لگی۔ بنگلہ ادب پر بھی کم وبیش اس کا اثر پڑا۔ ٹیگور نے "آمرا چلی شمکھ پانے" (ہم آگے بڑھتے چلتے ہیں)، "کے آمادیر باندھبے؟" (کون ہمیں روکے گا)، "اورے نبین! اورے آمار کانچا" (اے نوجوانو! اے میرے نونہالو!) جیسی پُر زور نظمیں لکھ کر عوام میں احساسِ آزادی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ قومی بیداری پر ان کے چند الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

اے نوجوانو! اے میرے نونہالو!
اے نوخیزو! اے میرے نادانو!

تم نیم جانوں کو ٹھوکر سے جگا کر انھیں آفت سے بچالو۔
آج تمام چہ میگوئیاں چھوڑ چھاڑ کر۔
متوالی صبح کے وقت شراب سُرخ پی کر۔
تم اپنا بازو اٹھا کر نچاؤ۔
اے ہمّت والو! اے میرے نونہالو! تم آجاؤ۔

کیا زنجیر اور غلامی کی پوجا
ہمیشہ برقرار رہے گی؟
اے مستی! تو دروازہ توڑ کر آجا۔
اے جواں مستو! اے میرے نونہالو!
تم طوفان کی طرح فتح مندی کا پرچم لہرا کر،
قہقہوں سے آسمان چیر کر،
"بھولا ناتھ" کی تھیلوں کو انڈیل کر۔
موٹی موٹی غلطیاں ہی سہی، پیش کرو۔

پھر بھی بنگلہ ادب کو نذرالاسلام جیسے آتش فشاں شاعر کی ضرورت تھی۔ اس لئے کہ ٹیگور کی آواز میں ایسا اثر نہ تھا جس سے ظالموں کے دل میں نرمی، مظلوموں کے خون میں گرمی اور حکومتِ وقت کے ذہن میں تبدیلی پیدا ہو سکتی۔ ٹیگور کو انسانیت سے ہمدردی ضرور تھی۔ اور معاشری کمزوریوں کا بھی احساس تھا، وہ مظالم کے خلاف انقلاب لانا چاہتے تھے۔ مگر وہ حُسن کے پجاری، روحانیت کے پیاسے اور عالمگیر اخوّت و محبت کے خواہاں تھے اور پوری دُنیا کو محبت کے رشتے میں جوڑ لینا چاہتے تھے۔ اسی لئے ان کا احتجاجی سُر اور آواز کی بلندی آخر تک برقرار نہ رہ سکی۔ وہ سرزمین بنگال کے رہنے والے تھے۔ مگر بنگال کے شہری ہونے سے زیادہ پوری دُنیا کے شہری تھے۔ اور پوری دُنیا کے امن و امان کے آرزو مند تھے۔ گاندھی جی افریقہ سے واپس آکر سرزمین پاک و ہند میں سیاسی تحریکوں کو ہوا دینے لگے تو ٹیگور نے خیال کیا کہ "میں جس عالمی اتحاد کا خواب دیکھ رہا ہوں، وہ اِن انقلابی اور مخالفانہ اقدامات سے شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔"

اس حالت کے پیشِ نظر وہ گاندھی جی کی اس تحریک کی حمایت کیسے کر سکتے تھے؟ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس وقت شانتی نکیتن، (بول پور، ضلع بردوان) میں "وِشو بھارتی" کی بنیاد ڈال کر اس سے اپنے خواب کو عملی جامہ پہنانے کا سہارا ڈھونڈھا۔ بے شک تحریک تقسیم بنگال (۱۹۰۵ء — ۱۹۱۱ء) میں ٹیگور اور ان کے ہمعصر شعراء نے زبردست حصہ لیا تھا مگر ترکِ موالات (۱۹۲۰ء — ۱۹۲۲ء) اور خلافت (۱۹۱۹ء) کی تحریکوں میں بنگال کے لوگ ان سے حسبِ توقع کچھ نہ پاکر مایوس ہونے لگے اور منتظر تھے کہ کوئی مردِ مجاہد میدان میں آئے تاکہ وہ انھیں جہادِ زندگی میں صف آرا ہونے کی دعوت دے اور ان کا جمود توڑ کر ان کی رگِ حمیت میں جوش و انقلاب کی لہر دوڑا دے۔ اس نازک وقت میں نذرالاسلام

عوام کے جذبات کی تصویر بن کر ان میں رونما ہوئے اور اپنے سیلابی زور سے قوم کے پرانے جمود کو بہا لے گئے۔ مست جوانی کے ترانے گا گا کر نوجوانوں میں جوش و خروش کی لہر دوڑائی۔ شباب سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:۔

مست شباب! تو جاگ اُٹھ۔ طوفان کی طرح آجا۔
جو کچھ سامنے ملے، جوش و خروش کی رو میں پامال کئے جا۔
فراخ دلی، پُرزور روانی اور تیزی کو ساتھ لئے آجا۔
اس سے ساحل کا خس و خاشاک بہ جائے، تو کیا مضائقہ ہے؟
سینہ سپر ہو کر دکھ درد کو گلے سے لگا۔ دل کھول کر مسکراتا جا۔
آزادی بعد میں ہوگی ـــــ پہلے تو "تازہ بہ تازہ گیت" گاتا جا۔
سمندر میں بے خطر کود پڑ۔ بلند پہاڑوں کی چوٹی پر چڑھ جا۔
راستے میں موت ملے، تو دوست سمجھ کر اسے گلے سے لگا لے!

(دُر بار جوبن، نوا، چاند)

اگرچہ نذرالاسلام کو رابندر ناتھ ٹیگور کی طرح ادب کے مختلف شعبوں میں غیر معمولی ملکہ حاصل نہ تھا پھر بھی اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کو خاک بنگال سے والہانہ محبت تھی۔ بنگال کے عوام کے لئے ان کے دل میں ایک پُرخلوص جذبہ موجزن تھا۔ عوام پر نکبت اور ادبار کی گھٹائیں چھاتے دیکھ کر ان کا دل چاک چاک ہو رہا تھا۔ عام انسانیت کو ظلم و ستم کا شکار دیکھ کر اس کی نجات کا خواب دیکھ رہے تھے۔ بیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائیاں ملک کی بڑی منحوس گھڑیاں تھیں۔ ملوکیت کے زیرِ اثر سرمایہ دار طبقہ اپنے ہتھکنڈوں سے رات دن مزدوروں کا خون چوس رہا تھا۔ مہاجن اور زمیندار فریب، عیاری اور دغابازی سے کسانوں کو ان کے پیدائشی حقوق سے محروم کر رہے تھے۔ مظلوم عوام بے نیاں سطلا پس، مقروض اور مفلوج ہو کر رہ گئے تھے۔ اس نازک وقت میں نذرالاسلام قوم اور ادب کے اُفق پر نمودار ہوئے۔ وہ فرعونیت کے لئے موسیٰ بن کر آئے۔ ایک بہادر اور مردِ مجاہد بن کر طاغوتی طاقتوں کا سر کچلنے کے لئے انہوں نے مسلمانوں کو ان الفاظ میں جہاد کی دعوت دی:۔

اے لوگو! تم چلے آؤ!
اُس عظیم الشان سمندر پار سے طبلِ جنگ
کی مسلسل آواز سنائی دے رہی ہے۔
اے لوگو! تم چلے آؤ!
دیکھو ـــــ اسلام ڈوب رہا ہے!
تمام شیطان
سارے میدان میں
اس کا خون خرابہ کر کے نعرہ لگاتے ہوئے
جشنِ فتحمندی منا رہے ہیں۔

اے لوگو! تم چلے آؤ!
رن کی جھنجھناہٹ سُنائی دے رہی ہے۔

(رن بھیری، اگنی بینا)

مذکورۂ بالا الفاظ ان کی نظم "رن بھیری" سے ماخوذ ہیں۔ یہ نظم نذرالاسلام نے اس وقت لکھی، جب ترکی حکومت یونانیوں کے خلاف لڑ رہی تھی۔ کمال پاشا کی مدد کے لئے ہندوستان سے دس ہزار رضا کار سپاہی بھیجنے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ یہ خبر سُن کر نذرالاسلام بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے یہ نظم لکھ کر مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی۔ اس نظم سے انھیں اس بات پر آگاہ کیا کہ ہم شہری روایات کے مالک ہیں۔ شہیدوں کے فرزند ہیں۔ ہم شہادت قبول کر سکتے ہیں مگر غلامی برداشت نہیں کر سکتے۔ فرماتے ہیں:۔

ہم سچے سُرخ سپاہی ہیں۔
ہم مجاہد ہیں۔ ہم شہیدوں کے بہادر سپوت ہیں۔
ظالموں سے لڑ کر مرتے ہیں!
ہم تلوار کی کاٹ اپنے سینے پر لئے ہیں۔ خوشی خوشی مرتے ہیں۔ کامرانی اور آزادی کے گیت گاتے ہیں۔
اے مجاہدو ــــــ آجاؤ!
اُس بحرِ اعظم کے پار سے مسلسل طبلِ جنگ کی آواز آ رہی ہے۔

نذرالاسلام نے حالت کی نزاکت کو بھانپ لیا کہ اگر میں بھی چنڈی داس اور رابندر ناتھ ہی کی طرح ملائم آواز میں انسانی ہمدردی اور عالمی اتحاد کا پیغام سُناتا پھروں، دبی آواز میں پریم کا درس دیتا رہوں تو میری آواز بھی صدا بصحرا ثابت ہوگی۔ انھوں نے یہ بھی محسوس کر لیا کہ قوم اصحاب کہف کی نیند سو رہی ہے۔ اسے چونکانے اور ظلم وستم کے خلاف برسرِ پیکار لانے کے لئے ایک بڑے تغیّر اور ایک زبردست انقلاب کی ضرورت ہے۔ سمجھانے بجھانے اور مذہب کی دواؤں سے قوم کا علاج نہیں ہو سکتا۔ انقلاب ہی اس کا واحد علاج ہے۔ ؎

رِشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو، تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد
بے معجزہ دُنیا میں اُبھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا، وہ ہنر کیا؟　　(اقبال)

اسی خیال سے شاعری کے میدان میں اُترتے ہی نذرالاسلام نے مجاہدانہ انداز میں "صورِ اسرافیل" پھونک کر لوگوں کو جھنجھوڑ دیا۔ شعراء کے دل میں نئی اُمنگ اور ولولہ پیدا کر دیا۔ جو شعراء ادب میں انقلاب کا خواب دیکھ رہے تھے، مگر رسم ورواج سے بالاتر ہو کر اسے عملی جامہ پہنانے کی ہمت نہیں رکھتے تھے، ان کے لئے نذرالاسلام کی شاعری نے مشعلِ راہ کا کام دیا۔ انھوں نے اپنی شاعری سے یہ ثابت کر دکھایا کہ ادب اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ادب کو بھی زندگی کی کشمکش میں ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے بنگلہ شاعری کے مزاج میں

تبدیلی پیدا کی۔اس کے روایاتی نیازمندانہ سُروں میں آگ کی گرمی اور طوفان کی تندی پیدا کی۔اس کی نشیلی آوازوں کے پہلو بہ پہلو مظلوموں کی آہ پکار کو بھی جگہ ملنے لگی۔اسی میں کمزوری کے بجائے دلیری، اور قنوطیت کے بجائے رجائیت رونما ہونے لگی۔ نمونے کے طور پر چند سطریں ملاحظہ ہوں :-

بھائی ہم گستی نغمہ خواں ہیں۔
ہم محکومی اور دباؤ نہیں مانتے۔
حیات اور موت ہمارے تابع ہیں۔
اس ڈراؤنی پھانسی کو دیکھ کر
ہم جیت کی ہنسی خوب ہنستے ہیں۔
ہم تباہی سے بالاتر ہیں۔ ہمیں کوئی ڈر نہیں۔
ہم گیت گاتے جاتے ہیں ؛ گائے ہی جاتے ہیں۔
اور اپنے مرے ہوئے دل نکال کر دکھاتے ہیں۔
بھائی ! راکھ میں دبی ہوئی آگ خطرناک ہوتی ہے۔
ہم قبر کھود دیں گے۔ چتا توڑیں گے۔
مرے ہوؤں کی ہڈیوں میں جان پھونک دیں گے۔
آخر ہم نظم و نسق کی رحمت کو لاکر ہی دم لیں گے۔

(جُگانتر پرگان، بشیر بالشی)

میں ایسا طاقتور ہوں کہ میں نے قدرت کا نظام توڑ دیا ہے۔
میرے پاؤں کے تلے بھگوان پامال ہو کر مرتا ہے۔

(ابھیشاپ، بشیر بالشی)

نذرالاسلام کی شاعری میں انسانی مساوات ایک زندہ حقیقت بن کر سامنے آتی ہے۔ وہ انسانیت کے پجاری تھے۔ دولت کی غیر مساوی تقسیم ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ وہ طبقاتی مراتب اور رنگ و نسل کے امتیازات سے بیزار تھے۔ بنی نوع انسان کے پیدائشی حقوق کو پامال ہوتے دیکھ کر ان کو بڑا دکھ ہوتا تھا۔اسی لئے انھوں نے دُنیا کے تمام سیاسی، سماجی اور اقتصادی فرق مراتب پر کاری ضرب لگا کر دُنیا کو مساوات کی تعلیم دی۔ بے شک ان سے پہلے بھی ہیم چند دت اور چنڈی داس کی شاعری میں مساوات کی تعلیم ملتی ہے۔جیسا کہ ستین دت نے کہا :-

انسان کالا ہو یا گورا۔ یہ ظاہری فرق ہے۔
لیکن حقیقت سب کی ایک ہی ہے۔

چنڈی داس نے کہا :-

سنو! انسانو! میرے بھائیو!
انسانیت سب سے اوپر ہے۔ اس سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔

مگر ان میں انسان دوستی کا وہ کھلم کھلا اعلان کہاں ملتا ہے جو نذرالاسلام کے ہاں پایا جاتا ہے۔ وہ اسلام کے اہم اصول ــــ "مساوات" کی تعلیم ان الفاظ میں دیتے ہیں:۔

آج دنیا بھر میں اسلام کا ڈنکا بج رہا ہے۔
چھوٹے بڑے کا فرق نہیں۔ سب انسان برابر ہیں۔
کوئی کسی کا راجا یا رعیت نہیں۔
محل میں رہنے والے! تو کون ہے جو امیر یا نواب یا بادشاہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے؟
تو ہر دور کے انسان کے لئے کلنک کا ٹیکا ہے۔
افسوس! تو نے اسلامی اصول میں شبہ پیدا کر دیا ہے۔

نذرالاسلام کی مساوات اشتراکیوں کی نظریاتی مساوات نہیں۔ یہ ان کے ہمدردانہ جذبات کی پیداوار ہے۔ سماجی تجربات کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی "مساوات" کی آواز نے وہ کام کیا جو کمیونسٹوں کی ہزار چیخ پکار سے بھی ممکن نہ تھا۔ اس لئے کہ ان کی آواز میں روس کی بو آتی ہے مگر نذرالاسلام کی آواز ان کے خونِ جگر کے رنگ سے رنگین ہوئی ہے۔

"دل سے جو بات نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے"

نذرالاسلام اشتراکی نہ تھے۔ وہ اسلامی اُصولوں کے پُر خلوص مبلغ تھے۔ وہ عرصۂ دراز تک مظفر احمد جیسے پکے کمیونسٹ کے ساتھ رہتے پھر بھی ان پر کمیونزم کا جادو نہ چلا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کس قدر اصولی مسلمان تھے۔

نذرالاسلام پہلے مسلمان شاعر ہیں جنھوں نے اسلامی رسوم و روایات کی پوری قدر پہچانی۔ وہ اسلام کی پرانی قدروں کو یاد کرکے نہ خود روئے اور نہ دوسروں کو رُلایا۔ بلکہ ان کے سامنے عہدِ ماضی کی شاندار تصویر پیش کرکے ان کی نبض میں خون دوڑانے کی کوشش کی۔ حضرت عمرؓ، حضرت خالدؓ، موسیٰؒ، طارقؒ، انور پاشا، مصطفےٰ کمال پاشا، زاغلول پاشا مرحوم جیسی نامور ہستیوں کی شجاعت و استقلال کا نقشہ کھینچ کر شاعر نے مسلمانوں کو جواں مردی اور بہادری کے سبق سکھائے۔ "فاتح دوازدہم"، "شط العرب"، "کھیا پار یہ ترنی"، "قربانی"، "محرم" جیسی تاریخی نظمیں لکھ کر ماضی کی سنہری روایات اور مذہبی جذبات کی طرف ان کی توجہ مبذول کی۔ ان کی نظم "انور"، "کمال پاشا"، "محرم" وغیرہ رزمیہ شاعری کی تاریخ میں بہترین مرقع ہیں۔ اگرچہ انھوں نے ہندو تہذیب و تمدن پر کچھ نظمیں لکھی ہیں مگر ان کی اہم ترین نظمیں اسلامی تہذیب و تمدن ہی پر مشتمل ہیں۔ "کھیا پار یہ ترنی" کے ولولہ انگیز الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

پار اُترنے کی کشتی

رات کے وقت مسافر پار اُترنے آئے ہیں۔
پھر یہ کڑکا کہاں سے آ رہا ہے؟

کون تباہی کا صور پھونک رہا ہے ؟
شمال مغربی کونے میں تیز ہوائیں چل رہی ہیں - ابر آلود آسمان گونج رہا ہے -

○ ○ ○

پُر خطر سمندر میں تیز ترنگیں ناچ رہی ہیں -
موت کی سرمستی اپنی ہیبت ناک صورت میں ہے -
کالی رات ساری کائنات کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے -
کشتی کے تمام بے توشہ گنہگار ڈر کے مارے کانپ رہے ہیں -

○ ○ ○

یہ قیامت خیز رات تیرہ و تار ہے -
کشتی پار لگنے کی کوئی اُمید نہیں - تمام مسافر ڈوبنے لگے ہیں -
ٹھہر ٹھہر کر آسمان گونج رہا ہے - بجلی کوند رہی ہے -
صور کی گونج سے رات تھر تھرا رہی ہے -

○ ○ ○

پھر یہ کس کی کشتی ہے جو متلاطم سمندر کی تباہی ،
اس کی ہیبت ناک گرج ،
اور اس کی ہلاکت خیز طغیانی کو ہیچ سمجھ کر ،
بے فکری سے آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے -

○ ○ ○

راہِ راست کے یہ مسافر معصوم ہیں -
مذہب کی زرہ میں ان کے صاف دل بخوبی محفوظ ہیں -
یہ بجلی کی تباہی سے بھی خوف زدہ نہیں ہوتے -
اس کشتی کے ناخدا احمد (صلعم) ہیں - یہ کشتی زادِ راہ سے بھرپور ہے -

○ ○ ○

ابوبکر، عثمان ، عمر ، علی حیدر رض

اس کشتی کے چپو چلانے والے ہیں - اس کے لئے کوئی خوف و خطر نہیں !
اس کشتی کا ناخدا آزمودہ کار ہے -
یہ چپو چلانے والے ہمنوا ہو کر " لاشریک لہٗ " کے گیت گائے جاتے ہیں -

○ ○ ○

اس کشتی کے مستول پر شفاعت کا بادبان بندھا ہوا ہے۔

اس پر جنّت کی حوریں ڈھیروں پھول برسا رہی ہیں۔

یہ حوریں متواضع ہیں۔ ان کی نگاہیں اُلفت بار ہیں۔ یہ ہستیاں خیر و برکات کے مجسمے ہیں۔

پار اُترنے والے مسافرو! تم ہمنوا ہوکر بآواز بلند "لاشریک لہٗ" کے گیت گاتے جاؤ۔

○　○　○

سمندر کی تباہی اور ابر آلود آسمان اِن مسافروں کو خواہ مخواہ ڈرا رہا ہے۔

لو! راہ راست کے یہ مسافر دریا پار ہو گئے ہیں۔

(اگنی بینا)

اس نظم میں شاعر نے حصولِ نجات کو کشتی پار لگنے سے، حضرت محمد صلعم کو کشتی کے ناخدا سے، خلفائے راشدین کو چپّو چلانے والوں سے، عام مسلمانوں کو کشتی کے مسافروں سے اور منزلِ مقصود تک پہنچنے کی دشواریوں کو پُر خطر سمندر کے شدائد سے تشبیہ دی ہے۔ اس نظم کا بنیادی خیال یہ ہے کہ مذہبِ اسلام ہی راہِ نجات ہے۔ رسول کریم ؐ اور ان کے صحابۂ کرامؓ کے متبعین تمام مصائب و شدائد پر قابو پالیں گے۔ انھیں قیامت کے دن رسول کریم ؐ کی شفاعت نصیب ہوگی اور ان کا انجام بخیر ہوگا۔

یہ نظم نذرالاسلام کی شاعرانہ قوت کی ایک زندہ تصویر ہے۔ اس کی موسیقیت، بحر کی جھنکار، الفاظ کی سلاست و روانی اور اسلوب کی متانت و سنجیدگی کی جتنی بھی تعریف کی جائے، کم ہے۔ اس نظم کے وجود میں آنے کا پس منظر یہ ہے کہ ڈھاکے کے نواب خاندان کی کسی ایک خاتون نے "مسلم بھارت" میں شائع کرانے کے لئے ایک تصویر بھیجی تھی۔ تصویر کا مفہوم یہ تھا ——— تلاطم خیز سمندر میں ایک کشتی آگے بڑھے جارہی ہے۔ کشتی کے چار چپو ہیں اور ایک پتوار۔ چپوؤں کے سر میں عربی حروف میں ترتیب وار لکھا ہوا ہے ——— "ابوبکر، عمر، عثمان، علیؓ" یہ اسلام کے چار بڑے خلیفہ ہیں۔ پتوار کے سر پر "محمد" اور بادبان میں "شفاعت" کا لفظ مرقوم تھا۔ اس تصویر کا کوئی نام نہ تھا۔ نذرالاسلام نے اس تصویر کو سامنے رکھکر یہ نظم لکھی۔ اور اس کشتی کا نام "کھیپا پاریر ترنی" رکھا۔

شاعر کی نظم "قربانی" کی دو سطریں، جو اس کی جان ہیں، ملاحظہ ہوں:-

آج اللہ کے نام اپنی جان قربان کرنے ہی میں عید کی مقدس روح مضمر ہے۔

قربانی دراصل ذبح جانور نہیں بلکہ یہ حق پرستانہ جذبہ کی بیداری ہے۔

طریق العالم (۱۸۸۹ء ——— ۱۹۳۲ء) کے نام سے ایک ڈپٹی مجسٹریٹ نے اپنے ایک مضمون میں "قربانی" کو 'بربریت' کی ایک علامت بتایا۔ اس سے نذرالاسلام کے مذہبی جذبے کو ٹھیس لگی۔ انھوں نے یہ نظم لکھ کر رسمِ قربانی کی حمایت کی۔ اور اسے قربانی کی اصل روح سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا کہ عیدالاضحیٰ کے دن دراصل جانور کا ذبح کرنا مقصود نہیں بلکہ تاسیسِ حق کے لئے عزمِ مصمم کرنا ہی اس رسم کا مقصدِ اوّلین ہے۔

نذرالاسلام مذہبی روایات کے قدرداں ضرور تھے۔ مگر جوش و جذبہ اور سبق حاصل کئے بغیر صرف رسم کی ادائیگی کو

وہ اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ انھوں نے "محرم" میں اس روایت پرستی کے خلاف قلم اٹھایا اور کہا کہ محرم کے موقع پر ہم گریہ وزاری اور عزاداری نہیں چاہتے بلکہ قربانی اور ایثار نفسی چاہتے ہیں۔ اس نظم میں انھوں نے مسلمانوں کو اپنے خون کے بدلے پرانی عظمت کو بحال کرنے کی ترغیب دی۔ ہاتھ میں تیغ عربی لے کر سر پر قرآن کا کفن باندھے میدانِ جنگ میں بے خطر کود پڑنے کی تعلیم دی:

آج پھر محرم کا مہینہ آگیا ہے۔
ہم قربانی چاہتے ہیں۔ مرثیہ اور گریہ وزاری نہیں چاہتے۔
مسلمانوں کے سر پر قرآن کی دستار اور ہاتھ میں تیغ عربی ہے۔
دُنیا میں کسی مسلمان کا سر نیچا نہیں۔
بس سُن لو ـــ کہاں دمامہ بج رہا ہے۔
ہاتھ میں شمشیر لے لو۔ سر پر عمامہ باندھ لو۔
نقارہ بج رہا ہے۔ نقیب کا طبلِ جنگ گونج رہا ہے۔
اسلام! ہوشیار ہو جا۔ تیرا آفتاب ڈوب رہا ہے۔
مسلمانو! جاگ اُٹھو۔ حیدر کرار کی آواز بلند کرو۔
شہادت کے دن سب کچھ سرخ اور سرخ ہو جائے!

نذرالاسلام سے پہلے بنگلہ ادب میں اسلامی تہذیب و تمدن کی ترجمانی نہ ہونے کے برابر تھی۔ انھوں نے اپنی شاعری میں فراخدلی سے اسلامی تہذیب و تمدن کی تصویر کشی کی ہے۔ ان کا ادب دیکھ کر دوسرے مسلمان لکھنے والوں کو اس پر کچھ لکھنے کی ہمت ہوئی۔ وہ سمجھنے لگے کہ بنگلہ ادب پر مسلمانوں کا بھی حق ہے۔ اس میں اسلامی تہذیب و تمدن کا بیان بھی ہو سکتا ہے۔

عربی و فارسی زبانوں کے مناسب الفاظ سے نذرالاسلام نے بنگلہ شاعری کی سامعہ نوازی، روانی، گرمی اور اس کے ذخیرۂ الفاظ و معانی میں وسعت پیدا کی۔ بنگلہ زبان و ادب کی قدیم روایات کے مطابق انھوں نے عشقیہ اور غنائی شاعری میں خود سپاری اور ناز و نیاز کی کیفیت قائم رکھی مگر عام شاعری خاص کر انقلابی شاعری کو انھوں نے ایک نئی جرأت اور طوفانی کیفیت سے آشنا کیا۔ بنگلہ زبان و ادب پر ان کا احسان یہیں ختم نہیں ہوتا۔ سنگیت میں بھی ان کا پایہ بہت بلند ہے۔ اسی صنف میں ان کی شاعری کا عروج ہوا ہے۔ اسی میں ان کا شاعرانہ کمال اَوج کمال پر پہنچا۔ وہ صرف کئی ہزار گیتوں ہی کے خالق نہیں بلکہ نئی نئی راگ راگنیوں کے بھی رواج دینے والے ہیں۔ اور اس پہلو میں کوئی بھی بنگلہ ادب میں ان کا ہمسر نظر نہیں آتا۔ اسی سے انھوں نے بقائے دوام کے دربار میں اپنا نام محفوظ کر لیا ہے۔ انھوں نے پچیس سالہ شاعرانہ زندگی میں بنگلہ زبان و ادب کو صوری و معنوی دونوں حیثیت سے کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے۔

آج نذرالاسلام خاموش ہیں۔ مگر ان کے کارنامے ہمیشہ ان کی یاد دلاتے ہیں۔ لوگوں کی زبان پر، ریڈیو اور گراموفون پر صبح و شام ان کے گانوں سے ہم لطف اندوز تو ہوتے ہیں مگر ان کے موجودہ حالات کو یاد کر کے ہمارے دل کڑھنے لگتے ہیں۔
نذرالاسلام نے خود کہا تھا:۔

میں ایک گانے والا پرندہ تھا۔ کچھ دنوں شاخوں پر بیٹھا تھا۔
گانے ختم ہو جانے کے بعد جب میں چلا جاؤں گا،
تو وہ گانے سدا میری یاد دلائیں گے۔
اس وقت پرندہ تو نہیں رہے گا مگر اس کا سُر ضرور رہے گا۔
میں تو پرواز کر جاؤں گا ـــــ مگر تو ریت کا ٹیلہ بن کر روتا رہے گا۔

(گوپن پریا، سندھو ہندول)

باغی شاعر نذرالاسلام

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل، طاؤس و رباب آخر (اقبالؔ)

خداوند کریم کا ارشاد ہے:۔

"اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ" ——— "خداوند کریم کسی قوم کو ہرگز نہیں بدلتا ہے، جب تک وہ اپنے آپ کو نہ بدلے"

اس کا مطلب یہ ہے کہ خود قوم اگر اپنی زبوں حالی اور ابتری کو خوشحالی اور ترقی سے بدلنے کی کوشش نہ کرے، تو خدا اسے اس کی بدحالی سے نجات دے کر خوش حالی عنایت کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہے:۔

مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ۔

"اگر تم میں سے کسی کو کوئی بُرائی نظر آئے، تو اسے چاہیئے کہ وہ اس بُرائی کو اپنے ہاتھ سے روک دے۔ اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو، تو زبان سے روک دے، اگر زبان سے بھی روکنے کی مجال نہ ہو، تو (کم از کم) دل ہی دل میں اس سے نفرت کرے، مگر یہ کمزور ترین ایمان ہے۔"

نذرالاسلام ان ارشادات سے واقف تھے۔ قوم اور ملک کی بے راہ روی کو دیکھ کر ان کی غیرت کے جذبات میں تلاطم پیدا ہوا۔ انھوں نے خاموش تماشائی کا کردار ادا کرنا گوارا نہ کیا۔ قوم کو سدھارنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ انھوں نے اس حقیقت کو بخوبی سمجھ لیا کہ تغیّر کے بغیر تعمیر کا امکان نہیں۔ اور انقلاب کے بغیر تغیّر وجود میں نہیں آسکتا۔ قوت و اقتدار حاصل نہ ہو، تو ظلم و ستم کا خاتمہ کرنا ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے قوم کو ظالموں کی چیرہ دستیوں اور جکڑ بندیوں سے چھڑانے کے لئے وقت کے سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی نظام کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا۔ اپنی شعلہ بار نظموں سے سرزمین بنگال میں آگ لگادی۔ خاص کر اپنی طلسماتی نظم "بدروہی" سے بنگال اور بنگلہ زبان و ادب میں ایک عجیب ہنگامہ برپا کردیا۔ ظالموں کے

دل میں زلزلہ اور مظلوموں کے خون میں شدید گرمی پیدا کردی۔ یہ نظم بنگلہ ادب میں اپنی نوع کی پہلی چیز تھی۔ اسی نے نذرالاسلام کو بنگال کے گوشے گوشے میں "باغی شاعر" کے نام سے مشہور کردیا۔ وہ بنگال کے جوش ملیح آبادی ہیں۔ ایک طرف جوش نے:

کام ہے میرا تغیر، نام ہے میرا شباب
میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب

کا پیغام سنایا تو دوسری طرف نذرالاسلام نے "بدروہی" اور "دھوم کیتو" کی گرج سے ملک کے ظالموں کے دل میں جھرجھری پیدا کردی۔ ("بدروہی" اور "دھوم کیتو" کے نمونے اِس نمبر کے مختلف صفحات پر ملاحظہ ہوں)۔ انھوں نے جس انداز سے قوم کو جگانے کی کوشش کی وہ واقعی ایک اعجاز سے کم نہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے:

"اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِرٍ" ——— "ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے"

نذرالاسلام زندگی بھر اسی اصول پر عمل پیرا رہے۔ انھوں نے محبت یا باہمی سمجھوتے سے دشمن کا دل جیتنا پسند نہیں کیا۔ صبر و استقلال سے ظلم کو برداشت کرنا ان کی غیور طبیعت کو گوارا نہ ہوا۔ وہ جانتے تھے کہ ظلم برداشت کرنا بھی ظلم ہے۔ "جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات" ہے۔ اس لئے انھوں نے دشمن کو دشمن ہی کی حیثیت سے دیکھا۔ اس کے ساتھ رحم کرنا یا نرمی برتنا روا نہ رکھا۔ ان کا خیال تھا کہ بغیر ہمہ گیر انقلاب کے حکومتِ برطانیہ کو پاک و ہند سے نکالنے کی کوئی اور صورت نہیں۔ اس لئے گرجدار آواز میں حکومت کو یہ الٹی میٹم دے دیا:

جو حکومت ظالم ہو۔
اس کا خون بہانا اور اس کو سیدھا کردینا چاہتا ہوں۔
اس کے سینے پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر،
اس کی گردن مروڑ کر خون چوستا ہوں۔
ہم کینہ کش اور گوشت خور ہیں۔
ہم شرارت پسند ہیں۔
دشمن قریب سے ملے تو بھائی!
اس کا کلیجہ کچا چبا کر کھا جاتے ہیں۔
اس کے مُردنی چھائے ہوئے چہرے پر لات مار کر۔
انتہائی مسرت میں پھڑک اُٹھتے ہیں۔

نذرالاسلام دراصل جنگ جُو یا تخریب پسند نہ تھے۔ وہ باغی تھے مگر ان کی بغاوت، بغاوت کی خاطر نہ تھی بلکہ تعمیر کی غرض سے تھی۔ ماحول نے انھیں باغی بننے پر مجبور کیا تھا۔ ان کی بغاوت مقصدی تھی۔ ظالموں کے دل دہلانے اور مظلوموں کا لہو گرمانے کا ایک بہانہ تھی۔ ان کا عزم تھا کہ انقلاب اور پیکار اس وقت تک جاری رہے، جب تک کچلی ہوئی انسانیت کے

حق خود ارادیت نہ مل جائے۔ صفحۂ دہر سے ظلم و ستم کا سیاہ داغ مٹ کر امن وامان اور فرحت و مسرت کا بول بالا نہ ہو۔ ان کی تمنا تھی کہ ایک ایسا سماج وجود میں آجائے۔ جس میں طبقاتی اونچ نیچ نہ ہو، ہر فرد بشر کو برابر کے حقوق ملیں، جو بدعنوانیوں سے پاک اور عیش و آرام کا گہوارہ ہو۔ فرماتے ہیں :۔

میں بڑا باغی ہوں اور تکالیفِ جنگ سے تھکا ہوا ہوں۔
میں اس دن مطمئن ہوں گا،
جب مظلوموں کی فریاد آسمانی فضا میں نہ گونجے گی ——
ظالموں کی تلوار و خنجر کی آواز گھمسان لڑائی کے میدان
میں سنائی نہ دے گی۔
میں جنگ کے شدائد سے تھکا ہوا باغی اس دن مطمئن ہوں گا۔

(بدروہی، اگنی بینا)

نذرالاسلام اپنی بغاوت میں ایک روشن مستقبل کا خواب دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک جہانِ نو کی بنیاد ڈالنے کے خواہشمند تھے۔ ان کی بغاوت صرف دماغی ہیجان نہ تھا۔ بلکہ اس سے انھیں ایک دائمی اور خوش کن نتیجہ مرتب کرنا منظور تھا۔ وہ دُنیا کی دوسری قوموں کی ترقی کے ساتھ ساتھ اپنی قوم اور ملک کو بھی ترقی یافتہ دیکھنا چاہتے تھے۔ اور ایک ایسی مثالی مملکت کی داغ بیل ڈالنا چاہتے تھے جو ساری دُنیا کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہو۔ فرماتے ہیں:

ہم نئی دُنیا بسائیں گے۔ نئے ترانے گائیں گے۔
یہ دُنیا سر جھکائے انجلی بھر کر ہمارے احسانات قبول کرے گی۔

نذرالاسلام کی بغاوت بظاہر تباہ کن نظر آتی ہے۔ جیسا کہ انھوں نے خود کہا:۔

" میں ہر چیز کو توڑ پھوڑ کر مسمار کر دیتا ہوں "

شاعر کو بھی اس کا احساس تھا۔ چنانچہ انھوں نے خود اپنی منزلِ مقصود کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ میری تخریب میں تنظیم پوشیدہ ہے۔ تخریب ہی سے تعمیر وجود میں آتی ہے۔ لہٰذا کسی کو تخریب و تباہی سے ڈرنا نہ چاہئیے۔ فرماتے ہیں :۔

تخریب سے تم کیوں ڈرتا ہے؟ تخریب سے تو تعمیرِ نو وجود میں آتی ہے۔
گم کردہ زندگی کی بے رونقی کو مٹانے کے لئے عہدِ جدید آ رہا ہے۔
اس لئے یہ طوفان ڈراؤنے بھیس میں تباہی لئے ہوئے بھی مسکراتا آ رہا ہے۔
وہ توڑ پھوڑ سے دائمی حُسن پیدا کرتا جاتا ہے۔
تم سب جیت کے نعرے بلند کرو۔

مولانا رومی نے تخریب و تعمیر کے متعلق کہا:۔

ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند
اوّل آں بنیاد را ویراں کنند

شاعر کو جنگ کا تجربہ حاصل تھا - انھوں نے تحفظِ آزادی کے لئے فوجیوں کو مسکراتے ہوئے جاں بازی کرتے دیکھا۔ جنگ سے واپس آکر وہ مجاہدانہ جذبہ لے کر شاعری کے میدان میں کود پڑے - اور ملک کی نزاکتِ حال دیکھ کر ان کا دل کڑھنے لگا۔ وہ سپاہی شاعر تھے۔ انھوں نے شاعری کے میدان میں سپاہ سالارِ اعظم کا کام کیا - ان کے "بگل" سے سربراہ اور نوجوان چوکنے اور چوکس ہوگئے - بہت سے سالار، سپاہی شاعر کی کمان کے تحت میدان میں اُتر پڑے اور قوم کی قیادت کی باگ ڈور تھامے غلامی و ناانصافی کے خلاف مہم شروع کردی -

تحریکِ آزادی کو روکنے کے لئے انگریز حکومت نے دھڑا دھڑ گرفتاریاں شروع کردیں اور تحریک میں حصّہ لینے والوں پر ناگفتہ بہ مظالم توڑے جانے لگے تو نذرالاسلام پسپا نہیں ہوئے بلکہ اپنی آتشناک شاعری سے حکومت پر آگ برسانے لگے - اگرچہ وہ شروع شروع میں گاندھی جی کی تحریک ترکِ موالات کے حامی تھے مگر انھوں نے کبھی خاموش عصبی جنگ کرنا پسند نہ کیا۔ بلکہ سامراج کے خلاف موثر قدم اٹھانے کے لئے ہمیشہ لوگوں کو اکسایا - قیدیوں کو اتحاد کا سبق دیا - اور انھیں اپنے زورِ بازو سے قید خانے کے در و دیوار ہلا دینے کے لئے بھڑکایا - فرماتے ہیں :-

دیکھ ـــــ خطرناک بیساکھی طوفان رقص کر رہا ہے -
کیا تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے دن گنواتا رہے گا ؟
آگے چل ـــــ
اس بھیانک قید خانے کی بنیاد ہلا دے -
قید خانے کے سب تالوں کو توڑ دے -
اس میں آگ لگا دے !
ضرور آگ لگا دے ! اُسے اکھیڑ دے !

نذرالاسلام ایک جذباتی اور غیور آدمی ہیں - وہ کبھی کبھی جذبات کی رو میں بہہ کر ہر چیز کو ٹھوکر سے اُڑا دینا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے وقت کے سیاسی اور سماجی نظام سے بغاوت کرکے دم نہیں لیتے بلکہ ظالمانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے خالق یعنی صاحبِ اقتدار اور جابر حکمرانوں کا بھی قلع قمع کرنا چاہتے ہیں - ان کی نظم "بدروہی" "دھوم کیتو" "ابھیشاپ" (لعنت) وغیرہ میں اس قسم کی بغاوت کا ظہور بار بار ہوا ہے - شاعر نے "بدروہی" میں کہا :-

میں بھرگو جیسا باغی ہوں، بھگوان* کے سینے پر لات ماردوں گا -
میں من مانی کرنے والے ناظمِ عالم کا سینہ پاش پاش کردوں گا -

" دھوم کیتو " میں کہا :-

میں اس خالق (سماجی نظام کا خالق) کی کارسازی اور اس کے تصرفات کی عیاری خوب خوب جانتا ہوں -

---

* ہندو دیومالا کا ایک قصّہ ہے کہ ایک مرتبہ وشنو بھگوان آرام کر رہے تھے - کہ ناگہاں برہما جی کا سرکش بیٹا بھرگو وارد ہوا اور ان کے سینے پر ایک ٹھوکر جڑ دی -

اسی لئے آئین و قانون پر لات مارتا ہوں۔ ناظمِ عالم کے سینہ پر ہتھوڑا مارتا ہوں۔

ابھیشاپ میں کہا:-

میں نے اربابِ حل و عقد کا نظام توڑ دیا ہے۔ میں ایسا ہی طاقتور ہوں۔
میرے پاؤں کے تلے بھگوان (اربابِ حکومت) موت کی مار کھا کر مرتا ہے۔

نذرالاسلام کا دل غریبوں اور مظلوموں کے لئے تڑپ رہا تھا۔ انسانیت کی نجات ان کی شاعری کا مطمحِ نظر تھا۔ انسان اور انسان کا فتنہ، فرقہ وارانہ مناقشات، دولت مند اور سرمایہ داروں کا ظلم و ستم، مہاجنوں کا ہتیاچار، محنت کشوں اور مزدوروں کا دکھ درد دیکھ کر ان سے رہا نہ گیا۔ انھوں نے موجودہ نظام کو توڑنے کے لئے سماج سے بغاوت کی۔ کارکنانِ قضا و قدر سے بغاوت کی، پھر بھی جب انھوں نے دیکھا کہ ان کے انقلاب کا ثمرہ حسبِ توقع مرتب نہیں ہو رہا ہے، دُنیا میں امن و امان قائم نہیں ہو رہا ہے، یورپ اور امریکہ کے گورے آدمی ناز و نعمت میں زندگی گزار رہے ہیں، ادھر ایشیا اور افریقہ کے کالے آدمی مصیبتیں جھیل رہے ہیں، انگلستان کے گورے لوگوں کی حکومت ہندوستان کا گلا گھونٹ رہی ہے، دُنیا کے انتظامات کی باگ ڈور خونخوار اور جنگجو اقوام کے ہاتھ میں ہے تو ان کا پیمانۂ صبر چھلک گیا۔ وہ کارکنانِ قضا و قدر سے آگے بڑھ کر خود قضا و قدر سے بھی چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔ فرماتے ہیں:-

خدا کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:-

تو نے بنی نوعِ انسان کو گورا، سانولا، کالا پیدا کیا ہے۔ یہ تو تیری ہی مرضی ہے۔
ہم کالے ہیں تو تجھے بخوبی معلوم ہے کہ یہ ہمارا قصور نہیں۔
گورے سبھوں کا گلا گھونٹتے رہیں گے —— یہ تیرا نظام نہیں ہو سکتا!
تیری مخلوق آج مجھے رسوا بنا رہی ہے۔
تو اتنا ظلم و ستم سہے جاتا ہے حالانکہ تو بزرگ و برتر ہے۔
مظلوم انسانیت بے تاب ہو گئی ہے۔ وہ یہ ذلّت اور برداشت نہیں کرے گی!

اقبالؔ کی شاعری میں بھی ایسی شوخیاں پائی جاتی ہیں۔ وہ بھی مسلمانوں کی زبوں حالی اور مغربی ممالک کی ثروت اور خوشحالی کو دیکھ کر خدا سے شکایت کرتے ہیں:-

رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور
اور بیچارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور!

پھر بھی ہم سے یہ گلا ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں، تو بھی تو دلدار نہیں!

یہ چھیڑ چھاڑ دراصل خدا سے سرکشی نہیں، شوخی ہے - نذرالاسلام نے خود اپنے ناول "باندھن ہارا" میں ایسی بغاوت کی تشریح کی ہے - اس ناول کا ہیرو نورالہدیٰ ایک باغی ہے - اس کی بغاوت اپنے خالق سے ہے - اس ناول میں راویہ کے نام ساہسکا کا ایک طویل خط ہے - جس میں نذرالاسلام نے اپنے کردار ساہسکا کے الفاظ میں اس بغاوت کی حقیقت یوں بیان کی:-

"یہ بغاوت تو شوخی اور غصّے کا دوسرا نام ہے - بیٹا غصّے میں آکر باپ کو باپ نہ کہے، یا ماں کو ماں نہ نہ کہے یا یہ کہے کہ یہ اس کے ماں باپ نہیں تو کیا واقعی باپ کا باپ ہونا یا ماں کا ماں ہونا غلط ہو جاتا ہے؟ جو شوخی بھرا غصّہ اس کے سینے میں جاگتا ہے، اس کے فرو ہو جانے کے بعد ماں کا ضدی بیٹا رو رو کر پھر ماں ہی کی گود میں گر پڑتا ہے - یہ شوخی اور غصّے کی یہ فراموشی ——— اس سے کیا بگڑتا ہے؟ ——— کچھ نہیں بگڑتا! بلکہ بیٹا اپنے ماں باپ کو اور زیادہ پہچان لیتا ہے - وہ ماں باپ کا اور زیادہ پیارا بن جاتا ہے - بعید نہیں کہ اسی طرح اسے ایک دن اچانک خدا بھی مل جائے - علاوہ ازیں اسے تو شوخی کرنے یا بغاوت کرنے کا حق ہی حاصل ہے - اس لئے کہ اس نے ماں کی ایسی گہری محبت حاصل کرلی ہے کہ اُسے یقین ہے ——— ماں اُس کی ساری بغاوتیں اور تمام قصور ضرور معاف کردے گی - جس شفقت و محبت کی وجہ سے انسان کے دل میں شوخی جاگتی ہے یا غصہ آتا ہے، کیا تجھے معلوم ہے کہ وہ شفقت و محبت کتنی گہری ہے؟"

نذرالاسلام کے کلام میں خدا کے خلاف جس بغاوت کا ظہور ہوا ہے، اس کی نوعیت بھی یہی ہے - انھوں نے اپنی نظم "چرُ بِدرو ہی" (سدا باغی) میں اپنی بغاوت کی یہی وجہ بتائی ہے - انھوں نے خدا سے خطاب کرتے ہوئے خود ہی بغاوت کی وجہ اس طرح پیش کی:-

مجھے اپنے گہرے ناز نے باغی بنا دیا ہے -
تیری دُنیا میں دکھ درد کیوں ہے؟
یہی چیز مجھے ہمیشہ رُلاتی ہے -
تیری کائنات میں بے نظمی ہے - اس لئے میرا دل روتا ہے -
میرے گہرے ناز نے مجھے باغی بنا دیا ہے،

(سدا باغی، آخری سوغات)

نذرالاسلام سنجیدگی کے ساتھ خدا سے کیسے بغاوت کر سکتے تھے؟ وہ تو دُنیا کے جابر حکمرانوں کے من مانے معاشری نظام کو توڑ پھوڑ کر خدائی نظام ہی کو روئے زمین پر نافذ کرنا چاہتے تھے - ان کا خیال ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے قوانین ہر ملک، ہر دور اور ہر سماج کے لئے یکساں موزوں نہیں ہوسکتے - ہاں خدائی نظام فطری نظام ہے - وہ ہر معاشرہ، ہر عہد اور ہر علاقے کے لئے مناسب ہے - فطری اور خدائی نظام پر کسی کو چون وچرا کرنے کا حق نہیں - فرماتے ہیں:-

تیرا خرافاتی نظام، تباہ ہو جائے -
خدا کا نظام قائم ہو!
خدا کا نظام قائم ہو!

خدائی نظام میں تیرے تصرفات کو۔
دُنیا کے لوگ اور نہیں مانیں گے !
دُنیا کے لوگ ہرگز نہیں مانیں گے !!

جتنے منہ اتنی باتیں ۔
تو کس کی حکومت مانے گا ؟
کتنے آدمیوں کی خاطرداری کرسکے گا ؟
تو ایک سماج کو مانے ۔
تو دوسرا سماج تجھے جلاوطن کردے گا ۔
چاروں طرف زنجیریں ہیں ۔
سو جو سبھوں کا مطمح نظر ہو سکتا ہے ۔
اسی کی روشنی سے اپنی آنکھیں روشن کرلے ۔
خدا کا نظام قائم ہو !
خدا کا نظام قائم ہو !

(ستیہ منتر، بشیر بانستی)

قومی بیداری میں نذرالاسلام کا حصّہ

نوا پیرا ہو اے بُلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
(اقبالؔ)

نذرالاسلام بلاشبہ ہماری قومی بیداری کے پیشوا ہیں۔ ہمیں جو آزادی ملی ہے، اس کے پسِ منظر میں کوئی فوجی طاقت نہ تھی۔ کسی خونریزی کے صدقے ہمیں پاکستان نہیں ملا۔ ہماری آزادی عوام کی ذہنی بیداری اور اعصابی جنگ ہی کا نتیجہ ہے۔ روسی انقلاب میں ٹالسٹائی اور فرانسیسی انقلاب میں روسو نے جو کام کیا ہے، سرزمین بنگال کی قومی بیداری میں نذرالاسلام کی شاعری نے وہی کام انجام دیا۔ ان کی شاعری نے گھر گھر آزادی کا پیغام پہنچایا۔ مظلوم عوام میں خود ارادیت اور خوداعتمادی کا جذبہ پیدا کیا۔ اور یہی جذبہ حصولِ پاکستان کا پیش خیمہ بنا۔ قوم آزاد ہوئی اور لوگوں نے انھیں قومی شاعر قرار دیا۔ نذرالاسلام نے جن الفاظ میں مظلوم عوام کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور اپنے حقوق کے حاصل کرنے کی دعوت دی، اس کے دو ایک نمونے ملاحظہ ہوں:۔

جاگو —— بھوک کے اسیرو جاگو !
دُنیا میں جتنے پامال اور بدقسمت ہو، جاگ اُٹھو!
تمام ظلم وستم کا خاتمہ کرنے کے لئے آج
مظلوم انسانیت کے دل میں آوازِ انقلاب گونج رہی ہے۔
وہ دیکھو! نئی زندگی جہانِ نو لئے آرہی ہے۔

. . . .

سنو ظالمو! —— سنو سرمایہ دارو !
ہم سب کچھ کھو چکے تھے۔ اب سب کا سب فتح کرلیں گے۔
اے لوگو! اس آخری جنگ میں آج تم سب
اپنے اپنے حقوق پر کھڑے ہوجاؤ۔

(بین الاقوامی سنگیت، فنی منسا)

نذرالاسلام نے اپنی شاعری میں قوم کے کسی طبقے کو نظر انداز نہیں کیا۔ نوجوان، طلبار، کسان، مزدور، ماہی گیر، نیک، گنہگار، چور، ڈاکو، بھنگی، طوائف غرض سبھوں کے منہ میں زبان دی، سبھوں کے جذبات کی عکاسی کی۔ ہر ایک کی نکبت و مسرت کے گیت گائے۔ مزدوروں کو روشن مستقبل کا مژدہ سُنایا۔ ان میں آزادی کی اُمنگ اور حرکت و عمل کی حرارت پیدا کی۔ فرقہ وارانہ تعصبات سے بالاتر ہو کر ہندوؤں اور مسلمانوں کو مساوات، برادری، ہمدردی اور میل محبت کے درس دئے۔ ادیبوں اور شاعروں کو بھی اپنا ہمنوا بنایا۔ ادب کو پوری قوم کے جذبات و احساسات کا آئینہ دار بنایا۔

نذرالاسلام نے نہ سیاست سے گریز کیا، نہ خود کو سیاست میں کھو دیا۔ وہ فرقہ وارانہ سیاست سے بالاتر تھے۔ انھوں نے ہر اس سیاسی جماعت کا ہاتھ بٹایا جو حصولِ آزادی کے لئے کوشش کر رہی تھی۔ وہ قومی شاعر ہیں۔ کسی خاص فرقہ یا مذہب کے شاعر نہیں۔ اس لئے پوری قوم کی نیابت کرنا ہی ان کا کام تھا۔ جس طرح انھوں نے تحریک "ترکِ موالات" اور "تحریک خلافت" میں اہم کردار ادا کیا، اسی طرح مزدوروں اور کسانوں کی تحریک حتیٰ کہ دہشت پسندوں کی حمایت میں بھی کوئی کوتاہی نہیں کی۔

نذرالاسلام بے پروا اور حق گو صحافی تھے۔ انھوں نے ہر قیمت پر آزادی کی علم برداری کی۔ صحافت میں مقبولیت حاصل کرلی۔ سیاست کو صحافت سے اور صحافت کو سیاست سے کس قدر گہرا رشتہ ہے وہ ہر اہلِ علم کو معلوم ہے۔ انھوں نے سیاست اور صحافت میں ہمیشہ غیر جانبداری کا ثبوت دیا ہے۔ روزنامہ "نوجوگ" کی ادارت سے تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کی حمایت کی۔ "دھوم کیتو" کے ہنگامہ خیز اداریوں سے دہشت پسند تحریک کا بول بالا کیا۔ ان کی سرکردگی میں "لانگل" شائع ہوا۔ اس کے ذریعے "لیبر سوراج پارٹی" نے فروغ پایا۔ اگرچہ ان کی صحافت نگاری میں عام طور پر سیاسی الجھنوں کے صاف صاف تجزیئے نہیں ہوتے تھے اور سیاسی پالیسیوں میں گہری سوجھ بوجھ کا ثبوت نہیں ملتا تھا، تاہم بلاشبہ یہ کہنا ہوگا کہ ان کی صحافت نگاری نے وقت کی سیاسی تحریکوں کو مقبولِ عام بنانے اور عوام کو برسرِ پیکار لانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ ان کے اداریہ مضامین پڑھیں، تو ان کے سیاسی خیالات سے ہم اتفاق کریں یا نہ کریں لیکن ان کے خلوص کا سکّہ ہمارے دلوں پر بیٹھ جاتا ہے اور ان کی سرفروشی کے آگے ہمارا سر ادب سے جھک جاتا ہے۔ ان کو حصولِ عزّت یا اکتسابِ دولت سے کوئی غرض نہ تھی۔ ان کی سیاست، ان کی صحافت سب کچھ قومی بیداری کے لئے تھا۔

نذرالاسلام شباب کے شاعر تھے۔ وہ قوّت و اقتدار سے اپنی منزلِ مقصود کو پہنچنے کے خواہش مند تھے۔ اسی لئے اُنھوں نے نوجوانوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھنا چاہا۔ ان کو معلوم تھا کہ نوجوانوں کا خون گرم ہوتا ہے۔ ان میں کام کرنے کی لگن اور زندگی کی مشکل گھاٹیاں طے کرنے کی قوّت و صلاحیت موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے نوجوانوں سے بڑی بڑی اُمیدیں وابستہ رکھیں اور انھیں میدانِ جہاد میں لاکر ایک جہانِ نو کی بنیاد ڈالنی چاہی۔ فرماتے ہیں:-

چلو چلو بڑھے چلو!
اونچے آسمان پر طبلِ جنگ بج رہا ہے۔
روئے زمین پر ہیجان طاری ہے۔
صبحِ رنگین کے نوجوانو!

چلو ! چلو ! چلو !
چلو چلو بڑھے چلو ———

○ ○

صبحِ کاذب کے دروازے پر ضرب لگا کر
ہم صبحِ رنگین وجود میں لائیں گے -
شبِ تاریک کا خاتمہ کردیں گے -
رکاوٹ کا بندھیاچل پہاڑ راہ سے ہٹادیں گے -
زندگی کے تازہ بہ تازہ گیتوں سے
گورستان کو حیاتِ نو بخشیں گے -
اس میں نئی روح پھونکیں گے ،
اور اسے نئی قوتِ بازو عطا کریں گے -

○ ○

نوجوانو ! بڑھے چلو ———
کان کھول کر سُنو ———
موت کی محرابوں سے
زندگی کی پکاریں اُٹھ رہی ہیں -
توڑ دو دروازے کی کنڈی توڑ دو -
چلو ! چلو ! چلو !
چلو چلو بڑھے چلو ———

○ ○

آسمان پر بجلیاں یہ حکم دے رہی ہیں -
کہ اے عیدِ شہادت کے آرزو مند سپاہیو ! لیس ہوجاؤ -
چاروں طرف صف آرائیاں ہو رہی ہیں -
خوابِ غفلت سے جاگ اُٹھو -
اے مسافرو ! تم کب تک
اپنے عہدِ ماضی کی خیالی بادشاہت کے گیت
گا گا کر آنسو بہاتے رہوگے !

○ ○

تختِ طاؤس کو جانے دو -
جاگو غافلو جاگو !
دیکھو ! کتنے ایران ، روم
یونان اور روس ڈوب گئے تھے ،
اب وہ سب جاگ اُٹھے ہیں -
اے کمزورو ! جاگ اُٹھو ــــــ
ہم لوگ از سرِ نو ریت سے
تاج محل بنائیں گے -
چلو ! چلو ! بڑھے چلو -

(سندھیا)

نذرالاسلام درد و الم کے آغوش میں پل کر بڑے ہوئے - انھیں زندگی بھر نشیب و فراز سے گذرنا پڑا - بچپن ہی میں اُن کے والد کا انتقال ہوگیا - ابتدائی عمر ہی میں انھیں خانگی ذمہ داریاں سنبھالنی پڑیں - زندگی کی ہر منزل میں تنگ دستی کا مقابلہ کرنا پڑا - یہ وہی قومی شاعر نذرالاسلام ہیں جن کو کسی ایک زمانے میں باورچی کی حیثیت سے کام کرنا پڑا - نانبائی کی دوکان میں پانچ روپیہ ماہوار پر ملازمت کرنی پڑی - ان کو عوام سے سابقہ پڑا اور عوام کے دُکھ درد کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملا - یہی وجہ ہے کہ ان کے دل میں عوام کے لئے والہانہ محبت تھی - جب وہ جنگ سے تلخ تجربات لے کر واپس آئے ، تو یونہی ان کا دل درد سے بھرا تھا - مزید برآں جب اُنھوں نے اپنے معاشرے میں قدم رکھا تو دیکھا کہ سرمایہ دار طبقہ غریبوں کا خون چوس رہا ہے اور وہ اونچے اونچے محلوں میں رہ کر پھولوں کی سیج پر سوتا ہے مگر دوسری طرف غریب ، مزدور اور کسان کا طبقہ دانے دانے کو ترس رہا ہے - اسے تو جھونپڑوں میں بچھانے کے لئے ایک بوریا تک میسّر نہیں - اندھیرے گھر کو روشن کرنے کے لئے ایک بتی تک فراہم کرنا مشکل ہے - وہ ظلم و ستم کی آگ میں جل بھُن کر خاک ہو رہا ہے - جہالت و افلاس میں گھٹ رہا ہے مگر لب کھول کر کچھ کہنے کی مجال نہیں رکھتا - بدیں حالات نذرالاسلام سے رہا نہ گیا - انھوں نے درد بھرے دل سے ان کے جذبات و احساسات کی یوں تصویر کشی کی ہے :-

تونے ہیرا اور موتی نہیں چاہا -
سات کروڑ روپے بھی نہیں مانگے -
تیری ضرورت تو صرف یہ ہے کہ
تجھے کھانے کو مٹھی بھر بھات مل جائے -
تونے اپنی تھکن دور کرنے کے لئے
ٹوٹی پھوٹی چٹائی پر سونا چاہا -
تجھے تو صرف ایک جھونپڑے کی آرزو تھی -

جو چراغ سے روشن ہو -
ان حالات میں تجھ پر تباہی آئی ، وبا اتری -
نقب لگانے والے چور (ساہوکار) آئے -
(اور تیرا سب کچھ ہڑپ کر گئے)

(سرب ہارا ، سرب ہارا)

طبقاتی اونچ نیچ نذرالاسلام کو ایک آنکھ نہیں بھاتی - اس لئے وہ غریبوں کی زبان کھلوا کر امراء و رؤسار کو ان الفاظ میں ہوشیار کر دیتے ہیں کہ :-

تو سہ منزلہ عمارت میں رہ کر مزہ لوٹتا رہے گا اور ہم خاک نشین رہیں گے -
مزید براں ہم تجھے دیوتا مانیں گے ـــــــ تیری یہ توقع آج غلط ہے -

(قلی مزدور ، سرب ہارا)

نذرالاسلام نے مزدوروں کی نہ صرف آنکھیں کھول دیں بلکہ انھیں اس بات کی بشارت بھی دی کہ ایک زمانہ آئے گا - جب عنانِ حکومت ان کے ہاتھوں میں ہوگی اور ان کے سارے رنج والم کا خاتمہ ہو جائے گا - فرماتے ہیں :-

جن کے تن من مٹی کی محبت آمیز تری سے نم ہیں ،
انہی کے قبضے میں اِس کشتیٔ جہاں کا پتوار ہوگا -

....

آج مظلوم انسانیت کا عروج ہو رہا ہے -
عالم بالا میں خدا شکرہ ہو رہا ہے اور عالمِ زیریں میں شیطان ڈر سے کانپ رہا ہے !

اقبال کو بھی مزدوروں اور مفلسوں کے روشن مستقبل کا یقین تھا - انھوں نے مزدوروں کی کامیاب تحریک دیکھ کر مسرت بھرے جذبات کا یوں اظہار کیا :-

آفتاب تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہوا
آسماں ! ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک !

....

سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

نذرالاسلام نے قوم میں عظمتِ محنت کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی - انھوں نے غریبوں اور مزدوروں میں یہ احساس پیدا کیا کہ ملک کی ترقی اور بہبودی ان کی محنت کے بغیر ہرگز ممکن نہیں - ان کی عرق ریزی نہ ہو ، تو ملک کا تہذیب و تمدن کبھی پنپ نہیں سکتا - اقتصادی اور صنعتی ترقی نہیں ہو سکتی -

فرماتے ہیں:-

سڑکوں پر تیری موٹریں چلتی ہیں، سمندروں میں تیرے جہاز چلتے ہیں۔
تیری محنت سے ریل کی پٹڑیوں پر ریل گاڑیاں چلتی ہیں، ملک کلوں سے بھر گیا ہے۔
اے سرمایہ دار! بتا ـــــ یہ احسانات کس کے ہیں؟ تیری عمارت کس کے خون سے رنگین ہے؟
آنکھیں کھول کر دیکھ ـــــ ہر ایک اینٹ میں لکھا ہوا ہے۔
ان سڑکوں، جہازوں، ریل گاڑیوں اور عمارتوں کا راز
تجھے معلوم نہ ہو تو نہ ہو مگر راستے کے ہر ذرّے کو تو ضرور معلوم ہے۔
طالع مسعود آرہا ہے ـــــ
رفتہ رفتہ قرض بہت بڑھ گیا ہے۔ قرض کو چکانا ہی ہوگا۔

کسانوں کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ وہ ملک کے لئے ریڑھ کی ہڈّی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ معاشرے کے لئے غذا اور خام اشیا، مہیّا کرتے ہیں۔ ان کے بغیر سماج کا گزارہ ہی نہیں ہو سکتا۔ نذرالاسلام نے دیکھا کہ معاشرے کا یہ اہم طبقہ زمینداروں کے شکنجے میں پڑ کر تباہ ہو رہا ہے۔ فصلیں تو کسان اگاتے ہیں مگر زمینداروں کا طبقہ انھیں اپنے جائز حقوق سے محروم رکھتا ہے۔ انھیں معمولی حصّہ دے کر باقی سب خود کھا جاتا ہے۔ جو کسان زمین میں کھیتی باڑی کرتے ہیں، ان کو اس پر مالکانہ حق نہیں دیا جاتا۔ ان کی پیداوار کی بدولت زمیندار عیش و عشرت سے دن گذارتے ہیں مگر بیچارے کسانوں کو دو وقت کا کھانا بھی میسّر نہیں ہوتا۔ نذرالاسلام ایک رحمدل انسان ہیں۔ کسانوں کی نازک حالت دیکھ کر وہ تاب نہ لا سکے۔ انھوں نے زمینداروں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا:-

عوام کا خون جونک کی طرح چوس لیتے ہیں، وہی مہاجن کہلاتے ہیں۔
جو زمین کو اپنی اپنی اولاد کے برابر خیال کرتے ہوئے اس کی پرورش کرتے ہیں، انھیں زمیندار نہیں کہا جاتا ہے۔
زمین پر جن کے قدم نہیں پڑتے۔
وہی زمین کے مالک بنتے ہیں ـــــ
جو جس قدر مکّار اور دغا باز ہیں، وہ اسی قدر طاقتور ہیں۔
نت نئی چھریاں بنا کر یہ قصّاب علم و ہنر کا دم بھرتے ہیں۔

(فریاد، سرب ہارا)

اقبالؔ کو بھی کسانوں اور مزدوروں سے بے پناہ محبت تھی۔ مظلوموں کا حق تلف ہوتے دیکھ کر وہ تاب نہ لا سکے۔ چنانچہ انھوں نے کسانوں کو زمینداروں کے خلاف اُبھارا اور زمینداروں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ دراصل زمین پر کسی کا مالکانہ حق نہیں ہے۔ زمین اللہ ہی کی ہے۔ انسان کو اس سے فائدہ اُٹھانے کا حق ہے۔ فرماتے ہیں:-

جس کھیت سے دہقان کو میسّر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلادو (بانگ درا)

دِہ خدایا! یہ زمیں تیری نہیں، تیری نہیں!
تیرے آبا کی نہیں، تیری نہیں، میری نہیں!

(الارض للہ، بالِ جبریل)

آج زمینداری کا نظام منسوخ کردیا گیا ہے۔ اگر آج نذرالاسلام باہوش وحواس ہوتے، تو نہ جانے ان کو کتنی خوشی محسوس ہوتی!

نذرالاسلام سے پہلے بھی بنگلہ ادب میں کسانوں اور مزدوروں کی حق تلفی کا ذکر اور ان کے جذبات کی عکاسی کی گئی مگر نذرالاسلام کی طرح کسی شاعر نے ان کے منہ میں ایسی زوردار زبان نہیں دی، جس سے زمینداروں، مہاجنوں، اور سرمایہ داروں کے دل دہل جائیں۔ رابندرناتھ کی نظم "دو بیگھہ زمین" ہی کو لیجئے ـــــــ اس میں مہاجن کے مظالم کا ذکر تو کیا گیا ہے مگر ان کے پیش کردہ کسانوں میں سینہ سپر ہوکر مظالم کو روکنے کا مجاہدانہ جذبہ نظر نہیں آتا۔ نذرالاسلام بنگلہ ادب میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے صرف ظلم کا احساس ہی نہیں کیا، بلکہ اس کی بیخ کنی کے لئے مظلوم طبقوں میں ایک اجتماعی قوت پیدا کرنے کی کوشش بھی کی۔ ٹیگور کی طرح انھوں نے دومنزلہ یا سہ منزلہ عمارتوں میں رہ کر صفحۂ قرطاس پر صرف اپنے دل کی بھڑاس نکال کر بس نہیں کیا بلکہ عوام کے شانہ بشانہ کھڑے ہوکر ان کا ہاتھ بٹایا۔ ان کے دکھ درد میں حصہ لیا اور ان میں جماعت بندی کا مادّہ پیدا کرنے کی سعی کی۔ فرماتے ہیں:-

کسانو! اب جاگ اٹھو۔ سب کچھ تو کھو چکے ہو۔ اب ڈر کس کا رہا ہے۔
اب ہم اس بھوک کی طاقت سے امرت کی دنیا قبضے میں لے لیں گے۔
اب اس عالمگیر ظالم بادشاہ کی "ہاں" کو "نا" سے بدل دیں گے۔
اب مہذب دنیا دیکھ لے گی کہ کسانوں میں کتنی طاقت ہے!

(کری شانیرگان، سرب ہارا)

نذرالاسلام نے معاشرے کے کسی طبقے کو نہیں چھوڑا۔ جہاں کہیں کوتاہی اور خرابی دیکھی، وہیں بے خوف وخطر انگشت نمائی کی۔ انھوں نے کہا تھا:-

"بھائی! جہاں جھوٹ یا مکاری ہو، وہیں میں بغاوت کروں گا۔"

معاشرے میں ملاؤں، مولویوں اور پروہتوں کو مذہبی معاملات میں مقتدا خیال کیا جاتا ہے۔ ان کی بے راہ روی پر کسی کا لب کشائی کرنا آسان نہ تھا۔ مگر نذرالاسلام نڈر تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ بعض مذہبی رہنما مذہب کی آڑ میں ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ وہ مذہبی امور و رسوم ادا تو کرتے ہیں مگر ان کا دل خلوص اور انسانی ہمدردی سے خالی ہے۔ یوں تو مذہب کا دم بھرتے ہیں مگر دولت کمانے کے پھیر میں متوالے ہیں۔ بے پناہ دولت کے مالک بن کر بھی قوم اور ملت کی ضرورت پر خرچ کرنا نہیں چاہتے۔ انھیں تو اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے۔ چاہے دوسرے لوگ دانے دانے کو ترسیں۔

نذرالاسلام نے ایسے لوگوں کی تنگ نظری پر کاری ضرب لگائی۔ انھوں نے اپنی نظم "مانوش" میں قصّے کے پیرایے میں مذہبی مقتداؤں کی تنگ نظری کی تصویر یوں کھینچی کہ ایک روز پوجا کی تقریب میں مندر کے پروہت کے سامنے پھٹے پرانے

کپڑے پہنے ہوئے سات روز کا ایک بھوکا بھکاری حاضر ہوا اور اس سے کچھ کھانا مانگا مگر سادھو پروہت نے اس سے منہ موڑ لیا۔ اور فوراً مندر کا دروازہ بند کر دیا۔ علیٰ ہذا القیاس شاعر نے اسی نظم میں مسجد کے ایک امام کی تنگ نظری کی عکاسی یوں کی کہ ایک دفعہ مسجد میں کثیر مقدار میں نذر دی گئی اور کھانے پینے کے بعد بھی اس کا کافی حصہ بچ گیا۔ اتنے میں بوسیدہ لباس میں ملبوس سات دن کا ایک بھوکا فقیر امام صاحب کے سامنے حاضر ہوا اور کچھ کھانے کا سوال کیا۔ اس پر امام صاحب اس سے پوچھنے لگے کہ تو نماز پڑھتا ہے یا نہیں؟ اس نے نفی میں جواب دیا تو امام صاحب سخت ناراض ہوئے اور فاضل گوشت روٹی کو مسجد کے کمرے میں رکھ کر تالا بند کر دیا۔ ایسے مذہبی مقتداؤں کی تنگ نظری پر نذرالاسلام یوں چوٹ کرتے ہیں:-

چنگیز، محمود غزنوی اور کالا پہاڑ* کہاں ہیں؟
اس عبادت خانے کے مقفل دروازے کو توڑ ڈالو۔
خدا کے گھر کا دروازہ کون بند کرتا ہے، کون اس پر تالا جڑتا ہے؟
اس کے تمام دروازے کھلے رہیں۔ اس پر ہتھوڑا اور کلہاڑی مارو۔
افسوس اے عبادت خانے!
تیرے مینار پر چڑھ کر دغاباز اپنی مطلب برآری کر رہا ہے۔

ڈاکٹر اقبال بھی ایسے سنگدل اور انسانیت سے عاری مذہبی مقتداؤں سے سخت بیزار تھے۔ انھوں نے اپنی بیزاری کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے:-

خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں!
کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری
(بالِ جبریل)

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اُٹھا دو!
حق را بسجودے، صنماں را بطوافے!
بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بجھا دو!
میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو!

علماء کے باہمی اختلافات، مسلمانوں کی سطحیت اور روحانی قوت کے حرمان کی تصویر نذرالاسلام نے یوں کھینچی:-

دنیا آگے بڑھتی جا رہی ہے اور ہم فقہ و حدیث میں گھرے

---

* سلیمان قرانی کے زمانے میں کالا پہاڑ سپہ سالار تھے۔ پہلے ہندو تھے۔ بعد میں مشرف بہ اسلام ہو کر بہت سے مندر توڑ ڈالے۔

طلاق کے فتوے میں اُلجھے ہوئے ہیں۔

....

روحانی قوت کے اعتبار سے ہم جس قدر مُردہ ہوتے جارہے ہیں،
اسی قدر تعداد میں ہم بھیڑوں اور بکریوں کی طرح بڑھتے جارہے ہیں۔

(خالد، زنجیر)

بعض تنگ نظر مذہبی رہنماؤں نے نذرالاسلام کی شاعری میں دیوتاؤں اور دیویوں کا ذکر دیکھ کر ان کے کفر کا فتویٰ دے دیا۔ دوسری طرف ہندوؤں نے ان کے کلام میں عربی اور فارسی الفاظ کا وسیع استعمال دیکھ کر ان پر لعن طعن کیا تو انھوں نے طنز و مزاح کے پیرائے میں اعتراض کرنے والوں کی تردیدیں کی :-

حریص مولوی اور ملّا، ہاتھ ہلا کر کہتے ہیں ———
"یہ دیوتاؤں اور دیویوں کے نام زبان پر لاتا ہے - تم سب اس پاجی کو اپنے مذہب سے خارج کردو۔
ہم نے فتویٰ دے دیا ہے ——— وہ قاضی (نذرل) کافر ہوگیا ہے۔
اگرچہ وہ شہید ہونے پر بھی تیار ہے"
ہم "پارہ عم" کے پڑھنے والے ہیں مگر "ہمچوں من دیگرے نیست" کا دم بھرتے ہیں۔
اوراب تک مارے مارے پھر کر مفت کی کھارہے ہیں۔
ہندو خیال کرتے ہیں——— "یہ کم ذات مسلمان ہے - فارسی نما زبان میں شاعری کرتا ہے"

(آمار کیفیت، سرب ہارا)

نذرالاسلام ہندوؤں کی چھوت چھات سے متنفّر تھے - اور اسے مذہبی عصبیت اور تنگ نظری پر محمول کرتے تھے۔ اسی لئے وہ ہندوؤں پر اس طرح چوٹ کرتے ہیں :-

تو ذات کے نام پر بدذاتی کا جوا کھیل رہا ہے۔
کیا چھو جانے ہی سے تیری ذات تباہ ہو جائے گی ؟ ذات کوئی بچوں کا لڈو ہے ؟
حقّے کے پانی اور کھانے کی ہانڈی ہی کو تونے اپنے مذہب کی روح سمجھ رکھا ہے ۔
اے بے وقوف ! اسی لئے تونے ایک ہی ذات کو سو خانوں میں بانٹ دیا ہے۔

(ذاتیر بدذاتی ، بشیر بانشی)

طلبا کا طبقہ معاشرے میں سب سے زیادہ آزادی پسند طبقہ ہے - ان میں کام کرنے کی دھن اور قربانی کا جذبہ بوڑھوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے - وہ پُر شباب ہوتے ہیں - اور شباب کی اُمنگیں ان کے دل میں موجزن ہوتی ہیں - نذرالاسلام شباب کے شاعر تھے - انھوں نے تمام نوجوانوں خاص کرکے طالب علموں سے بڑی بڑی اُمیدیں وابستہ رکھیں - اسی لئے انھوں نے طلبا کے بھی گیت گائے اور عام نوجوانوں کے بھی - انھوں نے ایسے لوگوں کو ساتھ لے کر ایک نئے مستقبل کی تعمیر کرنا چاہی - وہ شباب کے گیت یوں گاتے ہیں :-

ہر دَور میں مغرور شباب نے حکومت کی ہے۔
اس نے پیری کی حکومت نہ کبھی مانی ہے نہ اب مانے گا۔
ہم جہانِ نو کی تخلیق کریں گے، نئے گیت گائیں گے۔
یہ دُنیا ادب و احترام سے انجلی بھر کر ہمارا عطیہ قبول کرے گی۔
ہر زمانے میں ہم جیسے نوجوانوں نے کمزوری اور پیری کو دفن کیا ہے ــــ
انھیں گالی بکنے دو۔ ہم مسکراتے ہوئے یہی کہتے رہیں گے ــــ " انا للہ وانا الیہ راجعون "

(جوبن جل ترنگ، سندھیا)

طلبار کے گیت یوں گاتے ہیں :-

ہم مجسمۂ قوت ہیں - ہم اقتدار کی تصویر ہیں -
ہم طلبار کی جماعت ہیں۔
ہمارے پاؤں کے تلے طوفان پامال ہوتا ہے -
یہ فضا، طوفان اور بارش ہمارے تابع ہیں۔
ہم طلبار کی جماعت ہیں -

○　○

ہم اندھیری رات کو پُرخطر راہوں میں
برہنہ پا چلتے ہیں۔
ہم تیز رفتاری کے زخم کھا کر سخت مٹی کو بھی،
خون آلود کر دیتے ہیں۔
ہر دَور میں ہمارے خون سے
روئے زمین تر ہوا ہے۔
ہم طلبار کی جماعت ہیں۔

نذرالاسلام کی شاعری میں جرأت و رجائیت

قُلِ الْحَقَّ وَلَوْ كَانَ مُرًّا ـــــــ حق بات کہہ دے اگرچہ کڑوی ہو۔ (الحدیث)

باطل سے دبنے والے اے آسمان نہیں ہم
سو بار کرچکا ہے تو امتحان ہمارا
(اقبال)

"میں اپنے سوا کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتا ہوں" (نذرل)

نذرالاسلام سے پہلے بنگلہ ادب میں کہیں ایسی جرأت و شجاعت نظر نہیں آتی۔ جیسی کہ ان کی نظم "بدروہی"، "دھوم کیتو"، "پرلئے اللاش"، "جگا ترپرگان"، "قشکل پرارگان" وغیرہ میں ملتی ہے۔ یوں تو سرزمین بنگال کی فطرت ہی کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ یہاں کے لوگوں کی سرشت میں نیاز مندی اور خاکساری کا مادّہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہاں کی شاعری میں شجاعانہ جوش اور مجاہدانہ جذبہ کی کمی ہر دَور میں محسوس ہوئی ہے۔ مدھوسدن، بیتم چندر اور رابندرناتھ کی شاعری میں اگر کہیں کہیں جوش و جذبہ کے اکّا دکّا نمونے مل بھی جاتے ہیں، تو تھوڑی دور جاکر ان کی ولولہ انگیز لب و لہجہ مدھم ہوجاتا ہے اور وہ پھر نیازمندانہ سُروں میں پناہ لے لیتے ہیں۔ مگر نذرالاسلام ایک انتھک بہادرانہ جوش و خروش کے علم بردار ہیں۔ ان کا جوش و ولولہ ایک طوفانی کیفیت لئے ہوئے ہوتا ہے۔ جو کسی رکاوٹ سے نہیں رُکتا۔ ان کو نہ حکومت کی سزا کا ڈر تھا، نہ رسم و رواج کی پابندیوں کی پروا۔ قید بامشقت بھی ان کی زبان بند نہ کرسکی۔ ان کی نظموں میں ایسی روانی اور ہیجانی کیفیت ہے کہ اگر کہیں زبان کی دو ایک معمولی خامیاں اور شاعرانہ تکنک کی بعض کوتاہیاں بھی ہوں، تو وہ عبارت کی روانی اور اوزان و بحور کی جھنکاروں میں پوشیدہ ہوجاتی ہیں۔ ان کی کتاب "اگنی بینا" "بیشیر بانشی" "زنجیر" "بھانگار گان" وغیرہ کے ورق ورق میں اس کے سینکڑوں عمدہ نمونے نظر آتے ہیں۔

نذرالاسلام نے اپنی آتش نوائی اور شعلہ بیانی سے بنگلہ زبان و ادب میں ایک نیا رجحان پیدا کیا۔ اس کے مزاج میں نرمی کے بجائے گرمی پیدا کی۔ اس سے پہلے کسی کو یقین نہیں آسکتا تھا کہ ایک بنگالی شاعر کا قلم ایسا تیز ایسا

شعلہ بار ہو سکتا ہے۔ کامریڈ مظفر احمد اپنی سرگزشت میں نذرالاسلام کے زبان و بیان کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"ادب کے متعلق نقد و تبصرہ سے قطع نظر میں یہ کہوں گا کہ ہماری بنگلہ زبان ہمیشہ نذرالاسلام کی مرہون منت رہے گی۔ ہماری زبان شیریں ہے، ہماری زبان نرم و نازک ہے۔ ہمیں یہ خیال تھا کہ ہماری زبان میں بہترین غنائی شاعری کی جا سکتی ہے۔ اور بس۔ ہمارے اس خیال نے جڑ پکڑ لی تھی کہ اس زبان میں زور نہیں۔ مجاہدانہ جوش و جذبہ نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ہمارے سیاسی نعرے ہندوستانی زبان ہی میں ہوتے تھے۔ نذرالاسلام کے طلوع ہونے کے بعد ہمیں اندازہ ہو گیا کہ بنگلہ زبان بھی زوردار ہے۔ مجاہدانہ جوش و جذبہ اور بے حد توانائی لئے ہوئے ہے۔

...... ان کے بعد بھی بہت سے شعراء میدان میں اُترے اور مجاہدانہ انداز میں شاعری بھی کی ہے، مگر ہم کبھی یہ فراموش نہیں کر سکتے ہیں کہ نذرالاسلام ہی نے اس راستہ کو ہموار کیا تھا۔"

بنگال کے ملائم اور ناز پرور آب و ہوا شعراء و ادباء کے جذبات کو منکسرانہ اور نیازمندانہ بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کی غنائی شاعری اپنی نوع کی بہترین چیز ہوتی ہے۔ مگر نذرالاسلام پر اس قنوطی ماحول کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ ایک غیر معمولی شخصیت کے مالک اور فنکار مجاہد تھے، فطری طور پر دلیر اور رجائی واقع ہوئے تھے۔ بچپن ہی سے مکروہات و علائق میں ان کی پرورش ہوئی۔ فطرت نے انھیں ٹھونک بجا کر دیکھا۔ اسی لئے وہ جھجک اور ہراس سے بالاتر ہو گئے تھے۔ تلخ تجربات سے ان کے دل میں آتشیں کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ ان کو یہ خود اعتمادی حاصل تھی کہ وہ جو کچھ سمجھتے ہیں، برحق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری پر یاس و حرمان کی چھینٹ تک نہیں پڑی۔ ان کا کلام پڑھنے سے قارئین کے دل میں اُمیدیں جاگتی ہیں۔ حق کے قیام اور باطل کی سرکوبی کے جذبات اُبھرتے ہیں۔

نذرالاسلام ظالموں کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ مظلوموں کو فتح و نصرت کا مژدہ سُناتے جاتے ہیں۔ ان کی کتاب "اگنی بینا"، "سرب ہارا"، "زنجیر"، "بھانگارگان" وغیرہ ہمت و استقلال، جرأت و شجاعت، خود اعتمادی و خودداری کی جذبات سے معمور ہیں۔ ان کے یہاں قنوطیت کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ وہ جہنم کی آگ میں جل کر بھی پھول کی طرح مسکرائے جاتے ہیں۔ سکھ ہو یا دُکھ، ہر وقت ان کے لبوں پر تبسم کھیلتا تھا۔ جب تک ان کے ہوش و حواس درست تھے، وہ خلیق اور ملنسار آدمی تھے۔ خوشی کے موقع پر وہ دوستوں میں ایسا قہقہہ لگاتے تھے کہ آس پاس کے لوگوں کو بھی ان کی موجودگی کی اطلاع ہو جاتی تھی۔ ان کی فطرت کا جو حال تھا، ان کی شاعری کا بھی وہی مزاج تھا۔ جیسا کہ خود انھوں نے کہا ہے:۔

"میں جہنم کی آگ میں بیٹھ کر بھی پھول کی ہنسی ہنستا ہوں"

(بدروہی)

آج تخلیق کی خوشی میں ————

میرا چہرہ ہنستا ہے، میری آنکھیں ہنستی ہیں اور میرا پھڑکتا ہوا خون ہنستا ہے۔

(دولن چانپا)

اسی جرأت مندی اور حق پرستی کی بنا پر ان کی کئی کتابیں حکومت نے ضبط کر لیں۔ ان کا اخبار "دھوم کیتو" بند کر دیا گیا۔ خود انھیں قید بھگتنی پڑی۔ وہ سرکار کے بدترین دشمن قرار پائے۔ پھر بھی کبھی باطل کے آگے سر نہیں جھکایا۔ حکومت کے خلاف بغاوت کے الزام میں ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ اور انھیں گرفتار کر کے عدالت میں حاضر کیا گیا۔ وہاں بھی وہ اپنی حق پرستی پہ اٹل رہے۔ حاکم کے سامنے انھوں نے جو بیان دیا، وہ ایسا جرأت مندانہ اور حقیقت پسندانہ تھا کہ اس کی نظیر بہت ہی کم ملتی ہے۔ اس بیان کا ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

"مجھے زبردست خود اعتمادی حاصل ہے۔ میں نے ناانصافی کو ناانصافی ہی کہا، ظلم کو ظلم ہی کہا۔ جھوٹ کو جھوٹ ہی قرار دیا۔ کسی کی خوشامد نہیں کی۔ کسی کی مداحی کی پروا نہیں کی۔ محلوں کی ہوس میں کسی کا اتباع نہیں کیا۔ میں نے صرف حکومت کی ناانصافیوں کے خلاف ہی بغاوت نہیں کی بلکہ میری صداقت شعار تلوار نے معاشرہ، قوم اور ملک کے غلط طور طریقوں کے خلاف بھی برابر جہاد کیا ہے۔"

حق پرستی اور صداقت شعاری ان کا مذہب تھا۔ ظلم و ستم کی بیخ کنی اور ایک پرامن معاشرے کا قیام ہی ان کا فلسفۂ زندگی تھا۔ خودی اور معرفتِ نفس ان کے اس فلسفہ کا سرچشمہ تھا۔ وہ خودی کو "رازِ درونِ حیات" اور "بیداریٔ کائنات" کا ذریعہ خیال کرتے تھے۔ انھوں نے مزید کہا۔ عرفانِ نفس ہی کا نام خدا ہے۔ اس لئے کہ انسان کی خودی بیدار ہو، تو خدا بھی اس پر راضی ہو جاتا ہے۔ نذر الاسلام کے الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

اپنے میں آشاد اور اسلاف کی روح بیدار کرو۔
خودی بیدار ہو، تو خدا بھی اسے چاہنے لگتا ہے۔
خدا کون ہے؟ ——
معرفتِ نفس ہے۔ (الٹو شکتی - بیشیر بانشی)

اقبالؔ نے بھی اس سلسلہ میں کہا ہے:

ع تعمیرِ خودی میں ہے خدائی۔

اس خودی کے زورِ قوت سے نذر الاسلام خود بھی اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنا چاہتے تھے اور دوسروں کو بھی اس جذبہ سے سرشار ہونے کی ترغیب دیتے تھے۔ فرماتے ہیں:۔

بہادر کہہ دے ——
کہہ دے —— میں سربلند ہوں —— (بدروہی)
تو خودی کو پہچان، کہہ دے —— 'میں ہوں'، 'میری فتح یقینی ہے'۔

نذر الاسلام پہلے بنگلہ ادیب اور شاعر ہیں، جنھیں ملک کی آزادی کے لئے اسیر ہونا پڑا اور اس اسیری میں بھی ان کا قلم آتش بار رہا۔ وہاں بھی انھوں نے حکومت کی بیجا کارروائیوں کے خلاف احتجاج کیا۔ زنجیر توڑنے کے گیت گائے۔
چالیس دن تک مسلسل بھوک ہڑتال کر کے اپنی شکایتوں کا مظاہرہ کیا۔ اپنی باغیانہ اور طنزیہ نظموں سے حکام کو عاجز کر کے چھوڑا:

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی (اقبالؔ)

یہ درست ہے کہ قومی بیداری اور بنی نوعِ انسان کی نجات کی آواز نذرالاسلام سے پہلے بھی بنگلہ شاعری میں بلند ہوئی تھی - رئیس الشعراء ربندر ناتھ کو بھی اپنے وطن سے پُرخلوص محبت تھی - انھوں نے بھی قوم کو خوابِ غفلت سے چونکانے کی ہر ممکن کوشش کی - مگر ان کی آواز میں وہ تندی اور تیزی نہیں تھی، جو نذرل کے یہاں ملتی ہے - انھوں نے ڈنکے کی چوٹ انقلاب کی آواز بلند نہیں کی - انھوں نے پریم، ہمدردی اور درگذر سے عقدہ کشائی کرنا چاہی - وہ عالمی اتحاد اور ہمہ گیر مصالحتوں سے دُنیا کو جنت کا نمونہ بنانا چاہتے تھے - دشمن کو محبت اور نیکی سے اپنانے کے قائل تھے - اس میں شک نہیں کہ ان کی شاعری نے تعلیم یافتہ سماج کو بہت متاثر کیا، مگر عوام پر ان کی شاعری کا خاطر خواہ اثر نہ پڑا - ان کے فلسفیانہ عمیق نکات عام لوگوں کی پہنچ سے باہر ہیں - ان کی شاعری میں ظلم و ستم کے خلاف انقلابی نعرے اور ظالموں سے انتقام لینے کا جذبہ نظر نہیں آتا - انھیں اپنی شاعری کی حسبِ توقع قدر نہ ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی ایک گونہ مایوسی بھی ہوتی تھی - چنانچہ ایک جگہ کہتے ہیں :

اگر تیرا بلاوا سن کر کوئی نہ آئے تو تو تنہا چل -

بنی نوعِ انسان کے ہمدرد شاعر چنڈی داس کے عہد سے لے کر ملک الشعراء ربندر ناتھ کے زمانہ تک سرزمین بنگال میں " وِشنو سنگیت " کا کافی چرچا رہا - اسی کے اثر سے ہندو اور مسلمان اصحابِ قلم میں شجاعانہ جوش و جذبہ پنپ نہ سکا - " وِشنو سنگیت " کے نیازمندانہ مزاج کی وجہ سے بنگلہ شعراء کے یہاں جوان مردانہ لب و لہجہ کا فقدان ہمیشہ نظر آیا - ربندر ناتھ ٹیگور میں بھی انکساری اور خود سپاری کی کیفیت پائی جاتی ہے - وہ خدا کے سامنے جھک جاتے ہیں - اور خدا کے سامنے اپنی ہستی کو مٹا دینے میں اپنی تکمیل سمجھتے ہیں - وہ خدا سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں :

اے خدا ! تو اپنے قدموں پر میرا سر جھکا دے !
میری تمام بڑائیوں کو آنسو میں ڈبو دے !

مگر نذرالاسلام کہتے ہیں :-

بہادر کہہ دے ______ میں سربلند ہوں -
میرے سر کو دیکھ کر کوہ ہمالیہ کی چوٹی بھی سرنگوں ہو جاتی ہے -

نذرالاسلام کی شاعری میں ہر طرح کی بدعنوانیوں کے خلاف ایک گھن گرج نظر آتی ہے - وہ ظلم سہنے اور دشمن کے سامنے کمزوری دکھانے کو گناہ سمجھتے ہیں - اس لئے وہ دشمن سے مصالحت کرنے کے قائل نہیں - وہ دشمن کو قوت اور اقتدار سے قابو میں لینا چاہتے ہیں - ان کی شاعری میں ایسے فلسفیانہ رموز و نکات نہیں ہیں جن کی وجہ سے عام پڑھنے والوں کو ان کے کلام کے سمجھنے میں کوئی دقت محسوس ہو - وہ عوام کو عام فہم زبان میں اپنے دل کی باتیں سُناتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ وہ عوام میں اتنے ہردلعزیز ہیں - وہ حب الوطنی کے دائرے میں رہ کر عالمی محبت سے اپنا رشتہ جوڑنا چاہتے ہیں -

نذرالاسلام " عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے " کے قائل نہیں - وہ زندگی کو ایک زندہ حقیقت سمجھتے ہیں - ان کا کہنا ہے کہ مقصد آفرینی، تسخیرِ فطرت اور نت نئی تخلیق ہی میں زندگی کا راز مضمر ہے - وہ اپنی نظم " آمی گمائی تاری گان "

اور "جیون بندنا" میں ایسے عہد آفریں لوگوں کی تعریف کرتے ہیں، جن کی قوتِ شباب اور محنت و مشقت کے سامنے دنیا کی تمام رکاوٹیں شکست کھا جاتی ہیں۔ زندگی کے تمام امکانات بروئے کار آجاتے ہیں اور جن کے "جوشِ کردار" اور "ندرتِ فکر و عمل" سے دنیا جنت کا نمونہ بن جاتی ہے۔ فرماتے ہیں :-

میں اس شباب کے گیت گاتا ہوں ———
جو زندگی کے ممکنات کو بروئے کار لانے کے لئے ہاتھ میں تیغ برّاں لئے ہوئے ہے،
جو جواںمردی اور برق رفتاری کے ساتھ دنیا کے گوشہ گوشہ میں نکل پڑا ہے۔
(آمی گاں گاہی تاری گان : چکرباک)

میں انھیں کے گیت گاتا ہوں ———
جنھوں نے دنیا کے ہاتھ میں اناج کی فصل کا فرمان پہنچا دیا ہے۔
جن کی جفاکشی اور سخت مٹھیوں کے آگے
سہمی ہوئی زمین خوان بھر کر پھل پھول کا نذرانہ پیش کر دیتی ہے۔
(جیون بندنا، چکرباک)

اقبالؔ بھی شباب اور زندگی کے شاعر ہیں۔ انھوں نے جوانوں کو مخاطب کرکے شباب اور زندگی کی ترجمانی یوں کی ہے:

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں
رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ گام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ ناتمام سے
زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی
ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخِ زندگانی انگبیں

اقبالؔ کی طرح نذر الاسلام بھی انسانی زندگی کے بے انتہا امکانات پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ ہمیں نئے نئے انکشافات اور سائنسی ایجادات کی ترغیب دیتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ قدرت نے انسان میں بے پناہ قوتیں ودیعت کی ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ بلند ہمتی سے کام لے کر آسمان و زمین میں نیز اس سے آگے جو چیزیں اب تک غیر منکشف ہیں، ان کا بھی انکشاف کرے اور بڑے بڑے کارنامے انجام دینے کے لئے ہمیشہ قربانی دینے پر تیار رہے۔ وہ ایسے لوگوں کی تعریف کرتے ہیں جو شباب اور اولوالعزمی کے علمبردار ہیں۔ فرماتے ہیں :-

میں انھیں لوگوں کی تعریف کرتا ہوں ———
جو نئی دنیا کی تلاش میں قطبوں کی مہم پر روانہ ہوتے ہیں،

پر لگا کر آسمان کی طرف پرواز کرتے ہیں۔
پھر بھی ان کے شباب کا جذبہ نہیں رُکتا۔ وہ زندگی کی خوشی میں
چاند اور مریخ کے سیاروں اور لامتناہی آسمانوں پر جانا چاہتے ہیں۔
جو زندگی کے خوانچے لے کر موت کے دروازے پر پھیری کرتے ہیں۔
اور پُر خطر لڑائیوں میں جان کی بازی لگاتے ہیں۔

(جیون - بندنا - چکر باک)

نذرالاسلام شکست اور تباہی کو دیکھکر نہیں گھبراتے بلکہ اس میں انھیں حُسن اور ایک روشن مستقبل نظر آتا ہے۔ ان کو معلوم ہے کہ جس طرح دردِ زہ ولادت کی خبر دیتا ہے، اسی طرح تخریب بھی تعمیر کا پیغام لاتی ہے۔ طوفان تباہی بدوش آتا ہے مگر اس کے اثر سے زمین بھی زرخیز ہوجاتی ہے۔ اسی لئے وہ پُر امید نگاہوں سے اس کا انتظار اور خیر مقدم کرتے ہیں۔ انقلاب سے موجودہ سیاسی اور سماجی نظام کو تہ و بالا کرکے نئے سرے سے ایک معتدل، ضابطۂ حیات قائم کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو فتح و نصرت کے گیت گانے پر اکساتے ہیں:

تباہی کو دیکھکر تو کیوں ڈرتا ہے؟ —— تباہی کا درد نئی تخلیق کا پیغام دیتا ہے۔
تباہ شدہ زندگی کے بدنما داغوں کو مٹانے کے لئے دورِ جدید آرہا ہے۔
اسی لئے بیساکھ کا وہ طوفان اپنے ڈراؤنے بھیس میں
تباہی لئے بھی مسکراتا آرہا ہے۔
وہ توڑ کر بھی دائمی حُسن کی تعمیر کرنا جانتا ہے۔
تم سب فتح کے نعرے لگاؤ!
تم سب فتح کے نعرے لگاؤ!

(پرلئے اُلّاس - اگنی بینا)

نذرالاسلام اور انسانیت

انسان سے بڑا کچھ نہیں - اس سے معزز تر کچھ نہیں ——— نذرؔل
انسان ایک بالا ترین حقیقت ہے - اس سے بڑھ کر کوئی حقیقت نہیں ——— چنڈی داس
آدمیت احترامِ آدمی ÷ باخبر شو از مقامِ آدمی ——— اقبالؔ

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر ہیں آدمی ہی صاحبِ عزت بھی اور حقیر
یاں آدمی مرید ہیں اور آدمی ہی پیر اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیرؔ
اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
(نظیرؔ اکبرآبادی)

بنگلہ شاعر چنڈی داس اور اُردو شاعر نظیرؔ اکبرآبادی کی طرح نذرالاسلام نے بھی انسانیت کا جھنڈا بلند کیا۔ ان کے دل میں انسانیت کا بڑا احترام تھا۔ انھوں نے اپنی نظم "شموبادی" اور "مانوش" میں اس حقیقت کا کھلم کھلا اظہار کیا ہے کہ "دُنیا کا ہر انسان خواہ وہ مسلمان ہو یا ہندو، عیسائی ہو یا یہودی، سب بحیثیت انسان برابر ہیں۔ گوتم بودھ کو اپنے دھیان میں یہی حقیقت ملی تھی - اور رسول عربی (صلعم) پر جو وحی نازل ہوئی تھی، اس کا خلاصہ بھی یہی تھا۔" نذرالاسلام کسی خاص مذہب کے شاعر نہیں بلکہ عین انسانیت کے شاعر ہیں - بنی نوع انسان کی نجات کے شاعر ہیں - انھوں نے اپنی شاعری میں ہر مذہب کا نچوڑ پیش کیا - اور کہا کہ دُنیا کے سارے لوگوں میں آدمیت قدرِ مشترک ہے - یہاں تک پہنچ کر اسلام، ہندوئیت، نصرانیت اور یہودیت کے ڈانڈے مل جاتے ہیں - انسان کا دل بہترین صحیفہ ہے - انسان کو چاہیئے کہ اپنے دل کا مطالعہ کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ آدمیت کا احترام تمام مذاہب کی روح ہے - تمام مذہبی کتابوں کے ورود اور نبیوں کی بعثت کا یہی مقصد تھا - فرماتے ہیں:-

ہم مساوات کے گیت گاتے ہیں -
جہاں پہنچ کر تمام رکاوٹیں اور تفرقے مٹ جاتے ہیں -
جہاں پہنچ کر بودھ، مسلمان اور عیسائی سب ایک ہو جاتے ہیں -
ہم مساوات کے گیت گاتے ہیں -
تجھ میں تمام کتابیں اور ہر زمانے کا علم موجود ہے -

اے دوست! اپنا دل کھول کر دیکھ لے - اس میں تجھے تمام مذہبی کتابیں نظر آئیں گی۔
اسی دل دھیان کے غار میں گوتم بودھ نے مظلوم انسانیت
کی پکار سُنی اور اس کی نجات کے لئے اپنی حکومت تک ٹھکرا دی تھی -
اس دل کے غار میں رسولِ عربی صلعم پیغام الہیٰ سُنتے تھے۔
یہیں بیٹھ کر انھوں نے قرآنی مساوات کے گیت گائے۔
بھائی ہم نے غلط نہیں سُنا ——
ان کا فرمان ہے —— اس دل سے بڑھ کر کوئی مندر یا کعبہ نہیں -
(شمو بادی، سرب ہارا)

انسان سے بڑا کچھ نہیں - اس سے معزز تر کچھ نہیں۔
ملک، دور، رنگ، نسل اور مذہب کا کوئی امتیاز نہیں -
ہر ملک، ہر دور اور ہر نسل کے جمیع انسان ایک ہی رشتۂ انسانیت میں منسلک ہیں۔
(مانوشں، سرب ہارا)

اسلام ایک ایسا معاشرہ ہے جو نسل، رنگ اور زبان اور جغرافیائی حد بندیوں کو توڑ کر روئے زمین کے تمام خطوں میں پھیل سکتا ہے - اور اس بنیاد پر انسانوں کی ایک عالمگیر برادری قائم ہوسکتی ہے - رسول کریمؐ نے فرمایا:-

" وَ کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا "
" اللہ کے بندے بن کر اور بھائی بھائی ہو کر رہو "

دوسری حدیث میں ارشاد ہے ——

اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ - مَنْ کَانَ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ، کَانَ اللّٰہُ فِیْ عَوْنِہٖ ——
"سب لوگ اللہ کے عیال ہیں - جو اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے، اللہ بھی اس کی مدد کرتا ہے"

رسول کریمؐ نے یہ بھی فرمایا: ——

" خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ —— "
" بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے "

نذرالاسلام وسیع القلب انسان ہیں - وہ اسلام کے ہمہ گیر نظریۂ اسلام کے قائل ہیں - وہ ہر انسان کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں - مظلوم انسانیت سے ان کو سچی ہمدردی ہے - وہ افرادِ بشر کے احترام کو نوعِ انسان کا احترام اور کسی ایک فرد کی ذلت کو پوری انسانیت کی ذلت خیال کرتے ہیں - فرماتے ہیں:-

ہر دور اور ہر ملک کے لوگو! آؤ —— تم ایک ہی سنگم میں
کھڑے ہو کر اتحاد کا ترانہ سُنو!

ایک آدمی کو دُکھ پہنچے۔
تو سب کے سینوں میں وہ مساوی طور پر پہنچتا ہے۔
ایک آدمی کی ذلت
بنی نوع انسان کی ذلت ہے ـــــ سبھوں کی بے حرمتی ہے!

شیخ سعدیؒ نے اس حقیقت کو گلستان میں یوں بیان کیا ہے:-

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضو ہا را نماند قرار

۱۹۳۵ء میں مانک گنج (ڈھاکہ) کے ایک ادبی جلسہ میں بپن چندر پال نے نذرالاسلام کے ادب کے متعلق کہا:-

"ان کی شاعری سے آشنا ہو کر مجھے یہ معلوم ہوا کہ ان کی شاعری معمولی شاعری نہیں۔ یہ شاعری مٹی کی بو باس رکھتی ہے۔ ہمارے متقدمین شعراء دو منزلہ عمارتوں میں بیٹھ کر شاعری کرتے تھے۔ ربندر ناتھ دو منزلہ سے نہیں اُترے۔ کیچڑ اور پھسلن پر قدم رکھنے سے صرف وہی نہیں، دوارکا ناتھ بھی احتراز کرتے تھے۔ معلوم نہیں نذرالاسلام کہاں پیدا ہوئے۔ مگر ان کی شاعری میں دیہات کا لب و لہجہ اور مٹی کی بو باس پاتا ہوں۔ ملک میں خیال کی جو جدت کارفرما ہے وہی ان کا شر ہے۔ اس میں "پالش" زیادہ نہیں ہے۔ ہل اور کسان کے گانے ہیں۔"

(نذرل چرت مانس)

نذرالاسلام آفاقی اور عالمگیر شاعر ہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے آفاقی اور عالمگیر جذبات کو اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔ انسانی جذبات اتنے ہی وسیع ہیں جتنی کہ کائنات۔ انھوں نے مظلوم انسانیت کے دکھ درد کو دل سے محسوس کیا۔ آپ بیتی میں جگ بیتی اور جگ بیتی میں آپ بیتی پیدا کی۔ ان کی شاعری میں مظلوم انسانیت کے لئے جس قدر خلوص اور دلی ہمدردی کی ترجمانی ملتی ہے، وہ بنگلہ ادب کے کسی اور شاعر کے یہاں نظر نہیں آتی۔ اس لحاظ سے نذرالاسلام کے ادب کو "آفاقی ادب" کی سطح سے نیچے نہیں لایا جا سکتا۔

نذرالاسلام سے پہلے ہی بنگلہ ادب میں انسانیت پر بہت کچھ لکھا جا چکا تھا۔ مگر وہ ادب بالانشینوں اور نام نہاد مہذب انسانوں کے جذبات و احساسات کا آئینہ دار تھا۔ ادب میں عامۃ النّاس خاص کرکے ادنیٰ درجے کے انسانوں کو لائق اعتبار نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ہمدردانہ جذبات کے ساتھ پس ماندہ لوگوں کے خیالات و احساسات کی ترجمانی نہیں کی جاتی تھی۔ بدکار، گنہگار اور کمترین لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ نذرالاسلام پہلے شاعر ہیں، جنھوں نے کھلے الفاظ میں مساوات کے گیت گائے۔ چور، ڈاکو، بھنگی، زناکار غرض معاشرے کے ہر قابل نفرین انسان

سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ دولت مند، مفلس، بڑے بھلے سب کو اولادِ آدم قرار دیا اور سب کو بنی نوعِ انسان کی حیثیت سے برابر سمجھا۔ گنہگاری کے لئے بدکاروں پر الزام عائد نہیں کیا بلکہ معاشرے اور حکومت کو اس کا ذمّہ دار ٹھہرایا۔ فرماتے ہیں:۔

دوست! کون تجھے ڈاکو کہتا ہے۔ کون تجھے چور کہتا ہے؟
چاروں طرف ڈکیتی کا ڈنکا بج رہا ہے، چوروں کی حکومت ہے۔
وہ کون خدائی فوجدار ہے جو چور ڈاکو سے محاکمہ کرنے آیا ہے؟
پوچھ — آج دنیا بھر میں کون ایسا ہے جو ڈاکو نہ ہو۔
حاکم صاحب! اپنی مذہب کی دہائی بالائے طاق رکھیئے۔
چھوٹوں کا سب کچھ چوری کرکے بڑے لوگ آج بڑے بنے ہوئے ہیں۔
جو جتنے بڑے ڈاکو، مکّار اور دغاباز ہیں،
وہ اقوامِ متحدہ کے محاذ میں آج اتنے ہی معزّز اور مکرّم سمجھے جاتے ہیں۔
رعایا کی خون بستہ اینٹوں سے راجہ کے محل تعمیر ہو رہے ہیں۔
کروڑوں گھر بار تباہ کرکے سرمایہ داروں اور رہزنوں کے کارخانے پنپ رہے ہیں۔

. . . .

کون تجھے ڈاکو کہتا ہے؟ دوست! کون کہتا ہے کہ تو نے چوری کی ہے
تو نے روپیہ، لوٹا، آب خورہ چوری کیا ہے مگر کسی کے دل میں چھری تو نہیں بھونکی۔
ممکن ہے تو لٹیرا ہو مگر ان کی طرح انسانیت سے معرّا نہیں۔
اے ظالمو! لوگوں کے آگے تم والمیک ہو مگر دراصل ڈاکو ہو۔

(چور۔ڈاکات: سرپ ہارا)

نذرالاسلام نے اپنی نظم "بارنگنا" (طوائف، میں طوائف کو ماں اور ولدالزنا کو معصوم قرار دیا۔ وہ بنگلہ ادب میں پہلے شخص ہیں، جنھوں نے کمینگی میں عظمت، خطاکاری میں معصومیت اور پستی میں بلندی محسوس کی۔ گنہگاروں سے اظہارِ نفرت کرنے کے بجائے ان سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ گناہ کو براہِ راست تختۂ مشق نہ بناکر اس کا سدّباب کرنے کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

اے ماؤں! تمہیں کون طوائف کہتا ہے، آج کون حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے؟
ممکن ہے کہ سیتا جیسی معصومہ کے گھر میں تمہاری پیدائش ہوئی ہو۔
معصومہ نہ سہی پھر بھی تم ہماری ماؤں اور بہنوں کی ہم جنس تو ضرور ہو۔
تمہارے بچّے ہمارے بچّوں جیسے ہیں۔ وہ ہمارے ہی ہم رشتہ ہیں۔
وہ ہماری طرح عزّت و حرمت کما سکتے ہیں۔

ان کے عزم کی رسائی ملاء اعلیٰ تک ہو سکتی ہے۔

اے شیخ سنو!
ایک شہوت پرست انسان کی جائز اور ناجائز اولاد میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔
عصمت فروش ماں کے بچے حرام زادے ہوں،
تو بدمعاش باپ کے بچے بھی ضرور حرام زادے ہوں گے۔

انسانی محبت ہی نذرالاسلام کا مذہب تھا۔ ان کا خیال ہے کہ انسان خواہ وہ کتنے ہی پرلے درجے کا بدکار ہو، پھر بھی وہ انسان ہے۔ انسان دوستی بہترین عبادت ہے۔ اس لئے کہ انسان کا دل مندر اور کعبہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ یہ تمام پاک کتابوں اور عبادت خانوں سے بھی برتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے انسانیت کے احترام کو سب کے اوپر جگہ دی ہے۔ اور اس ہمہ گیر احساس ہی نے انھیں فرقہ وارانہ عصبیت سے نجات دلائی ہے۔ جہاں انسانی عظمت کو پامال ہوتے دیکھا، وہیں ان کی آواز بلند ہوئی۔ جہاں کسی نے مذہبی تعصبات میں اُلجھ کر انسانیت کی توہین کی، وہیں شاعر نے اسے عرفانِ نفس کا درس دیا۔ فرماتے ہیں:-

نذرالاسلام نے ہندو مسلم اتحاد کے لئے جان توڑ کوشش کی۔ وہ فرقہ وارانہ تنازعات کو بری نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جب کلکتہ میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوئے (۱۹۲۶ء) تو وہ تاڑ گئے۔ اپنا زورِ قلم لیکر اُٹھے اور "کانڈاری ہوشیار" (ناخدا! ہوشیار!) کے نام سے ایک زوردار کورس (گانا) لکھ کر ملک کے رہنماؤں کو ہوشیار کر دیا کہ اگر ہندو اور مسلمانوں کے درمیان یہ پھوٹ رہی، تو دونوں تباہ ہو جائیں گے اور آزادی دھری کی دھری رہ جائے گی۔ آپس میں لڑکر طاقت کو صرف کرنے کے بجائے اگر ملک کے عوام اپنی متحدہ کوشش کو برطانیہ سامراج کے خلاف استعمال کریں، تو ہندوستان کی آزادی یقینی ہے۔

"کانڈاری ہوشیار" میں "کانڈاری" سے مراد رہنمایانِ قوم ہیں۔ یہاں شاعر قومی کشتی کو وقت کے تمام مصائب و حوادث سے بچاکر آزادی کے ساحل تک لے جانا چاہتا ہے۔ اس کشتی کا ملاح حُبّ الوطنی کے جذبہ سے سرشار اور مذہبی تعصبات سے بالکل پاک ہے۔ اس کے تمام مسافروں کے دل میں برادری اور آزادی کا جذبہ موجزن ہے۔ یہ نظم پڑھنے سے شاعر کی حُبّ الوطنی اور جذبۂ آزادی کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے پوری نظم پیش کی جاتی ہے۔

ناخدا! ہوشیار!

کورس:-

(۱)

دشوار گذار پربت، لق و دق ریگستان اور بحر بے کنار سامنے ہے۔
اے مسافرو! ——— ہوشیار! گہری رات کو اس راہ سے گذرنا ہوگا۔
کشتی ڈگمگا رہی ہے، سمندر موجزن ہے، ملاح راستہ بھول رہا ہے۔

بادبان ٹوٹ گیا ہے، کس کو پتوار تھامنے کی ہمت ہے؟
ہے کوئی جوان؟ آگے بڑھ - مستقبل تجھے بُلا رہا ہے -
یہ طوفان بلا خیز ہے، لنگر اُٹھانا ہے، کشتی کو پار لگانا ہی ہے۔

(۲)

رات اندھیری ہے - محب وطن پاسبانو ——— ہوشیار!
مدّت دراز کے دیرینہ درد والم نے جنگ کا اعلان کیا ہے۔
محروم سینوں میں گہرے احساس انگڑائیاں لے رہے ہیں -
انھیں راستہ پر ضرور لانا ہوگا اور حقِ خود ارادیت دلانا ہوگا -

(۳)

بے بس قوم ڈوب کر مر رہی ہے، اسے تیرنا نہیں آتا۔
اے ناخدا! آج ہم دیکھ لیں گے کہ اپنے وطن کو آزاد کرنے کا تجھ میں عزم ہے یا نہیں -
کون بدبخت پوچھتا ہے ——— "وہ ہندو ہیں یا مسلمان؟"
اے ناخدا! کہہ دے ——— انسان ڈوب رہا ہے - اپنی ماں کی اولادیں ڈوب رہی ہیں -

(۴)

پہاڑ جیسی مصیبت ہے - قافلہ بزدل ہے - سخت بجلی کوند رہی ہے -
پس ماندہ مسافروں کے دل میں آج شکوک جاگ رہے ہیں -
اے ناخدا! کیا تو خود بھی گم گشتۂ راہ ہو جائے گا؟ منجدھار میں تو انھیں چھوڑ دے گا؟
وہ آپس میں فتنہ انگیزی کر رہے ہیں - سہی پھر بھی انھیں کھینچ کر آگے لے چل - تونے یہ بھاری ذمّہ داری اپنی گردن پر اٹھائی ہے -

(۵)

اے ناخدا ——— تیرے سامنے پلاسی کا وہ میدانِ کارزار ہے -
جہاں بنگالیوں کے خون سے کلایو کا خنجر سرخ ہوگیا تھا -
ہائے! اس رودِ گنگا میں ہندوستان کا آفتاب غروب ہوگیا تھا۔
وہ آفتاب ہمارے خون میں نہا کر پھر طلوع ہوگا۔

(۶)

جو تختہ دار پر چڑھ کر زندگی کے ترانے گا گئے،
وہ چھپ کر دیکھ رہے ہیں کہ کون قربانی دے رہا ہے -
آج قوم کے امتحان کا وقت ہے، کیا تو اپنی قوم کو نجات دلانے کا عزم رکھتا ہے؟

کشتی ڈگمگا رہی ہے، موجیں متلاطم ہیں - ناخدا ـــــ ہوشیار !

انسانیت نذرالاسلام کی شاعری کا مرکز ثقل ہے - ان کا موضوع سخن خواہ کچھ بھی ہو، انھیں مظلوم انسانیت کا راگ الاپے بغیر چین نہیں آتا - وہ ہر صنف سخن میں کسی نہ کسی صورت میں انسان دوستی کے گیت سناتے ہیں - رسول کریمؐ کی نعت پر قلم اٹھاتے ہیں تو جمیع اوصاف کی بہ نسبت آپ کی انسان دوستی کا پہلو زیادہ اُجاگر کرتے ہیں - فرماتے ہیں :-

رسول کریمؐ وہ ذات پاک ہیں جنھوں نے انسان کو اس کا حق دلایا ہے -
جنھوں نے کہا :- " اللہ کے سوا کوئی رب نہیں "
جنھوں نے انسانیت کی خاطر فقر کا طریقہ اختیار کر لیا -
جنھوں نے بادشاہ اور فقیر کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا -
یہ وہ نبی ہیں جو مظلوم انسانوں کے جذبات کی تصویر بن کر
سب کو اپنانے کے لئے اس دُنیا میں تشریف لائے -
آج ساری دُنیا نجات کے غلغلہ سے گونج اٹھی ہے -
بادشاہ اور فقیر کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا ہے -

(ذوالفقار)

حضرت عمر فاروق رضؓ جیسے رعب دار اور صاحب اقتدار کے نام سے کون واقف نہیں ؟ ان کے فتح و نصرت کے علم بردار سپاہیوں کے سامنے قدیم رومی اور ایرانی سلطنتیں شکستِ فاش کھا گئیں - نذرالاسلام ان کی تعریف کرتے ہیں تو خلیفۂ موصوف کی ناقابلِ شکست شجاعت و ہمت پر ان کی نگاہ نہیں پڑتی بلکہ ان کی انسان دوستی اور رعایا پروری شاعر کا دل موہ لیتی ہے - وہ ان الفاظ میں عمر فاروق سے دلی محبت اور حسنِ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں :-

تو نے انسان سے دوستی کی - ہر انسان کو بھائی سمجھا -
اس لئے تجھے ہمیشہ آنسو بہا کر یاد کرتا ہوں -
پیارے دوست ! تجھے سلام کرتے ہوئے یہ ہاتھ
اوپر نہیں اُٹھتے بلکہ وہ تجھے اپنے سینے سے لگا لیتے ہیں -

جس وقت نذرالاسلام کی شاعری شباب پر تھی، اس وقت ملک میں سوراج کی تحریک، کانگرسی تحریک، ترکِ موالات کی تحریک، کسان کی تحریک غرض متعدد تحریکیں زوروں پر تھیں - سیاسی پارٹیوں میں مناقشات بھی ہو رہے تھے - مگر نذرالاسلام پارٹی سیاست سے بالاتر تھے - وہ سیاسی کشاکش اور دھڑے بندی میں نہیں اُلجھے - ان کی زبان پر ہر لحظہ فاقہ کشی سے ترستے ہوئے انسانوں کی فریاد تھی - انھوں نے قوم کے غم میں حکام کے ساتھ " ڈنر " نہیں کھایا - نام نہاد لیڈروں کی طرح عیش و آرام کے ساتھ رہ کر قوم کے رنج کی صدائیں بلند نہیں کیں بلکہ غریبوں اور مظلوموں کے دوش بدوش کھڑے ہو کر انھیں پستی سے نکال کر ترقی کی شاہراہ پر لانے کی کوشش کی - سیاسی ہنگاموں میں رہ کر انھوں نے بے کسوں اور فلاکت زدوں کے درد و الم کی تصویر یوں کھینچی :-

بھوکا بچّہ سوراج کا خواہشمند نہیں -
وہ چاہتا ہے ـــــ مٹھی بھر بھات اور ذرا سا نمک -
دن چڑھ رہا ہے مگر ننھے بچّے کو اب تک کھانے کو کچھ بھی نہیں ملا ہے -
میں مجنوں کی طرح دوڑا آتا ہوں -
سوراج کا نشہ کہیں کھو جاتا ہے !
میں رو رو کر کہتا ہوں ـــــ " اے خدا ! تو اب بھی موجود ہے ؟
ان پر تیرا قہر کیوں نہیں ٹوٹتا جو اس بچّے کا خون چوستے ہیں "

(آمار کیفیت، سرب ہارا)

نذرالاسلام کی انسان دوستی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے انسانی عیش و آرام کے لئے اپنا عیش و آرام وقف کر دیا - لوگوں میں سیاسی اور سماجی شعور پیدا کرنے کے لئے دردر پھرے - آزادی کے گیت گائے - سیاسی اور سماجی کاموں میں براہ راست حصّہ لیا - مجلسوں اور محفلوں میں شرکت کی - قوم کو بلایا - قوم نے ان کی آواز پہ " لبیک " کہا - انھوں نے سوتی ہوئی قوم کو جھنجھوڑا اور قوم نے ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا - انھوں نے پرانے نظام کو بدل کر نیا نظام قائم کرنے کا منصوبہ پیش کیا - ہر ظلم و ستم کے خلاف صدا بلند کی - دنیا میں بہت ہی کم شاعر ایسے ہوتے ہیں جن کے یہاں گفتار اور کردار میں پوری پوری مطابقت پائی جاتی ہو - نذرالاسلام کا کردار ان کی گفتار کی تصویر ہے - انھوں نے اپنی زندگی کو خدمتِ خلق کے لئے وقف کر دیا - پرنسپل ابراہیم صاحب کے ایک خط کے جواب میں انھوں نے لکھا - (۱۹۲۷ء) :-

" میری زندگی کتنی ہی المیہ کیوں نہ ہو، میں مسرّت اور دکھ درد کے گیت گاتا جاؤں گا - اپنے کو سب کے لئے پورا پورا وقف کردوں گا - سب کی زندگی میں میری زندگی ہے - یہی میرا برت ہے - یہی میرا عزم ہے - یہی میرا دھیان ہے "

(جوگ سرستا نذرل)

واقعی انھوں نے اپنے کو خدمتِ خلق کے لئے وقف کر دیا - ان کی ہمدردی اور خلوص میں کسی کو ذرّہ برابر شک ہو تو وہ ان کے یہ الفاظ ایک مرتبہ دیکھ لے :-

نذرالاسلام نے اپنے ایک چشم دید واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے :-

اس دن ریل گاڑی میں دیکھا ـــــــــ
" بابو صاب " نے ایک قلی کو ڈھکیل کر نیچے گرا دیا -
یہ دیکھ کر میری آنکھیں ڈبڈبا گئیں -
کیا یوں ہی دُنیا بھر میں کمزور مار کھاتے رہیں گے ؟

نذرالاسلام کے دل میں مظلوم انسانیت کے لئے سچّی تڑپ اور بے لوث محبّت نہ ہوتی تو ان کے قلم سے ایسے الفاظ کیسے نکل سکتے تھے - یہ الفاظ نہیں - درد و غم کی تصویریں ہیں - ان کی شاعری دماغی عیاشی اور تفنّنِ طبع کا ذریعہ

نہیں - بلکہ مظلوم انسانیت کے دل کی آواز ہے - انھوں نے اپنا پیمبرانہ فرض ادا کرکے بالآخر مظلوم انسانیت کے سدھارنے کا بار خدا کے سپرد کردیا - فرماتے ہیں :-

اے خدا !
اس دنیا میں تیری خاک آلود اور بے بس مخلوق اپنے دکھ درد کا علاج مانگتی ہے - اے ازلی خدا !
ذرا سُن لے !
میں اپنی آنکھوں کا دکھ بھرا دیپ لے کر
تیری کائنات کے گوشے گوشے میں پھر رہا ہوں -
جدھر بھی نگاہ اُٹھاتا ہوں ، محو حیرت رہ جاتا ہوں - میرا دل پھڑک اُٹھتا ہے -
تو کتنا پیارا ہے ! تو ہم سے کتنی محبت رکھتا ہے ! تو کتنا عظیم الشان ہے !

نذرالاسلام کی نگاہ میں عورت

"وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ" (القرآن)

(اور ضابطہ کے مطابق مردوں پر عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیساکہ ان پر مردوں کے حقوق ہیں۔)

میری نگاہ میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ـــــــــــ (نذرل)

مذہب اور اخلاق کے بہانے عرصۂ دراز تک عورتوں پر مظالم ڈھائے جاتے رہے۔ معاشرے میں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ ان کے ساتھ من مانا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ ان کے حقوق پامال کئے جاتے تھے۔ قدیم بنگلہ ادب کے اربابِ قلم نے عورت کی جداگانہ حیثیت اور ان کی آزادی کی تحریک پر قلم نہیں اُٹھایا۔ عورت پر ظلم ڈھائے جاتے دیکھکر بھی انھوں نے خاموش تماشائی کا کردار ادا کیا۔ کسی نے اس ظلم و ستم کا ذکر کیا بھی، تو اس کا علاج پیش نہیں کیا۔ دو چار گنے چنے اشخاص نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا بھی، تو انھوں نے ان ناانصافیوں کا ازالہ کرنے کے لئے مؤثر قدم نہیں اُٹھایا۔ ڈنکے کی چوٹ عورتوں کی جداگانہ معاشرتی حیثیت ثابت کرنے کی آواز بلند نہیں کی۔ ان میں اس قدر جرأت نہ تھی کہ قدیم رسم و رواج پر کاری ضرب لگائیں۔

ہمارے ملک میں انیسویں صدی کے ابتدائی حصّہ میں معاشرے کی اس مسموم ذہنیت میں تبدیلی واقع ہوئی۔ شوہر کی موت پر اس کے ساتھ ساتھ بیوی کو بھی نذرِ آتش کر دینا ہندوؤں کے مذہبی رسوم میں داخل تھا۔ راجہ رام موہن رائے (۱۷۷۲ء ـــ ۱۸۳۲ء) نے اس وحشیانہ رواج پر کاری ضرب لگائی۔ ودیا ساگر (۱۸۲۰ء ـــ ۱۸۹۹ء) نے بیوہ کی شادی کو رواج دے کر انسانیت پر بڑا احسان کیا۔ ان تحریکوں کے اثر سے بنگلہ ادب میں بھی آزادیٔ نسواں کی تحریک وجود میں آئی۔ مرد اور عورت کی علیحدہ حیثیت تسلیم کی جانے لگی۔ ادیب اور شاعر وسیع پیمانوں پر عورت کی معاشری حیثیت پر قلم اُٹھانے لگے۔ آزادیٔ نسواں کی جو تحریک مدھوسودن، بنکم، تارک گنگوپادیائے وغیرہ سے شروع ہوئی تھی، وہ ربندر ناتھ، شرت چندر (۱۸۷۶ء ـــ ۱۹۳۸ء) اور دوسرے ادبا و شعراء کے وقت منتہائے کمال پر پہنچی۔ اس سلسلے میں نذر الاسلام کا نام قابلِ ذکر ہے۔ انھوں نے ان تحریکات اور اسلامی جذبات و احساسات سے اثر لے کر عورت کی سماجی حیثیت، اس کی عظمت اور اس کے حقوق کے متعلق آواز بلند کی۔

نذرالاسلام نے ترقّی کی راہوں میں کہیں روڑا نہیں اٹکایا۔ وہ زندگی کے علم بردار شاعر ہیں۔ ان کو معلوم

تھا کہ قوم کا نصف مرد ہے اور نصف عورت - انھوں نے ایک انسان کی حیثیت سے نیز معاشرے کے ایک فرد کی حیثیت سے مرد اور عورت کے برابر برابر حقوق تسلیم کرلئے - حرم میں پابند عورتوں پر سے معاشرے کی بیجا پابندیوں کو ہٹانے کی ہر ممکن کوشش کی - نادان سماج نے عورتوں کے ساتھ جو ناانصافیاں روا رکھی تھیں، اس کے خلاف شاعر نے اپنی نظم "ناری" (عورت) "مسں ایم رحمٰن" اور "بارنگنا" (طوائف) میں آواز بلند کی - انھوں نے اس حقیقت کو کھلم کھلا بیان کیا کہ عورت مرد کی نفسانی خواہشات کی تسکین کا یا محض اولاد پیدا کرنے کا آلہ نہیں - بلکہ اس سے بلند تر مقصد کے پیشِ نظر یہ جنس فطرت کی آغوش میں جنم لیتی ہے - عورت گہوارۂ تمدّن ہے - دُنیا کے آرٹ، تہذیب و تمدن کی تاریخ میں اس کا بھی ایک معتد بہ حصّہ ہے - بے بنیاد مذہبی اور اخلاقی اصولوں کی دہائی دے کر جہاں مرد نے عورت کی زندگی دوبھر کر رکھی تھی، وہیں شاعر نے ڈنکے کی چوٹ معاشرہ کو اس کی آزادی اور مساوات کا پیغام سُنایا :-

وہ زمانہ بیت گیا ہے ——

جب مرد غلام نہ تھا اور عورت مرد کی لونڈی بنی ہوئی تھی -

یہ ہمدردی، انسانیت اور مساوات کا دور ہے -

اب یہی آواز ہر جگہ سنائی دیتی ہے کہ کوئی کسی کا غلام نہیں رہے گا -

اگر مرد نے عورت کو قید کرنے کی کوشش کی تو عنقریب

اسے اپنے بنائے ہوئے قید خانے میں مصیبت جھیلنی ہوگی -

دورِ حاضر کا تقاضا یہ ہے ——

تو ظلم توڑے گا، تو آخر وہ ظلم تجھ ہی کو ستائے گا -

عورت کمتر جنس نہیں - اس میں بھی فطرت نے بے انتہا صلاحیتیں ودیعت کر رکھی ہیں - مگر چونکہ وہ اپنی حقیقت سے آگاہ نہیں ہے - اس لئے اسیرانہ زندگی کی زحمت اور توہین کو بے روک ٹوک گوارا کر لیتی ہے - شاعر نے اس خوابیدہ جنس کو بیدار کیا اور اسے اپنا حق طلب کرنے پر اُکسایا - فرماتے ہیں :-

آج تم مرد سے آنکھ نہیں ملا سکتی ہو - تمہارے ہاتھ میں چوڑیاں اور پاؤں میں گھونگرو ہیں -

اے عورتو ! تم چہرے کا گھونگھٹ پھاڑ دو - اس زنجیر کو توڑ دو -

جس گھونگھٹ نے تمہیں بزدل بنا رکھا ہے، اسے ٹھکرا دو -

تمام زیورات کو جو کہ لونڈی پن کی علامتیں ہیں، پھینک دو -

نذر الاسلام نے نئی دولہن کو بھی اپنی عزّتِ نفس اور احساسِ ذمّہ داری کا سبق دیا - اُسے یہ ہدایت کی کہ وہ ازدواجی زندگی کو اپنی نئی زندگی سمجھے - ہمیشہ عفیفانہ زندگی گذارے - شوہر کی خیرخواہ بن کر اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنی رہے - اس کی بے راہ روی پر اپنی ہمدردانہ اور ہنرمندانہ روک ٹوک سے اس کی آنکھیں کھول دے - اسی میں اس کا کمال ہے - اسی سے اس کی نسوانی عظمت عیاں ہوتی ہے -

اقبالؔ کا خیال ہے کہ بے منتِ مرد عورت کے جوہر کی نمود نہیں ہوسکتی - مگر عورت کے بغیر بھی مرد کا جوہر عیاں ہوسکتا ہے -

اقبالؔ فرماتے ہیں :-

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منّت غیر
غیر کے ہاتھ میں ہے جوہرِ عورت کی نمود!

مگر نذرالاسلام کا خیال ہے کہ عورت سے بھی مرد کا جوہر عیاں ہوسکتا ہے - فرماتے ہیں :-

آج شادی کے رنگ میں سب رنگے ہوئے ہیں -
دل بھی رنگین ہے - زیورات بھی رنگین ہیں -
اے عورت کہہ دے ــــ " آج ان رنگ رلیوں میں
میری نئی بیداری ہے "
تیرا رجحان گناہ کی طرف نہ ہو - اپنے شوہر کی خیر خواہی کی طرف ہو!
شوہر کی رہنما بن کر رہ -
اے معصومہ! تیرا شوہر اندھا اور نابلد بھی ہو -
تو اس کی طرف سے آنکھ بند نہ کر -
تجھے اپنے اندھے شوہر سے اسی طرح پیش آنا چاہئیے -
کہ تیرا نیک برتاؤ اس کی آنکھیں کھول دے -

(بدھو برن، سندھو ہندول)

نذرالاسلام نے صرف نام نہاد مہذّب اور معصوم عورتوں کے حق خود ارادیت کی حمایت نہیں کی بلکہ غیر معصوم اور ادنیٰ درجے کی عورتوں سے بھی انتہائی ہمدردی کا اظہار کیا - اور انھیں تعرِ مذلّت سے نکال کر شاہراہِ عظمت و وقار پر لا کھڑا کیا - ان کے خیال میں سماج کی بدترین عورت میں بھی دلِ حسن اور انسانی عظمت موجود ہے - معاشرتی اصول کے مطابق کوئی عورت کمینہ سے کمینہ کیوں نہ ہو، آخر وہ بھی معصوم محبّت کی بدولت شرافت کی مستحق بن سکتی ہے - انسان سخت سے سخت گناہ کا مرتکب کیوں نہ ہو، پھر بھی اس کے لئے نیکی کا دروازہ کھلا رہتا ہے - اس لئے بدکار سے نفرت کرنے کے بجائے بدی سے نفرت کرنا چاہیئے -

نذرالاسلام نے عورتوں کو صرف رسم و رواج کے خلاف بغاوت کرنے کی ترغیب نہیں دی بلکہ انھیں محبوب، دولھن ، پیاری ماں اور عزیز رفیقۂ حیات کی حیثیت سے بھی پیش کیا - انھیں اپنی فرض شناسی کا سبق پڑھایا - اپنی عزّت و حرمت اور عصمت و عفت محفوظ رکھنے کا درس دیا - اپنے شوہر کی پاسداری کرنے کی ہدایت کی - نذرالاسلام سے پہلے ہی ربندر ناتھ اور سرشرت چندر وغیرہ نہایت آب و تاب کے ساتھ نسوانی حقوق اور عائلی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر قلم اُٹھا چکے تھے - اس میں نذرالاسلام کوئی خاص جدّت نہیں دکھا سکے -

البتّہ ان کا امتیاز اس میں ہے کہ انھوں نے صورِ اسرافیل سے عورتوں کو بیداری کا پیغام سُنایا - اور اس طرح آزادیٔ نسواں کی تحریک کو زیادہ مؤثر بنایا - فرماتے ہیں :-

اے ماؤ! بیٹیو! بہوؤ! بیبیو! بہنو! اے پامال ہستیو!
تم زوال پذیروں کی نجات دلانے والی ہو - جنت سے اُتری ہوئی ہو -
تم گنگا کی تیز رفتاری کے ساتھ جاگ اُٹھو!
اے کنواریو! تم ابر میں کڑک کی گرج پیدا کرو -
اے عورتو! تم ہمیشہ سے فتح یاب ہو - تم جاگ اُٹھو -
(نذرل گتیکا)

نذرالاسلام اور سنگیت

گذر جا بن کے سیلِ تند رو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

——— (اقبال)

میرے ایک ہاتھ میں ٹیڑھے بانس کی بانسری ہے
دوسرے ہاتھ میں طبلِ جنگ ہے ———

——— (نذرالاسلام)

عام طور پر نذرالاسلام "باغی شاعر" کے نام سے مشہور ہیں۔ انقلابی نظموں نے انھیں ہر دلعزیز بنا دیا ہے۔ مگر ہمیں یہ فراموش نہ کرنا چاہئے کہ سنگیت میں بھی ان کا درجہ بہت بلند ہے۔ اس میں ان کی شاعرانہ عظمت کا مکمل ظہور ہوا ہے۔ اسی صنعت میں ان کا جمالیاتی حسن اور فن کارانہ کمال نمایاں طور پر اجاگر ہوا ہے۔ حسنِ ازل اور پائدار زندگی کا راگ کرنے کی جو کوشش اور بے تابی ان کے ابتدائی کلام میں شروع ہوئی تھی، وہ "بلبل"، "پلو بیر ہوا"، "چوکھیر چاتک"، "ذوالفقار"، "گل باغیچہ"، "سرساقی" وغیرہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

سادگی، سلاست، روانی اور شیرینی ان کے نغموں کی خاص خاص خوبیاں ہیں۔ مطالب اور بحور کے تنوع، لفظی اور معنوی حسن نے ان کے گیتوں کو دلکش بنا دیا ہے۔ کیفیت اور راگ راگنیوں کا جو تنوع ان کے سنگیت میں ملتا ہے، بنگلہ ادب کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان کی نظموں میں بلاشبہ کہیں کہیں جذبات کی شدت نظر آتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے کلام میں بعض مقامات پر سطحیت، بے ربطی اور طوالت پیدا ہو گئی ہے۔ مگر سنگیت کے فنی شرائط اور حد بندیوں نے ان کے گانوں میں متانت اور نظم و نسق پیدا کر دیا ہے۔ ان کے گانوں میں کہیں حیرت انگیز تیزی، کہیں فکر کی گہرائی، اور کہیں جاذبِ توجہ رومانیت پائی جاتی ہے۔

ممکن ہے کہ ان کی انقلابی نظموں کو جو وقتی ضرورتوں کی بنا پر وجود میں آئیں، حیاتِ جاوید نہ ملے اور وہ فن برائے فن کے قائلین کی ادبی پیاس نہ بجھا سکیں۔ مگر یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ سنگیت کی بدولت بقائے دوام کے دربار میں ان کے لئے ہمیشہ ایک ممتاز مقام محفوظ رہے گا۔

اردو کے شاعر جوش ملیح آبادی کی طرح نذرالاسلام کی شاعری میں بھی بظاہر اضداد کا اجتماع نظر آتا ہے۔ وہ بیک وقت شاعر باغی بھی ہیں اور عاشق سرمست بھی۔ وہ بغاوت کرتے ہوئے بھی حسن وعشق کو نہیں بھولتے۔ ان کے یہاں جلال وجمال، تلخی اور شیرینی دونوں پہلو بہ پہلو نظر آتی ہیں۔ مثلاً ان کی شہرۂ آفاق نظم "بدروہی" کو لیجئے ——— اس میں نذرالاسلام اپنی بغاوت کی رو میں دنیا کو ٹھوکر سے اُڑا دینا چاہتے ہیں ——— وہ کہتے ہیں:-

"میں توڑ پھوڑ کر سب کچھ مسمار کردیتا ہوں"

اگر دوسری طرف حسن وعشق کے ترانے بھی گائے جاتے ہیں:-

میں دوشیزہ آنے والی محبوبہ کی سہمی ہوئی نگاہ ہوں، جو عشوہ گری کے ساتھ ہمیشہ تاکتی رہتی ہے۔
میں البیلی کنواری کا عشق ہوں - اس کے کنگن اور چوڑی کی میٹھی جھنکار ہوں۔
میں سدا طفل اور سدا نوجوان ہوں۔
میں دیہات کی مست شباب لڑکی کا آنچل، اس کی محرم اور گھگرا ہوں۔

(بدروہی، اگنی بینا)

بغاوت کے پہلو بہ پہلو نذرالاسلام کی اس حسن پرستی کو بعض لوگوں نے حسن کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ باغی کبھی حسن پرست نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ حسن وعشق کی نیازمندی اور خودسپاری کے پہلو بہ پہلو بغاوت کی تندی و تیزی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ نذرالاسلام حقیقتاً حسن کے شاعر تھے۔ حسن کی تشکیل ان کی شاعری کا مقصد رہی تھی۔ انھوں نے کہا ——— شاعر کیٹس کی طرح میں بھی اس نظریہ کا حامی ہوں۔

"Beauty is truth, truth is beauty"

ان کی شاعری پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ حسن وعشق کے نغموں کے ساتھ اس کا آغاز ہوا۔ اور اسی پر اس کی تان ٹوٹی - بغاوت ان کی گھٹی میں نہیں پڑی تھی - وہ جنگجو یا تخریب پسند ہو کر پیدا نہیں ہوئے تھے۔ مگر ماحول اور سماج کے ناگفتہ بہ حالات نے انھیں باغی بنادیا - انھوں نے خود کہا ———

دوستو! زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں - اس سینے میں سخت زہریلے جذبات ہیں۔
جان بوجھ کر غضبناک ہوگیا ہوں - اسی لئے جو بات زبان پر آتی ہے، کہے جاتا ہوں۔

نذرالاسلام نے بغاوت اس لئے کی کہ اس سے حسن کی تعمیر ہو اور ایک ایسا جہان نو وجود میں آئے، جہاں لوگ چین سے زندگی گزار سکیں اور انھیں حسن و جمال کی قدر کرنے کا موقع ملے۔ یہی وجہ ہے کہ بغاوت کے وقت بھی وہ حسن و جمال کو فراموش نہیں کرسکتے۔ جلال و جمال دونوں دھوپ چھاؤں کی طرح ان کے ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ انھوں نے خود کہا۔-

"میرے ایک ہاتھ میں ٹیڑھے بانس کی بانسری ہے اور
——— دوسرے ہاتھ میں طبلِ جنگ۔۔"

نذرالاسلام ایک خلاق اور طباع شاعر تھے - وہ ایک ہی نوع کی انقلابی نظموں میں کیونکر اُلجھے رہ سکتے تھے - وہ زندگی کی ہما ہمی میں رہ کر بھی گاہے گاہے اپنے دل کی گہرائی میں پناہ لیتے اور حُسن و عشق کے ترانے گاتے تھے - کبھی کبھی روحانیت کے اتھاہ سمندر میں ڈوب کر راز و نیاز کی باتیں بھی کیا کرتے - یہ ان کی شاعرانہ اُپج اور اس کے ظہور کے مختلف درجات ہیں - مگر ان کی اس رنگا رنگ شاعری کی تہ میں وحدتِ خیال ضرور کار فرما ہے - وہ ہے ——— حُسن کی تلاش - اسی کے لئے ان کی بغاوت ہے - اسی کے لئے ان کی شاعری اور ان کا سنگیت وقف ہے - ان کا جلال، جمال ہی کے لئے ہے - انسانیت کی نجات اور عالمگیر میل محبت میں انھیں حسن و جمال نظر آتا ہے - یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی باغی بن جاتے ہیں اور کبھی حسن کے پجاری - انھوں نے اپنی نظم "پدروہی" میں کہا :-

بھائی! میرا دل جس وقت جو چاہتا ہے میں وہی کرتا ہوں -

یہی وجہ ہے کہ "اگنی بینا" کے بعد "دولن چانپا"، "بھانگار گان" اور "بشیر بانشی" کے بعد "سندھو ہندول" اور "بلبل" جیسی کتابیں ان کے قلم سے نکلی ہیں -

شاید یہ سرزمین بنگال کی خصوصیت ہے کہ یہاں کے بیشتر لوگ مرنجان مرنج، شوقین اور سنگیت کے دلدادہ ہیں - بہت سے شاعر بیک وقت گیت نویس بھی ہوتے ہیں اور موسیقار بھی - نذرالاسلام کی فطرت میں بھی سنگیت کا رچاؤ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا - وہ ربندر ناتھ کی طرح بیک وقت نظم نویس بھی ہیں اور گیت نگار بھی - راگ راگنیوں کے موجد بھی ہیں اور فنکار بھی - ربندر ناتھ ٹیگور کے بعد بنگلہ سنگیت میں جو ترقی ہوئی ہے، وہ زیادہ تر نذرالاسلام ہی کی مرہونِ منت ہے - انھوں نے ٹھمری، غزل، خیال، دُھرپد، کیرتن، باؤل، بھاٹیالی، ٹپاّ، جھومر، اسلامی سنگیت، شیام سنگیت، مرثیہ، بھاؤیاّ - غرض گیت کی مختلف صنفوں اور شعبوں میں طبع آزمائی کی اور اچھی خاصی مہارت کا ثبوت دیا -

نذرالاسلام نے ہندوستانی موسیقی کا چرچا کر کے اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ عرب، ایران، ترکستان، غرض مختلف ممالک کے سنگیت سے نئی نئی راگ راگنیوں کو مستعار لے کر بنگلہ سنگیت میں ایک حیرت انگیز تنوع پیدا کیا - انھوں نے ہر اس نئے سُر کو جو ان کے کان میں پڑا، اپنے گانوں میں ملانے اور ملک میں رائج کرنے کی کوشش کی - بلاشبہ دجندر لال مغربی سنگیت کے ماہر تھے - انھوں نے ہو بہو ولایتی طرز کے بہت سے گانے لکھ کر بنگلہ سنگیت کو مغربی گانوں کی توانائی بخشنے کی کوشش کی مگر وہ طرز مقبول نہ ہو سکا - برخلاف اس کے نذرالاسلام نے غیر ملکی سُروں کو بنگلہ سنگیت کے سانچے میں ڈھال کر استعمال کیا ہے - یہی وجہ ہے کہ ان کی درآمد کی ہوئی راگ راگنیوں کے رواج پانے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی - سنگیت پر ان کا احسان یہیں ختم نہیں ہو جاتا - انھوں نے مستقل راگوں کی تخلیق سے بھی بنگلہ سنگیت کے سرمائے میں وسعت پیدا کی - اس سلسلے میں "دولن چمپا"، "بن گنتلا"، "سندھیا مالتی"، "بے نو کا"، "نرجھرنی"، "پرتاپ بلاّری" وغیرہ قابل ذکر ہیں -

نذرالاسلام خوش الحان نہ تھے - مگر خلوص اور تہ دل سے گاتے تھے - اسی وجہ سے ان کے گانوں کی دل کشی بڑھ جاتی تھی - اور ان کا اثر دو بالا ہو جاتا تھا - ابتدائی عمر میں انھوں نے "لیٹو ناچ" میں شرکت کی تھی - اسی وقت انھوں نے

موسیقی کے فن میں مشاقی حاصل کرلی تھی ۔ مزید براں کلکتہ میں اُستاد ضمیرالدین سے بھی انھوں نے اس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ۔ انھوں نے "بن گیتی" کو اپنے اُستاد کے نام معنون کرکے خراجِ عقیدت پیش کیا ۔

نذرالاسلام کو "جدید سنگیت" کا نقیب خیال کیا جاتا ہے ۔ جدید سنگیت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں راگ ، مخلوط ہو ، راگ میں زبان و بیان اور خیالات و احساسات دونوں کی یکساں کارفرمائی ہو اور عوام کے ذوق کے مطابق دلکش سُر بھی موجود ہو ۔ نذرالاسلام ہی نے اولاً ان چیزوں کا کامیاب تجربہ کیا ۔ صرف یہی نہیں کہ انھوں نے مختلف راگ ۔ راگنیوں پر گانے لکھے بلکہ ان کے ردّ و بدل اور الٹ پھیر سے نئے نئے سُر (Tune) بھی ایجاد کئے ۔ اور اسی میں ان کا کمال ہے ۔ انھوں نے گانوں کو خاص خاص راگوں کے ساتھ محدود نہیں رکھا ، بلکہ بسا اوقات ایک ہی گانے کو کسی خاص راگ کے سانچے میں ڈھال کر اس میں دوسرے راگ کے سُر کا بھی امتزاج پیدا کیا ہے ۔ سُر کے تنوع کے اعتبار سے سنگیت کی تاریخ میں شاید ہی کوئی ان کا ہمسر ہو ۔

ٹیگور نے فن کاروں کو ان کے گانوں میں اپنی مرضی کے مطابق سُر ملانے کی اجازت نہیں دی مگر نذرالاسلام نے نغمہ سازوں کے لئے یہ گنجائش رکھی کہ وہ چاہیں تو گیتوں کا بنیادی طرز برقرار رکھتے ہوئے ان میں اپنی اپنی پسند کے مطابق سُر ملا سکتے ہیں اور چاہیں تو شاعر کے طرز کو بدل کر انھیں دوسرے انداز میں بھی گا سکتے ہیں ۔ اسی گنجائش نے ان کے گانوں کی دلچسپی اور مقبولیت میں اضافہ کیا ہے ۔ دِلیپ کمار رائے ، اِندُو بالا ، اَنگُور بالا ، کملا جھریا ، ہرمتی ، کے ۔ ملک ، نلنی سرکار ، عباس الدین وغیرہ نے نذرالاسلام کے گانوں کو گا گا کر ہر دلعزیز بنایا ۔

رابندرناتھ ٹیگور کے گانوں کی تعداد تخمیناً ڈھائی ہزار بتائی جاتی ہے ۔ نذرالاسلام اس سے بھی زیادہ گانوں کے خالق ہیں ۔ مگر ان کی صحیح تعداد بتانا مشکل ہے ۔ بعض نے چھتیس سَو بتائی ہے ۔ بہرحال یہاں تک یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے تین ہزار سے بھی زیادہ گانے لکھے ہیں ۔ سنگیت کی تاریخ میں شاید ہی کسی کا اتنا بڑا ریکارڈ موجود ہو ۔ ان کے گانوں کے جتنے ٹیپ ریکارڈ وجود میں آچکے ہیں ، اتنے دُنیا کے کسی اور شاعر کے گانوں کو نصیب نہیں ہوئے ۔ مشہور فن کار عباس الدین کے قول کے مطابق ان کے گانوں کے جو ریکارڈ دستیاب ہوسکے ہیں ، ان کی تعداد پندرہ سو چورانوے ہے ۔

ہر شاعر گیت نگار نہیں ہوتا ۔ اسی طرح ہر گیت نگار بھی شاعر نہیں بن سکتا ۔ گیت نگاروں میں بعض کے یہاں خیالات کی کارفرمائی زیادہ ہوتی ہے ۔ اور بعض کے یہاں راگ راگنیوں کا غلبہ ہوتا ہے ۔ خیالات اور سُروں کی یکساں کارفرمائی بہت ہی کم شعراء کے یہاں نظر آتی ہے ۔ رابندرناتھ اور نذرالاسلام کے اعلیٰ سنگیتوں میں مضمون اور سُر دونوں کو یکساں اہمیت حاصل ہے ۔ افکار کی بلندی اور خیالات کی گہرائی ٹیگور کے گانوں کو جُداگانہ حیثیت بخشتی ہے ۔ تو سُروں کی جھنکار ، عبارت کی روانی ، اور کلام کی ہیجانی کیفیت نذرالاسلام کے سنگیت کو تمام شعراء کے سنگیت سے ممتاز بنا دیتی ہے ۔ ٹیگور کی گہرائی تک عوام کی رسائی نہیں ہوتی ۔ اس لئے ان کے گانے صرف تعلیم یافتہ حلقوں میں مقبول ہیں ۔ اور زیادہ تر خواص کی محفلوں میں گائے جاتے ہیں ۔ عوام کی زندگی سے ان کا قریبی واسطہ نہیں ۔ اس لئے عوام کو ان کے گانوں میں وہ لطف نہیں ملتا جو نذرالاسلام کے یہاں ملتا ہے ۔

نذرالاسلام پہلے شخص ہیں جنھوں نے گیتوں کو خواص کے حلقوں سے نکال کر گھر گھر پہنچا دیا۔ نئے نئے سُروں کی شمولیت سے بنگلہ سنگیت کو عوام کے ذوق کے مطابق بنایا۔ اُسے راگ راگنیوں کے بندھے ٹکے قوانین اور اُستادانہ ماریچ سے آزاد کیا اور اس سے دیہاتی فنکاروں کے لئے سنگیت میں اپنا جوہر دکھانے کا راستہ ہموار کیا۔ دوسری طرف اُستادی گانوں میں "لوک گیت" کے فطری سُروں کو ملا کر دیہاتی گانوں کی طرف تعلیم یافتہ طبقے کی توجہ منعطف کی۔

سنگیت کے ذریعے نذرالاسلام نے حب الوطنی، انسان دوستی، عاشقانہ جذبات، روحانی عشق و محبت، غرض ہر قسم کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ ان کے گانوں میں کسان، مزدور، سپاہی، عاشق، پیر، فقیر، جوگی، ملاح، سادھو، ٹھاکر یعنی ہر طبقہ کے انسان کو اپنے دل کی باتیں ملتی ہیں۔ انسانیت کی نجات ان کی شاعری کا مرکزی خیال ہے۔ اسی کے اطراف میں ان کی فکری دنیا تعمیر ہوئی ہے۔ انھوں نے اپنے گانوں کا ایک بڑا حصہ مظلوم عوام کے دل کی دھڑکنوں کی ترجمانی کے لئے وقف کر دیا ہے۔ انھوں نے خود کہا۔

جس درد سے میرا دل رات دن دھڑکتا رہتا ہے۔
میرے سنگیت کے سُروں میں اسی کی لہریں اٹھتی ہیں۔

نذرالاسلام نے آپ بیتی میں جگ بیتی پیدا کی۔ ان کی محبت وہ محبت ہے جو کائنات کے ہر ذرّے کے ساتھ ہو، ہر ذی حیات کے ساتھ ہو، ہر فرد بشر کے ساتھ ہو، حیات اور حیات کے ماخذ کے ساتھ ہو۔ انھوں نے اپنے گانوں کے آسان اور دلکش اسلوبِ بیان سے عامۃ الناس کو لطف اندوز ہونے کا موقع دیا۔ یہی وجہ ہے کہ کسانوں سے لیکر حرم کی خواتین بھی ان کے گانوں سے دلچسپی لیتی ہیں۔ دیہات کے گوشے گوشے میں کسانوں، اور بھیڑ بکری چرانے والوں کی زبان سے یہ آواز سنائی دیتی ہے۔

تو کون پردیسی ہے کہ جنگل میں متوالا بن کر
بانس کی بانسری بجا رہا ہے؟
تیرے محبت بھرے سُروں سے
لالہ زار کے گل بدنوں پر خواب طاری ہو رہا ہے۔

(بلبل)

نذرالاسلام نے قومی سنگیت، عشقیہ سنگیت، فطرت کے گیت، شیام سنگیت، وشنو سنگیت، اسلامی سنگیت، طنزیہ اور مزاحیہ ٹکلنے، غرض ہر نوع کے سنگیت میں ہاتھ ڈالا اور غیر معمولی کامیابی کا ثبوت دیا۔ بے شک "سودیشی تحریک" کے وقت ٹیگور کے سودیشی گانوں سے لوگوں میں سیاسی شعور پیدا ہو گیا [illegible] بیداری کے ساتھ ساتھ عوام میں سماجی بیداری کا وہ انقلابی شعور نہیں اُبھرا تھا جو بعد میں نذرالاسلام کے حب [illegible] لکھے ہوئے گانوں سے وجود میں آیا ہے۔ اب تک قومی گیت عام طور پر شخصی رنگ لئے ہوئے ہوتا تھا۔ مگر نذرالاسلام [illegible] گانوں کے ساتھ اجتماعی شعور اور تاریخی احساس کے ایک نئے روپ کا آغاز ہوتا ہے۔ تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات [illegible] جب ٹیگور کی آواز ماند پڑ گئی تھی تو نذرالاسلام نے اس کمی کو پورا کیا۔ ان کے قومی اور کورس گانوں نے تحریکِ آزادی [illegible] زوردار بنایا۔ عوام کے حصولِ آزادی کی اُمنگ اور مجاہدانہ [illegible] جذبے کی ترجمانی کی۔ اور اس ترجمانی [illegible] نظر آتے ہیں۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے

نغمں اور فوجی ترانوں میں "مارچنگ" (Marching) اور "بینڈ" (Band) کا سُر پیدا کیا- اس سلسلے میں ان کے یہ نغمے "رزم گری کا نقارہ دستر پارا بار" (سرب بارا)، آمرا شکتی، آمرا بل، آمراچھاترو دل" (سرب بارا) " اگر دیتھاک ہے سیپادل! نذور قدم چل رے چل" (زنجیر)، "چل چل چل! اور دھو گلنے بجے مادل رے" (سندھیا)، "آنسی" (اگنی بینا) وغیرہ قابل ذکر ہیں- یہاں "آگمنی" کے فوجی للکار اور جھنکار لئے ہوئے چند الفاظ ملاحظہ ہوں-

اے کی رن باجا بجے گھن گھن ——————
جھن رن رن رن جھن جھن !
شئے کی دمکی دمکی

دھمکی دھمکی
داما دریمی گمکی گمکی
اوٹھے چوٹے چوٹے
چھوٹے چھوٹے چھوٹے
بنھی پھنکی چپکی جھپکی
ڈھال تلوارے گھن گھن۔
اے کی رن باجا بجے گھن گھن
رن جھن جھن جھن رن رن !

نذرالاسلام صرف بغاوت و انقلاب کے شاعر نہیں- وہ حُسن و عشق کے بھی شاعر ہیں- ان کا عشق اسی دُنیا کا عشق ہے- شباب و بہار سے اس کا تعلق ہے ان کے گیت "مادھوی پرلاپ"، "گوپن پریا" وغیرہ مادی عشق کے آئینہ دار ہیں- وہ شباب اور قوت کے شاعر ہیں- میدانِ عمل کی طرح میدانِ عشق میں بھی انھوں نے ایک قوی اور توانا عاشق کا کردار پیش کیا-

انھوں نے کہا :- "کہہ دے —————— عشق کسی کو کمزور نہیں بناتا بلکہ عظیم الشان بنا دیتا ہے"

(سندھو، سندھو ہندول)

وہ زندگی کے دوسرے پہلوؤں کی طرح عشق و عاشقی میں بھی خودداری اور عزتِ نفس کا احساس نہیں کھوتے - ان کے عشق میں ناز و غمزہ، غصہ و غصّہ، چھیڑ چھاڑ سب کچھ موجود ہے- ان کی محبت گہری ہے - وہ اپنی محبوبہ کو پوری طرح اپنانا چاہتے ہیں- اس میں کسی کی شرکت و رقابت گوارا نہیں کرتے - جہاں محبوبہ ان کی محبت کی پاسداری نہیں کرتی اور انھیں اپنے عشق میں پوری کامیابی حاصل نہیں ہوتی، وہیں وہ اپنی محبوبہ سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگتے ہیں اور غم و غصے کا اظہار بھی کر جاتے ہیں :-

آج "تم" اُس دن کی "تم" نہیں ہو-
اب میں دیکھ رہا ہوں —————— کہ تم بھی مکّار ہو-

تم بھی دغا و فریب سے فتحیاب ہونا چاہتی ہو۔
کچھ تو مجھے دینا چاہتی ہو اور کچھ دوسرے کے لئے رکھ لیتی ہو۔
اے بدقسمت! تمہارا یہ رویّہ دیکھکر مجھے انتہائی ہنسی آتی ہے۔ تم کس کو دغا دینا چاہتی ہو۔

شاعر اپنی نظم "ابھیشاپ" (بددُعا) میں کڑے الفاظ میں اپنی محبوبہ کو ڈانٹتے ہیں کہ تم آج میری نہیں ہو تو کل اس کے لئے تمہیں ضرور پچھتانا پڑے گا:-

گہری رات کو جب تم خواب سے اچانک چونک اٹھوگی۔
تو تمہارا سینہ کسی ایک دیدہ و دانستہ صورت کے لئے دھڑک اُٹھے گا۔
تم خواب سے چونک اُٹھوگی۔
اور تمہیں یہ خیال ہوگا کہ میں ہی
تمہارے سینے سے لگا بیٹھا ہوں۔
مگر جب چھُونے کی کوشش کروگی تو تمہیں معلوم ہوگا۔
کہ بچھونا خالی ہے! خواب جھوٹا ہے!
اس وقت ۔۔رے درد کے آنسوؤں سے تمہاری آنکھیں ڈبڈبا جائیں گی۔
اس دن تم سمجھوگی ضرور سمجھوگی۔

(ابھیشاپ، دولن چانپا)

نذرالاسلام کا عشق مافوق الفطرۃ نہیں۔ ان کے عشق کا تعلق عالمِ رنگ و بُو سے ہے۔ ان کی محبوبہ عالم خاکی کا ایک فرد ہے۔ دیوی نہیں۔ وہ اپنی محبوبہ کو لے کر اس دُنیا کو جنّت کا نمونہ بنانا چاہتے ہیں:-

میں تمہیں جنّت کا ایک فرد قرار دینا نہیں چاہتا ہوں۔
تمہارے قدموں پر جنّت لاکر دُنیا کو موہ لینا چاہتا ہوں۔
تمہیں دیوی بناکر پوجنے میں
مجھے کیا فائدہ ہے؟
میں دیوی کا رحم نہیں چاہتا۔ میں اُس پیار کے آنسوؤں کا طلبگار ہوں۔
جس کی نازبھری آنکھیں معمولی درد سے بھی ڈبڈبا جاتی ہیں۔

(اے مورا ہنکار، چکرباک)

نذرالاسلام کے عشق میں ناز کے ساتھ نیاز بھی پایا جاتا ہے۔ غم و غصّہ اور لعن طعن کے ساتھ ساتھ تسلیم اور خود سپاری بھی پائی جاتی ہے۔ اسی میں ان کی عشقیہ شاعری کا کمال ہے۔ اس لئے کہ خود سپاری عشق کی جان ہے۔ جہادِ عشق میں شکست کھاجانا ہی اصلی کامیابی ہے۔ یہاں کامیابی میں بھی آنکھیں ڈبڈبا جاتی ہیں۔ نذرالاسلام باغی ہوتے ہوئے بھی ہمیں سُناتے ہیں:-

اے میری رانی! آج آخر تمہارے سامنے سر جھکا دیتا ہوں۔
میری فتح و نصرت کا پھریرا تمہارے قدموں پر جھک رہا ہے۔
میری فاتحِ جنگ اور لافانی تلوار
روز بروز بوجھل ہونے لگی ہے۔ یہ مجھ پر گراں گزرتی جارہی ہے۔
اب میں اپنا یہ بوجھ تمہاری محبت کے ذریعے رفع کرتا ہوں۔
اپنی شکست کا یہ ہار تمہاری زلف میں پہناتا ہوں۔

(بجھنی، چھایانٹ)

جس شاعر نے کسی وقت کہا تھا ——— "میں کسی کے آگے سر نہیں جھکاتا"
آج ان کا سر محبوبہ کے قدموں پر جھک رہا ہے۔ اس میں کوئی تضاد نہیں۔ اس لئے کہ بغاوت ان کی پیدائش کے ساتھ نہیں آئی تھی۔ باغی تو انھیں ماحول نے بنایا۔ ورنہ محبوبہ کے آگے سر جھکانا ان کے لئے باعث ننگ کبھی نہیں رہا۔
ہر تخلیق اور فن کاری کے پسِ منظر میں عشق کا جذبہ ضرور کارفرما ہوتا ہے۔ عشق اور کمالِ شوق کے بغیر کوئی بڑا کارنامہ وجود میں نہیں آسکتا۔ عشق ایک قوت اور ہمہ گیر فطری جذبہ کا نام ہے۔ اس کا میدان اتنا ہی وسیع ہے جتنی کہ کائنات۔ عام طور پر مجازی محبت اور شباب و بہار کے ساتھ اس کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ ایک سیل ہے۔ تعمیر و تخریب دونوں کا امکان رکھتا ہے۔ اگر اس کا رخ تعمیری کاموں کی طرف موڑ دیا جائے، تو اس سے انسانی زندگی کے ہر شعبے میں شایانِ شان کارنامے انجام پا سکتے ہیں۔ یہ قانونِ فطرت ہے کہ ہر فطری شاعر عاشق مزاج ہوتا ہے۔ ہاں بعض میں یہ جذبہ شخصی دائرے میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور بعض کے یہاں ہمہ گیر رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ نذرالاسلام بھی فطری شاعر اور فطری عاشق تھے۔ انھوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ میری تمام سرگرمیوں کا سرچشمہ عشق و محبت ہے۔ میرے اس جذبے کے احترام میں آفتاب و ماہتاب اور زمین و آسمان میری طرف جھک رہے ہیں۔ انھوں نے محبوبہ کو مخاطب کر کے کہا:-

تمہاری محبت نے مجھے شاعر بنا دیا ہے۔
میرا یہ روپ ——— تمہاری محبت ہی کی تصویر ہے۔
یہ آسمان، یہ ہوا اور صبح کی یہ روشنی غرض
ہر چیز نے اپنا سمجھ کر میری طرف ہاتھ بڑھا دیا ہے۔
مغرب کا ڈوبتا ہوا زہرہ
اور مشرق کا اُجلا آفتاب
سب ہی مجھے پیار کرتے ہیں۔
یہ اس لئے ہے کہ میں تمہاری نگاہوں میں محبوب ہوں۔

نذرالاسلام کی شخصی محبت عالمی محبت کے رنگ میں رنگ کر ایک نئے روپ میں ظاہر ہوئی۔ ان کے یہاں غمِ جاناں نے غمِ دوراں کا کام کیا۔ اسی وجہ سے ان میں ایک نئی بیداری اور ہمہ گیر احساس پیدا ہوا۔ اسی احساس نے انھیں نئی زندگی

کے گیت گانے پر اُکسایا۔ فرماتے ہیں:۔

میری "امانت" تمہاری محبت میں روپوش تھی۔
اب تمہارے غیر متوقع ظہور کے ساتھ ساتھ میری اُمیدیں بھی اُبھر آئی ہیں۔
(کون رانی، دولن چاپنا)

میں مفلوک الحال قوم کو نئی زندگی کا ترانہ سُناتا ہوں۔
اَے پیاری! میری مست جوانی کی یہ تیز رفتاری تمہارا ہی احسان ہے۔
(آمار کوتیا توی، سندھیا)

یوں تو نذرالاسلام نے اپنی عشقیہ نظموں اور گانوں میں سُکھ دُکھ، آس اور یاس یعنی ہر طرح کی قلبی واردات اور عاشقانہ جذبات کا اظہار کیا ہے مگر المیہ پہلو ہمیشہ غالب رہا ہے۔ انھیں تو وصال سے فراق ہی میں زیادہ لُطف آتا ہے۔ وہ انسانی محبت کے شاعر ہیں۔ آنسوؤں کے شاعر ہیں۔ اس لئے المیہ پہلو خاص کر ہجر کے غم واندوہ کے بیان میں زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں۔ انھوں نے ہجر کی تمام کیفیتوں کو اپنی شاعری میں فنکارانہ طور پر بیان کیا ہے۔ اسی پہلو میں ہم نذرالاسلام کو اُردو کا میرؔ کہہ سکتے ہیں۔

جب انسان مایوس کُن ہجر میں مبتلا ہوتا ہے، تو اسے ساری دُنیا دردِ فراق میں مبتلا نظر آتی ہے۔ وہ فطرت کی ہر چیز کو ہجر کی نگاہوں سے دیکھتا ہے اور اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساری کائنات بھی اس کے ساتھ آہ وفغاں میں گرفتار ہے۔ اس مضمون کو شاعر یوں بیان کرتے ہیں:۔

اے فرقت زدہ محبوبہ! آج میرا درد، فرقت زدہ کائنات کی زبان پر
سیکڑوں گیتوں کا سُر بن کر تمہارے لئے تڑپ رہا ہے۔
تم دریا کے اس پار اور میں اُس پار۔ ملنے سے معذور!
تم آنسو بہاتی ہو اور میں پھول پیش کئے جاتا ہوں۔

المیہ گیتوں میں "مسافر موچھورے آنکھی جل" "پاشانیر بھنگالے گھوم، کے تمی سُر یر چھونوائے"، "دِتے ایلے پھولِ ہے پریو آجی اِسے سمادھی تے مور" قابلِ ذکر ہیں۔

سرزمین بنگال فطری حسن سے بھرپور ہے۔ اس سے ہمارے دلی جذبات کا گہرا تعلق ہے۔ ہمارے ہجر و وصال اور مسرت و مصیبت کے جذبات پر فطرت کا اثر پڑے بغیر نہیں رہ سکتا۔ فطری مناظر کے توسط سے ہمارے شعرا آئے دن اپنے جذبات و خیالات کی تصویر کھینچتے رہتے ہیں۔ نذرالاسلام نے بھی فطرت کو عاشقانہ نگاہ سے دیکھا اور انھیں اس میں اپنی محبوبہ کا عکس نظر آیا۔ مثال کے طور پر ان کی نظم "سندھو" کو لیا جاسکتا ہے۔ اس نظم میں وہ سمندر کو اپنا ہمراز خیال کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں سمندر ہجر کے درد میں مبتلا ہے۔ وہ بھی باغی ہے اور اس کی بغاوت دردِ فراق کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ نذرالاسلام خود دردِ ہجر میں پھنسے ہوئے ہیں اور وہ خود باغی ہیں۔ اس لئے انھیں اپنی ذات اور سمندر کی ذات میں یگانگت نظر آتی ہے۔ وہ سمندر کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں:۔

اُے سمندر!
ایک ہی سوزش اور ایک ہی درد میں
تو بھی روتا ہے - میں بھی روتا ہوں اور میری محبوبہ بھی روتی ہے۔

یہ سمندر نذرالاسلام کی بغاوت و انقلاب، درد و ہجر اور حسن و عظمت کا ترجمان ہے - اس لئے وہ بصد احترام اسے سلام کرتے ہیں :-

اُے عظمت والے! اے ازلی فرقت کے جھیلنے والے!
اُے سمندر! اے میرے ہمدم، اے میرے باغی!
اُے میرے حسین!
میرا سلام لینا!

کبھی کبھی نذرالاسلام کی محبوبہ فطرت میں گھل مل جاتی ہے - اس لئے وہ اس سے اپنی محبت کا رشتہ جوڑتے ہیں - وہ درخت کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :-

مجھے تیری پتیوں میں اس کی آنکھوں کے کاجل کا نقشہ نظر آتا ہے۔
اس کا قامت تیرے ہی جسم کے مانند دراز ہے۔
تیری جھر جھر پھر پھر کی آواز اس کی دبی آواز ہے۔
تیری شاخ پر اس کی ساڑی کا آنچل آویزاں ہے۔

نذرالاسلام کی بعض عشقیہ نظمیں اور گانے جو سیاسی ماحول یا شاعری کے ابتدائی دَور میں لکھے گئے، ان میں مادیت کی کارفرمائی اور گہرائی کی کمی نظر آتی ہے - مگر آخری دَور میں جو گیت اور نغمے ان کے قلم سے نکلے، ان میں شاعرانہ کمال نظر آتا ہے۔ رومانیت، ہمہ گیری، روحانیت اور وارفتگی ان تخلیقات کی خصوصیات ہیں۔

نذرالاسلام کے عشق کا آغاز مادی عشق سے ہوتا ہے - مگر وہ شخصی اور محدود عشق سے گزر کر ہمہ گیر محبت اور حقیقی عشق تک پہنچنا چاہتے ہیں - وہ جام سے شراب پینا چاہتے ہیں مگر جام کو فقط ایک ذریعہ سمجھتے ہیں، اور شراب ہی کو مقصود بالذات قرار دیتے ہیں - دوسرے لفظوں میں وہ مادیت کے توسط سے روحانیت حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں - وہ مختلف ذرائع سے ازلی عشق حاصل کرنا چاہتے ہیں - ان کے خیال میں ہر محبت، چاہے وہ انسان سے ہو یا فطرت سے، اس میں ازلی محبت کا ہمہ گیر جلوہ ضرور کارفرما ہوتا ہے - شراب کا ظرف اگرچہ مقصود بالذات نہیں تاہم اس کا اثر شراب پر ضرور پڑتا ہے - اسی لئے وہ "کثرت میں سے" وحدت " حاصل کرنا چاہتے ہیں - وہ ہر حسن کا لطف اس لئے اُٹھاتے ہیں کہ اس کے پردے میں انھیں حسنِ ازل کا پرتو نظر آتا ہے - فرماتے ہیں :-

ہر وہ چیز جس کا حسن دیکھ کر میں نے بوسہ دیا ہے،
ہر وہ چیز جس کو بوسہ دے کر میں نے حسین بنایا ہے،
ان سب میں تیرا ہی جلوہ محسوس کیا ہے۔

محبت ایک حقیقت ہے مگر وہ جن چیزوں میں بستی ہے وہ متعدد ـــــ بے شمار ہیں۔
یہی وجہ ہے کہ ـــ اسے چاہتا ہوں تو دل سے محسوس بھی کرتا ہوں پھر بھی نہ جانے کیوں دل روتا ہے!
شراب ایک حقیقت ہے مگر اس کا ظرف حقیقت نہیں۔
تاہم جس ظرف میں پیو ، اس کا نشہ ضرور ہوگا۔
اے میری ازلی رفیقہ!
لطف ہے کہ اتنے دنوں کے بعد میں نے تجھے پہچان لیا ہے۔
تو میری محبت کے اندر ہی روپوش ہے۔
فضول میں تجھے ڈھونڈتا ہوں اور زندگی بھر روتا ہوں۔
ہر رنگ روپ میں تو موجود ہے اور مجھے بُلا رہی ہے۔
تجھے میں نے پہچان لیا ہے۔
میں جس سے بھی محبت کروں ، وہ تو ہی ہے۔
وہیں تو مل سکتی ہے۔
محبت ایک ہے مگر محبوب بہت ہیں۔
مختلف ظرفوں میں محبت کی رنگین شراب پیوں گا۔
اے بے نام محبوبہ! تجھے فرطِ اشتیاق سے مزے لے لے کر پیوں گا۔
کبھی صراحی میں پیوں گا تو کبھی شیشے میں اور کبھی اسے پیالے میں نوشِ جان کروں گا۔

(انامِکا ، سندھو ہندول)

"آرکنودن" کے عنوان سے شاعر کی ایک نظم ہے ۔ وہاں انھوں نے صاف کہا کہ ان کی شراب ، شراب "الودود" یعنی عشقِ الٰہی ہے:۔

اے ساقی! جب تونے میرا ذہن خراب ہی کر دیا تو شراب دے۔
"الودود" کی شراب کا دور مسلسل چلنے دے۔

نذرالاسلام کی نظم "پتھ چاری" (راہی) کی آخری چند سطریں ملاحظہ ہوں۔ یہاں شاعر کا عشق، عشقِ الٰہی کے بحرِ لامتناہی سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ رواں دواں ندی کو اپنا ہمراہ اور ہمراز خیال کرتے ہیں۔ اس کی زبان میں اپنے خیال کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اور زبانِ حال میں کہہ رہے ہیں ـــــ اے ندی! تو بھی منزل کی جویا ہے اور میں بھی منزل کا جویا ہوں ۔ تو فرازِ کوہ سے اپنے درد بھرے آنسوؤں کو لے کر تیزی کے ساتھ سمندر سے ملنے جا رہی ہے۔ کم گہرے پانی کی کثافت سے دور ہٹ کر عمیق سمندر کے صاف و شفاف پانی سے لطافت حاصل کرنا چاہتی ہے۔ آگے چل ۔ میرے ہی ساتھ چل ۔ ہماری منزل ہمارا انتظار کر رہی ہے۔

ندی اپنے سیلاب کے پانی سے یوں مخاطب ہے:۔

اے سیلاب کے پانی! تو قل قل کرتا ہوا آگے بڑھتا جا - آگے بڑھتا جا!
یہاں گدلا پانی تجھے ہمیشہ میلا کچیلا بنا رہا ہے -
یہاں تجھے اشکِ شور کہاں ملیں گے؟ اے راہی! چل ـــــ آگے چل -
سات سمندروں کا نمکین پانی تیرا انتظار کر رہا ہے -

(ہینا چاری، چکرباک)

نذرالاسلام کی نظم "آخری التجا" (دولن چاپنا) میں یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہوگئی ہے کہ وہ عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی تک پہنچنا چاہتے ہیں - وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ اس عالمِ ناسوت ہی میں عشق کے تمام مناقشات، درد و الم، مایوسی اور نا امیدی کا خاتمہ ہو جائے اور آنے والی نئی زندگی میں انھیں ایک فرخندہ اور جاودانی وصال نصیب ہو! اس عالمِ فانی کا ادھورا وصال تکمیل کو پہنچے - اس دُنیا کا خود غرضانہ درد والم آنسوؤں سے پاک صاف ہو جائے اور یہ آنے والی زندگی کے لئے ایک مکمل اور دائمی وصال کا موجب بنے -

رخصت کے وقت شاعر نذرالاسلام اپنی محبوبہ سے ان الفاظ میں خطاب کرتے ہیں :-

یوں تو میری ساری زندگی تیری محبت میں گزر گئی -
آج آخری وقت پرنم آنکھیں لے کر میں یہ التجا کرتا ہوں -
کہ اس پُراندوہ رخصت کے وقت
تیرا یہ پیار، یہ تغافل،
یہ ناز و غمزہ، یہ کھیل
آنے والی نئی زندگی میں ہنسی خوشی کے ساتھ
اِس دنیا کے ادھورے وصال کے لئے تکمیل کا موجب بنے -

(آخری التجا، دولن چاپنا)

یہ عشق کے وہ منازل ہیں جہاں نذرالاسلام حسنِ ازلی اور محبوبِ حقیقی کے جویا نظر آتے ہیں - مگر ان کے آخری دَور کی والہانہ نظمیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ انھیں اپنی مطلوبہ حقیقت مل گئی ہے اور وہ الوہی عشق کی شراب سے سرشار ہیں - فرماتے ہیں :-

عشقِ الٰہی کی شراب پی کر
میں مدہوش پڑا رہتا ہوں -
مسجد (ظاہری شریعت) سے گذر کر
اس مسلکِ عشق سے میرا مرشد
اپنے رتبے پر پہنچا ہے -

نذرالاسلام کے عشقیہ سنگیت پر عمر خیام اور حافظ کا کافی اثر نظر آتا ہے - اس کی ایک وجہ بھی ہے - وہ یہ کہ

فوجی زندگی میں کراچی کے دورانِ قیام میں انھوں نے عمرخیام اور حافظ کی شاعری کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ ان کا رباعیاتِ حافظ اور رباعیاتِ عمرخیام کا بنگلہ ترجمہ اسی تاثر کا نتیجہ ہے۔ ان دونوں کی طرح نذرالاسلام کی عشقیہ شاعری میں بھی حُسن کی نغمہ سرائی، جوانی کی مستی، جسمانی لذّت اور لطف اندوزی کا بیان بہ کثرت نظر آتا ہے۔ تینوں کی شاعری میں شباب و بہار، شراب و ساقی، اور کیف و سرور کے نظارے ملتے ہیں۔

عمرخیام :-

روزے کہ گذشتہ است، ازو یاد مکن
فردا کہ نیامدہ است فریاد مکن
بر نامدہ و گذشتہ بنیاد مکن
حالے خوش باش و عمر برباد مکن

دورانِ جہاں بے مئی و ساقی ہیچ است
بے زمزمۂ نائے عراقی خوش نیست
ہر چند در احوال جہاں می نگرم
حاصل ہمہ عشرتست و باقی خوش نیست

حافظ :-

بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرحِ نو در اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خونِ عاشقاں ریزد
من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم

ساقی بہ نورِ بادہ برافروز جامِ ما
مطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکامِ ما
ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذتِ شُربِ مدامِ ما

نذرالاسلام :-

ترجمہ اِسی نمبر میں ملاحظہ ہو :

باایں ہمہ اشتراک، زندگی کی بقا اور زوال کے موضوع پر نذرالاسلام، حافظ اور عمرخیام سے الگ ہو جاتے ہیں۔ عمرخیام اور حافظ زندگی کی بے ثباتی، خوش عیشی اور لطف اندوزی

کی تعلیم دیتے ہیں۔

عمر خیام:

در باب کہ از روح جُدا خواہی رفت
در پردۂ اسرارِ فنا خواہی رفت
مے نوش، ندانی از کجا آمدۂ
خوش باش، ندانی کہ کجا خواہی رفت

اے بیخبر ایں شکل مجسم ہیچ است
ویں طارمِ نو سپہرا رقم ہیچ است
خوش باش کہ در نشیمنِ کون و فساد
وابستۂ یک دمیم و آں ہم ہیچ است

حافظ:

حاصل کارگہِ کون و مکاں ایں ہمہ نیست
بادہ پیش آر کہ اسبابِ جہاں ایں ہمہ نیست
غمِ دنیائے دنی چند خوری، بادہ بخور
حیف باشد دل دانا کہ مشوش باشد
خوش تر از فکرے وجام چہ خواہد بودن
چوں خبر نیست کہ انجام چہ خواہد بودن

نذرالاسلام کا فلسفۂ زندگی ان دونوں سے مختلف ہے۔ غالبؔ، حافظؔ اور عمر خیامؔ زندگی کی پائداری کے قائل نہیں۔ وہ اس حیاتِ دنیا کو آنی وفانی اور خواب وخیال سمجھتے ہیں۔ مگر ٹیگورؔ، اقبالؔ اور نذرالاسلام زندگی کو پائدار خیال کرتے ہیں۔ وہ موت کو "تجدیدِ مذاقِ زندگی" سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ موت دراصل روح کی فنا کا نام نہیں ہے۔ بلکہ زندگی کی کیفیت میں ایک خاص تبدیلی کا نام ہے۔ حیات ایک دھارا ہے جو ہمیشہ بہتا رہتا ہے۔ یہاں روح کو ترقی دینے کا جو کام باقی رہے گا اسے موت کے بعد کی زندگی میں پورا کیا جائے گا۔ ترقی کی رفتار میں کبھی وقفہ نہ ہوگا۔ حیاتِ دنیوی کا رشتہ حیاتِ اخروی کے دھارے کے ساتھ ضرور منسلک ہے۔ بہ الفاظ دیگر موت وہ دروازہ ہے جس سے گذر کر ہم زندگی کی دوسری اور بلند تر منزل میں داخل ہوتے ہیں۔ اسی لئے نذرالاسلام موت سے ہراساں نہیں۔ وہ نوجوان بہادروں کو اپنے ملک کی تزئین وآرائش کے لئے آغوشِ مادر چھوڑ کر میدانِ جنگ میں اتر جانے کی دعوت دیتے ہیں اور زندگی کی بلند تر منزل میں گامزن ہونے کی ترغیب دیتے ہیں:۔

فرماتے ہیں:۔

موت زندگی کا خاتمہ ہرگز نہیں۔
سناؤ! ضرور سناؤ!
غیر متناہی زندگی کا دھارا ہمیشہ سے بہہ رہا ہے۔
جری اور جوانی کے نشہ میں سرشار آدمیوں
کو ماں کی محبت بھری آغوش چھوڑ کر باہر آنے دو۔
بہادر اولادوں کو
اپنی خاک وطن کو سجانے بسانے دو۔

(آخری سوغات)

نذرالاسلام کے یہ الفاظ گویا اقبالؔ کے فلسفۂ زندگی کی صدائے بازگشت ہیں۔ زندگی کی پائداری کے متعلق اقبالؔ فرماتے ہیں:۔

موت تجدید مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

جوہرِ انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے، فنا ہوتا نہیں

عشقیہ سنگیتوں میں تعمقِ فکر کے لحاظ سے بنگلہ ادب میں ٹیگورؔ لاثانی ہیں۔ ان میں روحانی عشق و محبت کی گہرائی اور عالمگیر خیالات کی وہ فراوانی ملتی ہے جو نذرالاسلام کے بس کی بات نہیں۔ مگر نذرالاسلام نے عام لوگوں کے جذبات، ان کی عشق و محبت کی واردات اور وصال و فراق کی داستانوں کو ایسے سیدھے سادے اور دلکش انداز میں بیان کیا ہے کہ پڑھنے والا یا سننے والا یہی سمجھتا ہے کہ یہ میرے دل کی باتیں ہیں۔ اسی لئے ان کے گانوں کو وہ ہردلعزیزی حاصل ہوئی، جو ٹیگور کے گیتوں کو نصیب نہیں ہوئی۔ نذرالاسلام کے عاشقانہ گانوں میں " بھالو بسائے باندھبو باسا" (محبت سے گھر باندھوں گا)، " دیتے ایلے پھول ہے پریو" (پیارے تو پھول چڑھانے آیا ہے)، " پدئیا ہوئے ایسو رانی" (آجا رانی! تو پیاری بنی رہے گی)، " ساون ایلو پھرے" (ساون لوٹ آیا ہے)، آمائے بینے گو، بھالو باسو مور گان" (تو میرے گیت سے محبت رکھتی ہے، مجھ سے نہیں)، " ساون راتے جدی شرنے آسے مورے" (اگر میں ساون کی رات یاد آؤں)، "کینو آنو پھول ڈور" (گلدستہ کیوں لاتی ہو؟) بنگلہ ادب کے مایۂ ناز شاہپارے ہیں۔

نذرالاسلام کے سنگیت میں ان کی غزلوں کو بہترین تخلیقات خیال کیا جاتا ہے۔ اسی صنف میں ان کی رومانی، اور غنائی شاعری کی معراج ہوئی ہے۔ اسی میں ان کے فنکارانہ کمال کا مکمل ظہور ہوا ہے۔ مغلیہ حکومت کے زمانے سے بنگلہ ادب پر فارسی غزلوں کا اثر پڑنا شروع ہوا۔ بنگلہ ادب میں غزلیں لکھی تو جاتی تھیں مگر وہ فارسی غزلوں کے رنگ روپ میں ہوتی تھیں۔ ان میں مقامی رنگ کا فقدان تھا۔ نذرالاسلام سے پہلے اتُل پرشاد نے بھی بنگلہ غزلیں لکھیں مگر وہ

اُردو غزلوں کی ہو بہو نقالی سے آگے نہ بڑھ سکیں - ہاں نذرالاسلام نے غزل گوئی میں بنگلہ ادب کا مزاج ملحوظ رکھا - ان کی غزلوں پر حافظؔ کا گہرا اثر نظر آتا ہے - انھوں نے خواجہ حافظؔ اور مولانا رومیؒ وغیرہ کی فارسی غزلوں اور خیام کی رباعیوں کا براہ راست مطالعہ کیا - اور ان سے اثر لے کر بنگلہ غزلیں لکھیں - ایرانی سُروں کو بنگلہ سنگیت کے سانچوں میں ڈھالا اور ان میں مقامی رنگ پیدا کیا - انھیں مقامی ذوق کے مطابق بنایا - اسی صنفِ شاعری میں انھوں نے نئے نئے سُروں کا تجربہ کیا - گم شدہ سُروں کو ماہرینِ فن سے حاصل کیا اور اسی صنف کے توسط سے انھیں دوبارہ زندہ کیا - دیسی اور بدیسی راگ راگنیوں کی آمیزش سے بنگلہ سنگیت میں ایک حیرت انگیز تنوع پیدا کیا - ان کی کتاب "بلبل" اس سلسلے میں خاص طور پر قابلِ ذکر ہے -

یوں تو نذرالاسلام نے کم و بیش ہر جگہ عربی و فارسی الفاظ کا استعمال کیا ہے مگر غزلوں میں انھیں ایسے فنکارانہ کمال کے ساتھ استعمال کیا کہ ان کا یہ طرزِ نگارش قدیم پوتھی ادب کے اسلوبِ بیان سے بہت قریب پہنچ گیا ہے - اور اس سے ان کے کلام کی لطافت اور دلچسپی میں بھی اضافہ ہوا ہے - سنگیت کے میدان میں نذرالاسلام کو جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے وہ بڑی حد تک ان کی غزلیہ گانوں کا صدقہ ہے - عشقیہ شاعری میں "بلبل" اور "چوکھیر چاتک" ان کی بہترین کتابیں ہیں - غزلیہ گانوں میں " باغیچائے بلبلی توئی ، پھول شاکھاتے دِس نے آجی دول " (تو باغ کی بلبل ہے ، پھول کی شاخوں میں آج لہر پیدا نہ کر) ، " کے بدیسی بن اداسی ، بانسیر بانسی بجاؤ بنے " (تو کون پردیسی بن میں متوالا ہے اور بانس کی بانسری بجا رہا ہے) ، " کینو آنو پھول ڈور آجی اے بدائے بیلائے " (آج رخصت کے وقت گلدستہ کیوں لاتی ہو) " رتنی بھور ہولو جاگیا پران پیا " (اے جانِ جاں ! جاگتے ہوئے میں نے رات کاٹی) کے - او بھولے نا - کے - او بھولے " (بعض نہیں بھولتے ہیں اور بعض بھول جاتے ہیں) ، " کرون کینو ارون آنکھی " (سُرخ آنکھیں کیوں پرنم ہیں) وغیرہ قابلِ ذکر ہیں -

نذرالاسلام نے شیام سنگیت بھی گائے اور وشنو سنگیت بھی - شیام سنگیت میں رام پرشاد کے بعد ہی ان کا درجہ خیال کیا جاتا ہے - وشنو سنگیت میں ان کا درجہ بلند نہ ہو تو قابلِ ذکر ضرور ہے -

نذرالاسلام نے اسلامی سنگیت کو رواج دے کر سرزمینِ بنگال کے مسلمانوں کا دل موہ لیا - انھوں نے انقلابی نظموں سے بنگال میں گھر گھر آزادی کی لہر دوڑائی اور اسلامی سنگیت سے مسلمانوں میں مذہبی جوش و جذبہ ابھار کر انھیں قعرِ مذلت سے نکالنے کی کوشش کی - انھیں اپنے شاندار ماضی کی یاد دلا کر ہمت و حوصلہ اور غیرت و حمیت سے کام لینے پر آمادہ کیا - موسیقار عباس الدین (۱۹۰۱ء ـــــ ۱۹۵۹ء) نے ان کے اسلامی سنگیتوں اور غزلوں کو گا گا کر ہر دلعزیز بنایا - یہ اسلامی غزلیں مسلمانوں کی روزمرہ زندگی کے واقعات ، تہذیب و تمدن ، رسوم و روایات اور مذہبی عقائد کی آئینہ دار ہیں - اس اسلامی ادب کی بدولت نذرالاسلام مذہبی حلقوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے - جن لوگوں نے کسی وقت ان پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا وہی لوگ ان کے اسلامی ادب سے متاثر ہو کر پھر ان کے گرویدہ ہو گئے - ان کا شیام سنگیت کسی مسلمان پر گراں گذرتا ہو ، تو ان کی عقیدت مندانہ اور نیاز مندانہ غزلیں اسے ضرور ان کا گرویدہ بنا لیتی ہیں - بے جان سے بے جان آدمی کے سامنے بھی یہ غزلیں لے بھری آواز میں پڑھی جائیں ، تو اس کا دل پھڑک اٹھے گا - اس میں ایمانی جوش و جذبہ اُبھر آئے گا - آج بھی اکثر میلاد کی محفلوں میں ان کے قصائد پڑھے جاتے ہیں - جن کو سن کر لوگ جھوم اٹھتے ہیں ... بے ساختہ ان کی زبانوں سے " واہ وا " نکل جاتی ہے اور دل سے دعائیں نکلتی ہیں -

نذرالاسلام کے قلم سے حمد، نعت ، مرثیہ ، غرض مختلف قسم کے اسلامی سنگیت نکلے ہیں۔ ان میں بعض شاہپارے ایسے ہیں کہ دُنیا کی اور زبانوں میں ان کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ اس سے پہلے بھی مسلمان شاعروں نے اسلامی گانے لکھے تھے مگر اس کا بیشتر حصّہ زبان و بیان کے لحاظ سے اعلیٰ ادبی معیار سے گرا ہوا تھا۔ اس لئے وہ گانے تعلیم یافتہ حلقوں میں مقبول نہ ہوسکے۔ نذرالاسلام نے اسلامی گیتوں اور غزلوں کو ایسی آسان اور دلکش زبان میں پیش کیا کہ عوام و خواص سب ہی ان سے محظوظ ہوسکتے ہیں۔ ان کا اسلامی سنگیت اس بات کا ثبوت ہے کہ مذہبی جذبات کے ذریعے ایک پسماندہ قوم میں کس طرح زندگی کی روح پھونکی جاسکتی ہے۔

نذرالاسلام کے اسلامی گانوں کی تعداد دوسو کے قریب بتائی جاتی ہے۔ یہ اسلامی ادب کا ایک بیش بہا ذخیرہ ہے۔ بنگلہ ادب اس پر جتنا بھی فخر کرے، کم ہے۔ بنگال کے کئی شاعروں پر نذرالاسلام کے اسلامی ادب کا نمایاں اثر نظر آتا ہے۔ اس سلسلے میں غلام مصطفیٰ ، فرخ احمد، مفخرالاسلام ، میزان الرحمٰن ، ڈاکٹر شہیداللہ ، قاضی مطہرحسین وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

نذرالاسلام کے اسلامی گانوں کے دو ایک نمونے قارئین کی لُطف اندوزی کے لئے پیش کئے جاتے ہیں:۔

عشقِ الٰہی

نعت:۔ عشقِ الٰہی کی شراب پی کر
میں مدہوش پڑا رہتا ہوں۔
مسجد[۱] سے گزر کر اس مسلکِ عشق سے
میرا مرشد اپنے رتبے پر پہنچا ہے۔

○ ○

میں روز روز کی مناجات میں یہ نہیں چاہتا۔
کہ اس حیات دنیوی کے بعد
روزوں اور نمازوں کے بدلے
مجھے بہشت ملے۔

○ ○

جس طرح قیس لیلےٰ کی خاطر
"مجنوں" ہوگیا تھا،
جس طرح شیریں کی محبت میں

---

[۱] ظاہری شریعت سے آگے عشق اور معرفت کی بدولت میرے سرکار دو عالم[ؐ] فائزالمرام نکلے۔

فرہاد دیوانہ اور بے تاب تھا،
اسی طرح میں ــ اپنے خدا ہی کے عشق میں
بے خود اور سرشار ہوں -

○ ○

پروانہ خوفِ سوزش سے لاپروا ہو کر
بے خطر آگ میں کود پڑتا ہے -
سمندر کا پانی چاتک* کی پیاس ہرگز نہیں بجھا سکتا ہے!
وہ مینہ کے قطروں کے لئے ترستا رہتا ہے -
چکور چاند کا عاشق ہوتا ہے -
مگر چاند آسمان پر کہیں دور ہے!
سورج کتنی دور ہے -
مگر سورج مکھی اسی کا طالب ہے -
اسی طرح میں بھی بے فکر و نڈر
خدا کا مشتاق ہوں -

(ذوالفقار)

محرّم کا چاند

مرثیہ:- پھر محرم کا چاند رُلانے کو آگیا ہے -
"واحسینؑ واحسینؑ" کا ماتم سُنائی دے رہا ہے -
کربلا میں زین العابدینؑ رو رو کر بیہوش پڑا ہوا ہے -
بہشت میں علیؓ اور فاطمہؓ زار و قطار رو رہے ہیں -
آج بھی زمین و آسمان بلکہ کل مخلوقات کے رونے کی آواز سُنائی دے رہی ہے -
سوگوار صحرا میں ابر سے خون کے آنسو ٹپک رہے ہیں -
قاسم کی نعش پر بیوی سکینہ رو رہی ہے -
اصغر کے ننھے سینے میں تیر دیکھ کر خود خدا رو رہا ہے -
آج دُنیا کے تمام مسلمان رو رہے ہیں - اور ان کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں -

* چاتک ایک پرندہ ہے جس کی پیاس پانی سے نہیں بجھتی - وہ آسمان کی طرف نگاہ اٹھائے بادل کا منتظر رہتا ہے -

انھیں کے سوگ میں ہزار سال سے آنسو بہا رہے ہیں۔

(ذوالفقار)

رمضان کے روزوں کے بعد

اے دل! رمضان کے روزوں کے بعد
خوشی کی عید آگئی ہے۔
تو آج اپنے آپ کو وقف کردے۔
سُن! اسس پر آسمان سے تاکید آگئی ہے۔

O O

طلائی زیورات، شاندار محل سب کچھ
راہِ خدا میں دے دے!
مُردہ مسلمانوں میں جذبۂ بیداری پیدا کرنے کے لئے
تو آج صدقہ وخیرات کر۔

O O

اے میرے دل! تو اس عیدگاہ میں
نماز عید پڑھ
جس میدان میں مجاہدانِ اسلام
جامِ شہادت پی چکے ہیں۔

O O

آج دوست ودشمن کے فرق کو بھول کر
ہاتھ سے ہاتھ ملا۔
تاکہ تیری محبّت کو دیکھ کر ساری دُنیا
اسلام کی گرویدہ ہوجائے۔

O O

جو لوگ زندگی بھر روزے رکھتے ہیں۔
اور ہمیشہ فاقہ کشی کرتے ہیں،
تو ان غریبوں اور مسکینوں کو

توفیق بھر عطا کر۔

○ ○

تو اپنے دل کی طشتری میں
توحید کی شیرینی ڈال
اُمید ہے کہ حضرت محمدؐ
تیری دعوت کو قبول کرلیں گے۔

○ ○

زندگی بھر جو پتھر تجھ پر
برسائے گئے
تو انھیں اُٹھالے
اور انھیں سے محبت کی مسجد تعمیر کرلے۔

(ذوالفقار)

نامِ محمدؐ

نامِ محمدؐ کا وِرد جس قدر زیادہ کرتا ہوں اُسی قدر لذّت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔
کون جانتا تھا کہ اس نام میں اتنی لذّت ہے۔
اس نام کے شہد کی چاہت میں
مَن کا بھونرا نغمہ سرائی کیے جاتا ہے۔
اس نام کے وفورِ شوق سے
مجھے بھوک اور پیاس کا احساس تک نہیں۔

○ ○

وہ میرا عزیز ترین نام ہے۔
اسے مجنوں کی طرح ہمیشہ جپتا ہوں۔
اس نام کا پپیہا میری روح
کے گلزار میں گائے جاتا ہے۔

○ ○

اس نام کا مسافر
تخت اور شاہنشاہی نہیں چاہتا۔

یاالہٰی ! ہمیشہ وہ نام
مجھے یاد آئے !

مزاحیہ اور طنزیہ گانوں میں نذرالاسلام نے ہنسی مذاق کے پیرائے میں گہری باتیں سنائیں۔ انھوں نے ایک طرف مزاحیہ گانے مثلاً "جدی"، "تکیہ بزبیتو"، "ہنتے بیربیت" لکھ کر ہمیں دل بہلانے اور صرف دل بہلانے کا بہتیرا سامان پیش کیا تو دوسری طرف کافی تعداد میں طنزیہ گیتوں کی تخلیق سے سماج کی بدعنوانی، عیّاری اور مکّاری کی بھی قلعی کھولی ہے۔ "توبہ"، "پیکٹ"، "سرابیل"، "لیگ آف نیشن"، "راونڈ ٹیبل کانفرنس"، "سائمن کمیشن رپورٹ" جیسی نظمیں لکھ کر قومی اور بین الاقوامی سیاست وحکومت کی چالبازیوں اور حیلہ گریوں کا پول کھولا ہے۔ مزاحیہ نظموں میں دجیندرلال کے بعد ہی نذرالاسلام کا نام لیا جا سکتا ہے۔

مختصر لفظوں میں نذرالاسلام بنگلہ سنگیت کے بادشاہ ہیں۔ اسی کی بدولت وہ سنگیت کی تاریخ میں زندہ جاوید ہو کر رہیں گے ◆

نذر الاسلام کی شاعری میں اسلام کا روپ

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا
——— (اقبالؔ)

——— دُنیا میں پھر اسلامی فرمان جاری ہوگا ——— (نذرؔل)

نذر الاسلام ایک صوفی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد صوفی منش آدمی تھے۔ مذہبی جوش اور روحانی عقیدت انہیں ورثے میں ملی۔ ابتدائی عمر میں انھوں نے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ دینی مسائل شوق سے پڑھے۔ عرصے تک باقاعدہ مسجد کی خدمت کی۔ مؤذنی بھی کی اور امامت بھی۔ مذہبی ماحول میں رہ کر ان کی مذہبی عقیدتیں پختہ ہوگئیں۔ مزید براں فوجی زندگی میں انھوں نے پنجاب کے ایک مولوی صاحب سے حافظ شیرازی، مولانا روم اور دوسرے شعرائے فارسی کا کلام بھی پڑھا۔ اس سے ان کی مذہبی عقیدت اور زیادہ راسخ ہوگئی۔ مذہب اسلام کی آفاقیت اور ہمہ گیری کی خوبیاں ان پر واضح ہوگئیں۔

نذر الاسلام کو اپنی زندگی میں نشیب و فراز سے گذرنا پڑا۔ اس لئے فطری طور پر انھیں مظلوم انسانیت سے ہمدردی تھی۔ ان کی شاعری قول باری تعالیٰ: "وَ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ" (اور بے شک ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا ہے) کی صدائے بازگشت تھی۔ وہ عالمگیر انسانیت کا دل سے احترام کرتے تھے۔ کچلی ہوئی انسانیت کی نجات کے خواہاں تھے۔ اور اسی کے لئے انھوں نے اپنی شاعری کو وقف کر رکھا تھا۔ وہ بیدار مغز، ذہین اور وسیع النظر انسان تھے۔ انھوں نے مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرکے دیکھا کہ دنیا میں تنہا اسلام ہی خالصتاً انسانی تحریک ہے۔ اسی تحریک کے توسط سے انسانیت کا بول بالا ہو سکتا ہے۔ یہ واحد مذہب ہے جو بطریق اکمل توحید، آزادی، مساوات، دلیری، حق پرستی، انصاف اور امن و امان کا سبق سکھاتا ہے۔ یہ دنیا کے تمام انسانوں سے کہتا ہے کہ تم سب ایک ہی ماں اور ایک ہی باپ کی اولاد ہو۔ لہٰذا ایک دوسرے کے بھائی ہو اور انسان ہونے کی حیثیت سے برابر ہو۔ پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے:

"وہ شخص ایمان نہیں رکھتا جو خود پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا رہتا ہے۔"

دوسری جگہ آپ کا ارشاد ہے:—

"آپس میں بدگمانی نہ کرو - ایک دوسرے کے معاملات کا تجسّس نہ کرو - ایک کے خلاف دوسرے کو نہ اُکساؤ - آپس کے حسد اور بغض سے بچو - ایک دوسرے کی کاٹ میں نہ پڑو - اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔"

اِن تعلیمات کے پیشِ نظر سرزمین بنگال کے شاعرِ اعظم نذرالاسلام نے مذہب اسلام ہی کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کا زینہ قرار دیا اور مختلف پیرایوں میں اپنی شاعرانہ زندگی کی ہر منزل میں اسلامی اصول اور اسلامی نظریات کی ترجمانی کی - مسلمان نوجوانوں میں انقلابی جوش و جذبہ پیدا کرکے ان کے ذریعے ایک نئی دنیا آباد کرنے کا منصوبہ پیش کیا - اسلامی نظام جاری کرکے دُنیا بھر میں امن و امان قائم کرنا چاہا -

نذرالاسلام نے پرنسپل ابراہیم صاحب کے ایک خط کا جواب (۱۹۲۷ء) دیتے ہوئے لکھا :-

"عوامی قوت، جمہوریت، ہمہ گیر برادری اور نظریۂ مساوات اسلام کی جان ہے - اسلام کی اس جدّت و عظمت کا میں تو اعتراف کرتا ہی ہوں، جو اہلِ اسلام نہیں ہیں، وہ بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں - اسلام کی ان صداقتوں کو مرکز قرار دے کر ادب کیوں، ادب عالیہ کی بھی تخلیق کی جا سکتی ہے - میں ایک ادنیٰ شاعر ہوں - میں نے اپنی بہت سی نگارشات میں اسلام کی اس عظمت کا گیت گایا ہے ....

میں جانتا ہوں کہ بنگالی مسلمانوں کو ترقی یافتہ بنانے میں ملک کی سب سے بڑی فلاح مضمر ہے - ان میں احساسِ نفس نہیں - اسی لئے آج ہندوستان کی آزادی کا راستہ بند ہے۔"

(جوگ سرشٹا نذرل)

اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ نذرالاسلام کی شاعری صرف مسلمانوں کے لئے ہے - اور کسی کے لئے نہیں - کسی نبی اور رسول نے بھی یہ بات نہیں کہی کہ میں مسلمانوں کے لئے ہوں یا ہندوؤں کے لئے - عیسائیوں کے لئے ہوں یا یہودیوں کے لئے - انبیاء کی ہدایتیں نور کی طرح ہیں، جن سے سب کو یکساں فائدہ پہنچتا ہے - نذرالاسلام کی شاعری نہ مسلمانوں کے لئے ہے نہ ہندوؤں کے لئے - بلکہ پوری انسانیت کے لئے ہے - یہ اور بات ہے کہ ان کی راہِ عمل کیا ہے؟ انھوں نے اسلامی اصولوں کی ترجمانی اس لئے نہیں کی کہ وہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے ہیں اور نہ اس لئے کہ وہ مذہب اسلام کے کورانہ مقلد ہیں بلکہ اس لئے کہ انھیں اسلامی تحریک سے بہتر کوئی دوسری انسانی تحریک نظر نہیں آئی -

اس میں شک نہیں کہ دُنیا کے تمام مذاہب میں توحید کی تعلیم کم و بیش پائی جاتی ہے مگر خالص اور بے لوث توحید کی تعلیم اسلام کے سوا کسی اور مذہب میں نہیں ملتی - ہندو دیوتاؤں اور دیویوں کے قائل ہیں - وہ اینٹ، پتھر، آگ، پانی وغیرہ کے سامنے گردن جھکاتے ہیں - اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی مورتوں کو حاجت روا اور مشکلکشا سمجھتے ہیں - عیسائی، نظریۂ "تثلیث" سے خدا کی ذات میں شرک کرتے ہیں - غرض ہر مذہب میں کم و بیش شرک فی الذّات، شرک فی الصفات اور شرک فی العبادۃ کی تعلیم موجود ہے - مگر اسلام واحد مذہب ہے جو صحیح اور مکمّل توحید کی تعلیم دیتا ہے - اسلام کی نگاہ میں وہی مومنِ کامل ہے، جو اللہ کے سوا کسی کے آگے سر نہیں جھکاتا ہے - وہ خدا ہی سے مدد مانگتا ہے - اور کسی سے نہیں - نذرالاسلام نے اپنی شاعری میں اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان توحید کے اس جذبے سے سرشار ہوسکیں،

تو ساری دنیا ان سے مرعوب ہو جائے گی۔ فرماتے ہیں :۔

یہ کہہ دے ــــ "اللہ کے سوا کسی کا غلام نہیں بنوں گا۔"
تو دیکھے گا کہ تیرے رعب داب سے دنیا تھر تھرا رہی ہے۔
اللہ سے دعا کر ــــ "ہمیں دنیا کے بڑے لوگوں کے برابر کر دے۔
کسی کو ہماری دست گیری کرنے نہ دے۔ تو خود ہی دست گیری کر"
جو مرد اور عورتیں اس دنیا میں آزاد ہیں،
صرف وہی اللہ کے بندے اور بندیاں کہلاتے ہیں۔

نذرالاسلام نے اپنی نظم "ایک اللہ زندہ باد" میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا نظریاتی موازنہ کرتے ہوئے کہا:۔

ان کو کینہ و بغض پھیلانے دو۔
ہم کہیں گے ــــ "مساوات، امن اور ایک اللہ زندہ باد"
انھیں تنگ نظری، کبوتر کا گھونسلا اور گڑھے کی کیچڑ چاہنے دو۔
ہم وسیع آسمان، دائمی روشنی، محبت اور عدم امتیاز چاہیں گے۔

O O O

انھیں غلامانہ زندگی چاہنے دو۔ ہم شہادت کا درجہ چاہتے ہیں۔
وہ ہمیشہ موت سے ہراساں ہیں۔ ہم موت کو ڈھونڈتے ہیں۔
وہ مرنا نہیں چاہتے۔ جنگ چھڑنے پر وہ 'اروی' کی جھاڑی میں پناہ لیتے ہیں۔
وہ بے دنداں اور بے ناخن ہیں۔ پھر بھی گھر کے آنگن میں شور کرتے ہیں۔

O O O

جو بد نظمی اور بدحالی چاہتے ہیں، انھیں اس کا خمیازہ ضرور بھگتنا ہوگا۔
انھیں اپنی راہ پر چلنے دو، ہم اپنی راہ پر چلیں گے۔
وہ طاغوتی حکومت چاہتے ہیں، ہم اللہ کی خلافت چاہتے ہیں۔
اس دنیا میں ہمیشہ خوشی کا دور دورہ ہوگا۔ اس میں کوئی روک ٹوک نہ ہوگی۔
ہمیں کوئی کمی محسوس نہ ہوگی۔ ہمارا رب ہمیشہ مکمل ہے۔
لاش پر گدھ کی طرح چھینا جھپٹی کرنا ان کی عادت ہے۔
خدا ہمیں محفوظ رکھے۔ خدا کرے کہ ہم کبھی اس راستے پر نہ جائیں۔!
ایک اللہ ہی ہمارا رب ہے جو ازلی جمیل ہے۔

مساوات اسلام کا اہم ترین اصول ہے۔ اسلام کے نزدیک سماجی حقوق میں سب انسان برابر ہیں۔ ایک عیش و عشرت میں دن گزارے اور دوسرا دانے دانے کو ترستا رہے ــــ یہ اسلام کا طریقہ ہرگز نہیں۔ دولت کی غلط تقسیم کی وجہ سے

عوام تنگ دست رہیں اور دولت صرف سرمایہ داروں میں مرکوز ہوکر رہ جائے۔ یہ اسلام کا قانون نہیں۔ بلکہ اسلامی مساوات کا روپ یہ ہے جو نذرالاسلام اپنی نظم میں پیش کرتے ہیں:۔

آج دنیا بھر میں اسلام کا ڈنکا بج رہا ہے،
چھوٹے بڑے کا فرق نہیں ـــــ سب انسان برابر ہیں۔
نہ کوئی سلطان ہوگا، اور نہ کوئی رعیت۔
اسلام کا فرمان ہے ـــــ "ہم سب ایک دوسرے کے لئے ہیں۔
ہم آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ سکھ دکھ کو برابر بانٹ لیں گے۔
کسی کو ذخیرہ اندوزی کا حق نہ ہوگا۔"
کیا کسی کے آنسوؤں کی قیمت پر کسی اور کے گھر کی بتی روشن ہوگی!
کیا معدودے چند "بلند نصیب" ہوں گے اور لاکھوں بدنصیب!
ـــــ یہ اسلام کا طریقہ ہرگز نہیں۔

مساوات، اسلام کا صرف نظریہ بن کر نہیں رہا۔ بلکہ رسول کریم صلعم اور خلفائے راشدین نے اپنی زندگی میں اسے عملی جامہ پہنا کر دکھایا۔ حضرت عمر فاروق رضہ کے عہد خلافت میں ان کے سپہ سالار عمرو بن العاص نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا (۶۳۷ء)۔ عیسائیوں نے کچھ دنوں مدافعت کی۔ لیکن جب ان کی قوت بالکل ٹوٹ چکی تو وہ صلح پر آمادہ ہوگئے۔ اور یہ شرط پیش کی کہ امیرالمومنین خود آکر صلح کا معاہدہ لکھیں۔ حضرت عمر رضہ کو اس کی اطلاع دی گئی تو وہ ایک اونٹ اور ایک نوکر کو ساتھ لیکر بیت المقدس روانہ ہوئے۔ راہ میں دونوں باری باری اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ ایک اونٹ پر سوار ہوتا تو دوسرا اس کی نکیل کھینچتا چلا جاتا تھا۔ جب ان کی منزل قریب پہنچی تو سوار ہونے کی باری نوکر کی تھی۔ چنانچہ وہ سوار ہو گئے اور خود خلیفہ عمر فاروق رضہ، جن کے جاہ و جلال سے کجکلاہ شاہنشاہ تک لرزہ براندام ہو جاتے تھے، معمولی لباس میں ملبوس اونٹ کی نکیل پکڑے بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ اس نظارے کو شاعر نے اپنی نظم "حضرت عمر رضہ" میں کس خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو:۔

نوکر اونٹ پر سوار ہوا۔ حضرت عمر رضہ نے اس کی نکیل پکڑلی۔
آدم خاکی (نوکر) کو آسمان پر چڑھایا اور خود چاند (عمر رضہ) زمین پر اتر آیا۔

مذہب اسلام میں رنگ ونسل کا کوئی امتیاز نہیں۔ یہاں قومیت وطن سے نہیں بلکہ اعتقاد سے بنتی ہے۔ یہ وہ قومیت ہے جو جغرافیائی حدود کی پابند نہیں۔ جو پاکستان، ہندوستان اور انگلستان ہی کا نہیں بلکہ پوری دُنیا کو احاطہ کر سکتی ہے۔ اور جو اپنی ہمہ گیری کے باعث ہیئتِ اجتماعیہ کی تشکیل کا واحد حل ہے۔ اس نظریہ کی بنا پر دُنیا کے تمام مسلمان ایک ہی قوم کے افراد اور آپس میں بھائی بھائی بن جاتے ہیں۔ یہ وہ اخوت ہے جس سے بہتر مثال آج تک تاریخ عالم پیش نہ کر سکی۔ عالمی اتحاد کے قیام کے لئے اس سے بہتر کوئی اور نظریہ پیش نہیں کیا جاسکتا۔ نذرالاسلام نے اپنی شاعری میں جگہ جگہ "قومیت" کے اس اسلامی تصور کی ترجمانی کی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ نذرالاسلام نے قومی نظموں میں اپنے وطن کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک ہی قوم کے افراد کیسے قرار دیا ہے؟ مثلاً

ترجمہ اسی نمبر میں کہیں اور ملاحظہ ہو۔

ایسے مقامات میں "ذاتی" یعنی "قوم" کا لفظ محض ایک جغرافیائی تصور رکھتا ہے۔ اور اس حیثیت سے اسلامی نظریہ سے متصادم نہیں ہوتا۔ ہر انسان فطری طور پر اپنی پیدائشی جگہ سے محبت رکھتا ہے اور اپنی بساط بھر اس کے لئے قربانی کرنے کو تیار رہتا ہے۔ جغرافیائی تقسیم کے اعتبار سے ہم پاکستانی ہیں اور اسی لئے پاکستان سے ہم سب کو محبت ہے۔ نذرالاسلام بنگال کے شہری تھے۔ بنگال سے ان کی وطنی محبت کا ثبوت ان کی نظموں اور گیتوں سے بخوبی ملتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

ترجمہ اسی نمبر میں کہیں اور ملاحظہ ہو۔

وطنیت کے اس جغرافیائی تصور کے لحاظ سے نذرالاسلام اپنے وطن اور اہلِ وطن کے لئے جان نثار ہیں۔ علامہ اقبالؔ کو بھی جو اسلامی قومیت کے بہت بڑے مبلّغ ہیں، اسی لحاظ سے اپنے ملک کا درد دُکھ ہے۔ انھوں نے ہندوستان کی زبوں حالی کا ماتم ان الفاظ میں کیا ہے:۔

رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستاں مجھ کو — کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو — تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

نذرالاسلام دُنیا کے گوشے گوشے میں پڑے ہوئے مسلمانوں کو ایک ہی قومیت کے رشتے میں منسلک کرنے اور ان میں برادری و ہمدردی کا جذبہ اُبھارنے کے آرزومند تھے۔ فرماتے ہیں:۔

عرب، مصر، چین، ہند — سارا مسلم جہاں میرا بھائی ہے۔
کوئی اعلیٰ اور کوئی ادنیٰ نہیں — یہاں سب ہی برابر ہیں۔

اس حقیقت کو علامہ اقبالؔ نے یوں پیش کیا:۔

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا — مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گُم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

نذرالاسلام مسلم ممالک کے دل سے بہی خواہ تھے۔ مسلم ممالک کو ترقی کے میدان میں گامزن دیکھ کر ان کی خوشی کا فوارہ اُچھل پڑتا تھا۔ جب یہ اطلاع موصول ہوئی کہ کمال پاشا نے یونانیوں سے سمرنا کو واپس لے لیا، تو شاعر کی خوشی کی حد نہ رہی۔ انھوں نے مسرت بھرے جذبات میں کمالؔ پاشا کو ان الفاظ میں مبارکباد دی:۔

شاباش بھائی! تجھے اور تیری شمشیر کو شاباشی دیتا ہوں۔
تو نے سب دشمنوں کو ایک دم موت کے گھاٹ اتار دیا ہے!

بولو بھائی —— بولو!
"دنیا میں ترکوں کی تیز تلوار سے کون نہیں ڈرتا؟"

[چپ! راست! چپ]

○ ○ ○

" خوب کیا بھائی ، خوب کیا !
بزدل وہ دشمن سب بالکل صاف ہوگیا
خوب کیا بھائی ، خوب کیا ! "

یہ نذرالاسلام کے الفاظ ہیں۔اس لئے جوں کے توں نقل کردئے گئے۔

(کمال پاشا ، اگنی بینا)

ترکوں کی قومی بیداری اور فتح و نصرت سے متاثر ہوکر اقبال نے بھی ان کی یوں آؤ بھگت کی :۔

ربود آں ترک شیرازی دلِ تبریز و کابل را
صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم سفر پیدا!
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا ، تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

(طلوع اسلام ، بانگ درا)

مسلمانوں میں جذبۂ آزادی اور ہمت و جراًت کا فقدان دیکھ کر نذرالاسلام کا دل کڑھتا تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کو قول باری تعالٰی : " کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ " (تم بہترین امت ہو۔ بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے چنے گئے ہو) یاد دلایا۔ قرآن اور حدیث میں مسلمانوں کی امامت و حکومت کے متعلق آئے ہوئے پیغامات کی طرف ان کی توجہ ان الفاظ میں مبذول کی :۔

وہ آزاد کہاں ہے ؟ پورے معنوں میں وہ آزاد مسلمان کہاں ہے ؟
وہ روح کہاں جو اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی تھی ؟
اللہ جس کا رب تھا ، آج شیطان اس کا رب بنا ہوا ہے !
ڈھونڈھ کر دیکھا ــــ مسلمان نہیں ہے ، کافروں کی بھرمار ہے ، ــــ
کافر اسی کو کہتے ہیں ، جس پر خوف اور جمود چھایا ہوا ہو۔
تو یہ کیسے بھول گیا کہ مسلمان کسی کو غلام بنانے ! خود کسی کا غلام بننے کے لئے دنیا میں نہیں آیا ہے ۔
تونے یہ سب کچھ فراموش کردیا کہ تمام قیدخانوں ، بندھنوں
اور خوف و ہراس کو توڑنے ہی کے لئے قرآن اور نبیؐ نازل ہوئے تھے ۔

(آزاد نتون چاند)

اقبال نے اس مفہوم کو اپنے الفاظ میں یوں پیش کیا :۔

شور ہے ہوگئے دُنیا سے مسلماں نابود !
ہم یہ کہتے ہیں ــــ کہ تھے بھی کہیں مُسلم موجود ؟
وضع میں تم ہو نصاریٰ ، تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں ! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود !

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سب ہی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

انورپاشا کا ایک سپہ سالار یونانیوں کے ہاتھ میں قید ہوگیا تھا۔ نذرالاسلام نے اس کی زبان میں مسلمانوں کی بزدلی اور غداری کی تصویر یوں کھینچی :-

انور! انور!
ہم بے ایمان ہیں، ہم نیم جان بھی نہیں رہے -
تو مسلمان کہاں ڈھونڈ رہا ہے؟ سراسر وحشی جانور ہیں۔
انور! انور!
جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اس کی زبان پکڑ کر کھینچ لے!
بے ایمان صرف جان بچانا جانتا ہے -
انور! انھیں دھتکار دے!
ان کے کاندھوں پر بھیک کا تھیلا ہے ــــــ
تلوار کے ساتھ جن کی آزادی کا سبق شروع ہوتا تھا،
اور جو ناقابلِ شکست تھے، آج وہ قابلِ نفریں بنے ہوئے ہیں۔
انور! انھیں دھتکار دے!

نذرالاسلام، اسلام کی سنہری روایات کے قدرداں تھے - وہ آئینِ نو سے نہیں ڈرتے تھے اور طرزِ کہن پر بھی نہیں اڑتے تھے - بلکہ ان کے یہاں جدت و قدامت کا ایک حسین امتزاج ملتا ہے - انھوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا ماضی ان کے حال کی بہ نسبت زیادہ روشن ہے - اسی لئے انھوں نے پرانی روایات کی طرف ان کی توجہ مبذول کی - انھیں یقین تھا کہ اگر مسلمان " وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ " کے راز سے واقف رہیں اور ان میں سلفِ صالحین کا ایمانی جوش و جذبہ کارفرما ہو، تو ان کا مستقبل روشن ہے - فرماتے ہیں :-

ابوبکر صدیقؓ کی سچائی اور
عمر فاروق رضؓ کی قربانی آج نہیں رہی۔
بلال رضؓ کا ایمان بھی نہیں رہا۔
علی رضؓ کی ذوالفقار بھی نہیں رہی۔
جہاد کے لئے آج
بہادر شہداء بھی نہیں رہے -
آج قوتِ بازو نہیں رہی۔
خالد، موسیٰ اور طارق بھی نہیں رہے -

بادشاہت اور تختِ طاؤس نہیں رہا -
جو دُنیا کا مالک تھا آج فقیر بنا ہوا ہے -
اسلام صرف کتاب میں ہے -
اور مسلمان گور میں -

(ذوالفقار)

نذرالاسلام کے یہ الفاظ ہمیں کلامِ اقبال کی یاد دلاتے ہیں- انھوں نے مسلمانوں کی سطحیت اور بے عملی کو دیکھ کر انھیں اپنے زوال پر یوں متنبہ کیا :-

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذاں ' روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا ، تلقینِ غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

اس میں شک نہیں کہ نذرالاسلام ہندو اور مسلمان دونوں فرقوں کی آزادی اور خیر خواہی کے طالب تھے بلکہ ان کی آرزو یہ تھی کہ دُنیا بھر کی مظلوم انسانیت کو نجات ملے مگر چونکہ اسلامی اصولوں کے بل بوتے پر وہ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنا چاہتے تھے، اس لئے ان کا خطاب زیادہ تر مسلمان نوجوانوں سے تھا- انھیں کے ذریعے وہ عالمی بھائی چارہ اور امن و امان قائم کرنا چاہتے تھے- اس نقطۂ نگاہ سے انھوں نے بالخصوص مسلمانوں کو اُبھارنے کی کوشش کی- انھیں اپنی گم شدہ عظمت و شوکت یاد دلاکر حرکت و عمل کی طرف ان کی توجہ منعطف کی-

نذرالاسلام کو مشرقی ممالک کی بیداری میں دنیا اسلام کی نشاۃ الثانیہ کا سامان نظر آیا- دوسرے اسلامی ممالک کو ترقی کے زینہ پر گامزن دیکھ کر انھوں نے خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے پاک و ہند کے دس کروڑ مسلمانوں کو بیداری کا پیغام یوں دیا :-

چاروں طرف دینِ اسلام کی
سُرخ مشعل پھر جل اُٹھی ہے -
اے بے خبر! تو بھی جاگ اُٹھ
تو بھی اپنے دل کا دیپ جلا -

O O

عراقِ اعظم میں فیصل جاگ رہا ہے -
نیا ہارون رشید جاگ رہا ہے -
دیکھ ! نیند توڑ کر شام جاگ رہا ہے -

صرف ہندوستان کے دس کروڑ
غافل مسلمان نہیں جاگ رہے ہیں۔

○ ○

ہم اصحابِ کہف کی طرح
ہزاروں سال سے سو رہے ہیں۔
کسی وقت ہم میں کوئی بادشاہ تھا۔
آج بھی ہم اسی کی بڑائی کرتے ہیں۔
ہم جاگ اٹھیں تو دُنیا پھر
ہمارے قدموں پر جھک جائے گی۔

(ذوالفقار)

نذرالاسلام جان ودل سے مسلمانوں کے عروج کے خواہاں تھے۔ انھوں نے اپنی شاعری کی ہر منزل میں کم وبیش اسلامی اصولوں کی نشرواشاعت کی۔ ان کی نظم "شط العرب"، "محرم"، "قربانی"، "کھیا پاریرترنی"، "خالد"، "عمر فاروق"، "صبح امید"، "فاتح دوازدہم"، "کمال پاشا"، "النور" وغیرہ اس کا زندہ ثبوت ہیں۔ مگر ان کے آخری دَور کی شاعری میں عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول کے جو والہانہ جذبات نظر آتے ہیں، وہ اس سے پہلے کبھی نظر نہیں آئے۔ ۱۹۳۰ء کے بعد انھوں نے مسلمانوں کو روحانی قوت اور ایمانی جوش و جذبے سے سرشار کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ ان کی کتاب "ذوالفقار"، "نتون چاند"، "گل باغیچہ" وغیرہ ایسے پیغامات سے لبریز ہیں۔ ان کے خلوص اور ہمدردی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے مسلمانوں کی ابتری اور زبوں حالی سے متاثر ہوکر خدا سے یوں دعا مانگی :۔

اے خدا ! تو اسلام کو توفیق دے !
مسلمانوں کی دُنیا پھر آباد ہو !
انھیں گم شدہ سلطنت دوبارہ عطا کر !
قدیم قوت بازو اور دل آزاد عنایت کر !

اہلِ علم کو معلوم ہے کہ سورۂ فاتحہ کے کئی نام ہیں۔ ازاں جملہ "ام القرآن" بھی ایک ہے۔ اُم کے ایک معنی اصول کے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اسلام کی اصولی باتیں اجمالی طور پر بیان فرمائی ہیں، اسی لئے یہ اس نام سے موسوم ہے۔ اس میں اجمالی طور پر توحید، رسالت، بعثت، عبادت اور دوسری اصولی چیزوں کا بیان ہوا ہے۔ نذرالاسلام نے اس سورت کے مفہوم کو شاعری کا جامہ پہنا کر اسلامی اصولوں کی ترجمانی کی :۔

اے سارے جہاں کے پروردگار ! سب خوبیاں تیری ہی ہیں۔
تیرے رحم وکرم کی کوئی حد اور کنارہ نہیں۔
اے خدا ! تو ہی روزِ جزا کا مالک ہے۔

اے پروردگار! ہم تجھی کو پوجتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔
اے مالک! ہم کو سیدھا راستہ دکھا۔
اے خدا! ہمیں ان کے راستے پر چلا جن پر تو نے احسان کیا۔
نہ ان کے راستے پر جو کافر، مرتد اور بہکے ہوئے ہیں۔
اے پروردگار! ہم یہی چاہتے ہیں۔

(ذوالفقار)

نذرالاسلام کی مسلمانوں سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ انھوں نے اہلِ اسلام سے دُنیا کی امامت کا کام لینا چاہا۔ انھیں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ پر یقین تھا۔ انھوں نے فرطِ اشتیاق میں اہلِ ایمان کو نئے دَور کی بشارت دی۔ انھیں بے دین، مشرک اور کفّار سے لڑنے پر اُکسایا۔ انگریزوں کو اپنے ملک سے ہٹانے اور آزادی حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ میدانِ جنگ میں سربلند ہوکر پوری استقامت کے ساتھ جاں بازی کرنے کی تلقین کی۔ اسلامی جوش و جذبے سے سرشار ہوکر تلوارے کر آگے بڑھنے کا شوق دلایا۔ انھیں اس بات سے آگاہ کیا کہ تم نے غفلت میں بہت سا وقت گنوا دیا ہے مگر اب بھی تلافیٔ مافات کرنے کا وقت باقی ہے۔ چاروں طرف طوفان برپا ہے۔ تمہیں فوراً خوابِ غفلت سے اٹھ کر اپنی عظمتِ رفتہ حاصل کر لینی چاہیئے۔ فرماتے ہیں :-

طبلِ جنگ بج رہا ہے - مسلمانو!
تم سربلند ہوکر عمامہ باندھ لو!
عہدِ جدید کا پیغام آگیا ہے۔
ٹوٹے قلعے پر پرچم لہرا رہا ہے۔

○ ○

لب پر "کلمہ"، ہاتھ میں تلوار
سینے میں انتھک اسلامی جوش
اور دل میں عشقِ الٰہی لے کر
بڑھے چلو! بڑھے چلو! بگل بج رہا ہے۔
تجھے کوئی خوف نہیں - تیرے گلے میں
قرآنِ پاک کا تعویذ بندھا ہوا ہے۔

○ ○

ہم عیش و عشرت کے لئے نہیں پیدا ہوئے تھے۔
شہادت ہماری منزلِ مقصود تھی۔
جن کے خلفاء نے فقیروں کے بھیس میں

نصف دُنیا پر حکومت کی تھی ــــــــ
آج وہ بے ہوش سو رہے ہیں۔
حالانکہ چاروں طرف طوفان برپا ہے۔
سوتے سوتے میری فجر کی نماز قضا ہوگئی۔
ظہر کے وقت بھی میں جاگ نہ اُٹھا۔
غفلت اور کھیل میں عصر کی نماز بھی فوت ہوگئی۔
اب مغرب کی اذان سُن رہا ہوں۔
عشا کی جماعت میں ضرور شامل ہو جا۔
اب بھی جماعت میں جگہ خالی ہے۔

○ ○

جس روکھی روٹی کے سہارے اور
جس ایمانی و روحانی قوّت کی بدولت
ہم نے دُنیا کو زیر و زبر کیا تھا،
آج وہ قوّت دوبارہ واپس لا!
"تکبیر" کے نعرے سے دُنیا کو ہلا دے۔
آسمان پر سُرخ پرچم لہرا دے۔

(ذوالفقار)

نذرالاسلام کی شاعری میں اسلامی تہذیب وتمدّن

بنکم سے ربندر ناتھ تک کے عہد میں جو بنگلہ ادب وجود میں آیا تھا وہ ہندو تہذیب و تمدن کا ترجمان تھا۔ ناول اور ناٹک میں مسلم کرداروں کو پست کر کے پیش کیا جاتا تھا۔ اسلامی ادب کا فقدان تھا۔ بے شک نذرالاسلام سے پہلے بھی میر مشرف حسین (سنہ ۱۸۴۷ء ـــــ سنہ ۱۹۱۲ء) نے اپنی کتاب "بشاد سندھو" (منشور سنہ ۱۸۹۰ء)، "مہر نگار گورب" (منظوم سنہ ۱۹۰۶)، "مسلم بیرتو" (سنہ ۱۹۰۷) اور "اسلامیر جی" (منشور سنہ ۱۹۰۸) وغیرہ میں، مزمل حق (سنہ ۱۸۶۰ ـــــ سنہ ۱۹۳۳) نے اپنی نظم کی کتاب "جاتیو فوارہ" (سنہ ۱۹۱۲)، "اسلامی سنگیت" اور "حضرت محمدؐ" (سنہ ۱۹۳۰) میں اور اسماعیل حسین سراجی (سنہ ۱۸۸۰ ـــــ سنہ ۱۹۳۱) نے اپنی اسلامی تصنیفات میں اسلامی تہذیب وتمدّن کی ترجمانی کی مگر وہ سرمایۂ ادب ہندوانہ ذخیرۂ ادب کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر تھا۔ نذرالاسلام پہلے شخص ہیں جنھوں نے دو قومی نظریہ کی بنا پر ہندو اور مسلمانوں کیلئے الگ الگ ادب پیدا کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ بنگلہ ادب کو نظریاتی طور پر اسلامی جذبات و احساسات کا آئینہ دار بنایا ہے۔

اورثابت کر دکھایا ہے کہ بنگلہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے ۔ یہ صرف ہندوؤں کا ورثہ نہیں۔ مسلمانوں کو بھی اس پر حق حاصل ہے ۔ نذرالاسلام نے ہندو میتھالوجی اور اسلامی تاریخ کا نچوڑ نکال کر ادب میں ان کا ایک بہتر امتزاج پیدا کیا۔ اور اسے ایسا بنایا سنوارا کہ وہ گنگا وجمنا اور دجلہ و فرات کا سنگم نظر آنے لگا۔ انھوں نے اگر یہ الاپا :۔

"سرزمین بنگال کے جھونپڑے سے دور افتادہ عرب کا خواب دیکھ رہا ہوں"

یہ بھی گایا :۔

پیارے ! جب تلسی تلے شام کے وقت
تو پرنام کرے گا تو ایک مرتبہ،
چوک سے ہی سہی ، اپنے دیوتا کا نام لیتے ہوئے
میرا نام بھی لینا !

نذرالاسلام کو اپنے آپ پر پورا اعتماد تھا ۔ وہ خود دار اور غیور تھے ۔ وہ جو کچھ سمجھتے تھے، اس پر عمل پیرا بھی ہوتے ۔ ان سے پہلے ہی بنگال میں بہت سے مسلمان ادیب اور شاعر پیدا ہوئے تھے۔ مگر بنگلہ ادب میں ان کا داخلہ ایسا ہی تھا ۔ جیسا کہ کوئی بیگانہ آدمی پرائے گھر میں جھجکتا اور ہچکچاتا ہوا داخل ہوتا ہے ۔ اس زمانے میں وہ ارادی طور پر اپنی تشبیہات واستعارات اور محاورات وضرب الامثال کے استعمال میں اسلامی نشانیوں اور اسلامی تہذیب وتمدن کے آئینہ دار لفظوں سے کتراتے تھے تاکہ کسی کو یہ پتہ نہ چلے کہ لکھنے والا ایک مسلمان ہے ۔

نذرالاسلام نے مسلمان اہلِ قلم کو اس احساس کمتری اور رسم ورواج کی بیجا پابندیوں سے نجات دلائی۔ انھوں نے اسلامی تہذیب وتمدن کے آئینہ دار لفظوں سے بنگلہ ادب میں جدت ووسعت پیدا کی، اسلامی واقعات وسانحات کے نئے نئے مضامین کی شمولیت سے اس کے ذخیرۂ مطالب میں ایک قابل قدر اضافہ کیا۔

اس جدت طرازی پر کسی کو اعتراض نہ ہوا ۔ اگرچہ شروع شروع میں بعض لوگوں نے چہ میگوئیاں کی تھیں مگر انجام کار کوئی شخص بھی ان کے راستے میں روڑا نہ اٹکا سکا ۔ بلکہ جن لوگوں نے بنگلہ زبان وادب کو بیرونی مداخلت سے محفوظ رکھنے کا عزم کر رکھا تھا، وہ بھی ان کی جدت طرازی کے قائل ہونے لگے اور اس طرز کو اپنانے کی کوشش کرنے لگے ۔ ان کی جدت طرازی کا ایک نمونہ ان کی نظم "محرم" میں دیکھئے ۔ انھوں نے اس نظم میں واقعات کربلا کا ایک سماں باندھ دیا ہے ۔

ان الفاظ میں ایک بھی بنگلہ کا نہیں ۔ پھر بھی انھوں نے اس خوش اسلوبی سے مضمون کو بیان کیا ہے کہ کلام میں کرختگی اور بھدے پن کے بجائے شیرینی، سلاست اور روانی پیدا ہوگئی ہے اور کسی کو مطلب سمجھنے میں بھی کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ اسی لئے ان الفاظ کو بلا ترجمہ اردو حروف ہی میں نقل کر دیتا ہوں :۔

نیل سیاہ آسمان لالِ لال دنیا
اماں لال تیری خوں کیا خونیا

حجازی تہذیب اور اسلامی شان وشوکت کو دوبارہ زندہ کرنا ان کا مقصد اوّلین تھا۔ سرزمین بنگال میں پیدا ہونے کے باوجود انھوں نے گنگا جمنا، برہمپتر اور میگھنا وغیرہ کے گیت گانے سے پہلے ہی اسلامی روایات کے حامل "نشط العرب"

کے گیت گائے۔"شط العرب" کو مخاطب کر کے کہا:۔

شط العرب ! شط العرب !
عہد قدیم سے تیرا ساحل مقدس رہا ہے۔
اس سرزمین پر عرب کے بہادروں نے
شہادت اور دلیری کا لہو بہایا ہے۔

(اگنی بینا)

یہ تو نذرالاسلام کے وہ گیت، نظمیں، اور غزلیں ہیں جن میں انھوں نے وقتاً فوقتاً اسلامی اصول اور اسلامی معاشرے کی عکاسی کی ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے مستقل طور پر قرآن مجید کے پارۂ عم کا منظوم ترجمہ کیا۔ نبی کریم صلعم کی سیرت پر "مرو بھاسکر" (معمار صحرا) کے نام سے ایک منظوم کتاب (نامکمل) پیش کی۔ یہ دونوں شاعر کے ایسے کارنامے ہیں جو ہمیشہ اس بات پر گواہی پیش کریں گے کہ وہ بنگلہ ادب میں اسلامی تہذیب و تمدن کے ایک بہترین ترجمان ہیں۔

نذر الاسلام کی شاعری میں خودی اور خدا

حافظ، غالب اور ٹیگور کی طرح نذر الاسلام نفیٔ خودی کے قائل نہیں بلکہ وہ رومی اور اقبال کی طرح اثباتِ خودی کے حامی ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ اثباتِ خودی ہی سے انسان اپنی تکمیل کو پہنچ سکتا ہے۔ نفی خودی سے نہیں۔ اس لئے خدا میں ضم ہوکر اپنی خودی کو کھو دینا ان کی غیرت گوارا نہیں کرتی۔ وہ اپنی ہستی کو برقرار رکھتے ہوئے خدا سے ملنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی طرح خدا کے دیدار میں ہوش و حواس کو کھو کر یا منصور حلاج کی طرح اپنی خودی کو مٹا کر راہِ خدا میں دیوانہ بننا پسند نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں:۔

میں موسیٰ (ع) نہیں کہ ڈر سے بیہوش ہو جاؤں!
میں منصور نہیں کہ "انا الحق" کہہ کر بے خود بن جاؤں!
(گل باغیچہ)

نذر الاسلام نے اپنی نظم "الیشور" میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ خدا کو جنگلوں میں ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔ خدا انسان ہی میں موجود ہے۔ ہر شخص معرفتِ نفس سے معرفتِ خدا حاصل کر سکتا ہے۔ رسول کریم صلعم نے فرمایا:۔

"مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ، فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ"
"جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اُس نے اپنے رب کو بھی ضرور پہچان لیا۔"

پیغمبر خدا نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا:۔

"قُلُوبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰهِ" ——— "مومن کا دل خدا کا عرش ہے۔"

اس بات کو کسی فارسی شاعر نے یوں بیان کیا ہے:۔

من نہ گنجم در زمین و آسماں
لیک گنجم در قلوبِ مومناں

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے دل ہی میں خدا کو پا سکتا ہے۔

نذر الاسلام نے اس خیال کو اس طرح پیش کیا ہے:۔

تو اگر اپنی ذات کو پہچان سکے،
تو خدا کو ضرور پہچان سکتا ہے۔

تو اپنے روحانی آئینے میں
اس ذاتِ منوّر (خدا) کو دیکھ لے۔

(ذوالفقار)

اے برادر! تو کون ہے کہ زمین و آسمان میں خدا کو ڈھونڈتا پھر رہا ہے؟
تو کون ہے کہ اس کی تلاش میں جنگل جنگل اور پہاڑ کی چوٹی پہ پھر رہا ہے؟
افسوس اے رشی! اے درویش!
تو اپنے سینے کے جوہر کو سینے ہی میں رکھ کر اُسے ملک ملک ڈھونڈ رہا ہے۔
کائنات تیرے منھ کو تک رہی ہے اور تو اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے ہے۔
تو خالق کو ڈھونڈ رہا ہے؟ —— گویا تو اپنی ذات ہی کو ڈھونڈ رہا ہے۔
ارادی طور پر تو اندھا بن بیٹھا ہے! آنکھیں کھول، دل کے آئینے میں اپنی ذات کو دیکھ
تجھے اپنی ذات ہی میں اس (خدا) کا عکس ضرور نظر آئے گا۔
سبھوں میں اس کا جلوہ کار فرما ہے، وہ سبھوں میں موجود ہے۔
میں اپنی ذات کو دیکھ کر اپنے اَن دیکھے خالق کو پہچان لیتا ہوں۔

(الیشور، سربہارا)

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ذات میں بے پناہ قوتیں ودیعت کر رکھی ہیں۔ انسان کی شخصیت اور خودی بلند ہو، تو وہ اُن قوتوں کو بروئے کار لاسکتا ہے۔ تمام آسمان و زمین پر غلبہ پاسکتا ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے:۔

" وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ " ۔
"اس نے آسمان و زمین کا سب کچھ تمہارے قبضے میں کر رکھا ہے"

نذرالاسلام انسانی امکانات سے واقف تھے۔ ان کو اپنی شخصی قوت پر پورا یقین تھا۔ ان کی خودی اور خود اعتمادی کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی کے آگے اپنا سر جھکانا نہیں جانتے تھے۔ جب ہی تو انھوں نے ڈنکے کی چوٹ کہا:۔

اے بہادر تو کہہ دے ——
میں ہمیشہ سربلند ہوں۔
میری سربلندی کو دیکھ کر
ہمالہ کی چوٹی بھی سرنگوں ہو جاتی ہے۔
میں خدا کے عرش سے بھی آگے نکل گیا ہوں۔
میں پروردگارِ عالم کا دائمی عجوبہ ہوں۔

(بدروہی، اگنی بینا)

تصوّرِ خودی میں اقبالؔ اور نذرالاسلام ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ نذرالاسلام اپنے زورِ خودی سے خدا کو اپنے دل میں

بذب کرلینا چاہتے ہیں - فرماتے ہیں :-

میں اپنے دل ہی میں خدا کے عرش کو لا بٹھاؤں گا -

(گل باغیچہ)

اقبالؔ نے بھی یہی کہا :-

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

اقبالؔ اور نذرالاسلام بہت سی بنیادی باتوں میں ہمنوا ہیں - دونوں خودی اور انفرادی قوت کے قائل ہیں - دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ انسان اپنی قسمت کا خود خالق ہے - وہ اپنی تعمیر خودی سے اپنی تقدیر بھی بدل سکتا ہے - ایک طرف بن اقبالؔ سناتے ہیں :-

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

دوسری طرف نذرالاسلام ہمیں یہ پیغام دیتے ہیں :-

تقدیر بدل گئی ہے - آج اسی (مسلمان) کا نعرۂ تکبیر بلند ہو رہا ہے -

(ذوالفقار)

اقبالؔ کا نظریۂ "بے خودی" ان کے نظریۂ "خودی" کا تکملہ ہے - وہ اپنی خودی کو ملّت میں گم کردینا چاہتے ہیں - انفرادی قوت سے معاشرے کی فلاح بہبود حاصل کرنا ہی ان کی "بے خودی" کا مقصد اصلی ہے - فرماتے ہیں :-

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

نذرالاسلام کی شاعری میں بھی نظریۂ بے خودی کا تصور ملتا ہے - ان کے یہاں مساوات، عالمگیر جمہوریت اور انسان دوستی کے پیغامات ملتے ہیں - انھیں میں اقبالؔ کے نظریۂ بے خودی کی روح کار فرما ہے - وہ بھی اقبالؔ کی طرح اپنی خودی کو قوم اور ملّت کیلئے وقف کردینا چاہتے ہیں - انسانیت کی ترقی میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں - ان سے اگر ہم یہ سنتے ہیں :-

میں اپنے کو چھوڑ کر کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتا ہوں -

تو پھر یہ بھی سنتے ہیں :-

آدمی سے بڑا کچھ نہیں - کچھ بھی اس سے زیادہ معزز نہیں -

نذرالاسلام پر حالیؔ اور اقبالؔ کا کافی اثر نظر آتا ہے - حالیؔ اور اقبالؔ نے مسلمانوں کو صحرائے عرب کے سیّدالمرسلین حضرت محمد صلعم کے پیغامات سنا کر ان میں جوشِ عمل اور جذبۂ ایمان پیدا کرنے کی کوشش کی اور ان کی کوشش کامیاب بھی ہوئی - نذرالاسلام کو ان کی تہذیب حجازی کی دعوت بہت پسند آئی - انھوں نے حالیؔ، اکبرؔ، اقبالؔ اور تہذیب حجازی کے دوسرے علم بردار شاعروں کا ان الفاظ میں استقبال کیا ہے :-

اَے ریگستان کی باتیں سُنانے والے!
تیری غیر موجودگی میں بھی ہم چاروں طرف تیری ہی آمد آمد کا غلغلہ سُن رہے ہیں۔
تیز قدمی کے ساتھ تو ہمارے درمیان آرہا ہے۔
اَے بدلیسی شاعر! تو بڑھ کے ساتے میں اپنی بانسری روک لے۔
تیری سعی بار آور ہو چکی ہے۔
اَے پیش رو قافلہ والو!
تیز قدمی سے چلو! بڑھے چلو!

(اگرو پتھک، زنجیر)

نذرالاسلام کی شاعری میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سالارِ کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

(اقبالؔ)

نذرالاسلام نے رسول کریم صلعم کی شان میں کثیر تعداد میں نظمیں اور غزلیں لکھیں۔ یہ ان کی مدح سرائی کرتے ہوئے مسلمانوں کو ان کے اسوۂ حسنہ پر گامزن ہونے کی ترغیب دی۔ اس موضوع پر نذرالاسلام کے بعض شاہکار مثلاً "فاتح دوازدھم"، "تورا دیکھے جا آمنہ مانئیر کولے" (تم ماں آمنہ کی گود میں دیکھ لو)، "سہارا تے پھُٹلرے پھول رنگین گلّے لالہ" (صحرا میں رنگین گل لالہ کھِل چکا ہے)، "بکھّے آمار کعبار چھبی چکھے محمد رسول" (میرے سینے میں کعبے کی تصویر اور آنکھوں میں محمدّ الرسول اللہ ؐ ہیں) ایسے اعلیٰ درجے کے ہیں کہ دنیا کی دوسری زبانوں میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

نذرالاسلام نے جو نظمیں اور غزلیں رسول کریم ؐ کی شان میں لکھی ہیں، وہ رسول کریم ؐ کی تعلیمات، ولادت، وفات اور زندگی کے مختلف پہلوؤں پر حاوی ہیں۔ جب وہ نعت پر قلم اٹھاتے ہیں تو ان کے الفاظ اور ان کا اسلوب بیان اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ وہ مدح سرائی کی خاطر مدح سرائی نہیں کرتے بلکہ رسول کریم ؐ کا شیدا بن کر بے ساختہ دلی عقیدت کا اظہار کئے جاتے ہیں۔ جب آپ کی ولادت پر خامہ فرسائی کرتے ہیں، تو سارے جہاں کو جنّت کا نمونہ بنا دیتے ہیں۔ دوسری طرف جب وفات کا بیان شروع کرتے ہیں، تو پوری دُنیا میں صف ماتم بچھا دیتے ہیں۔ ان نظموں اور غزلوں میں نیاز مندانہ اظہارِ عقیدت کے علاوہ انھوں نے ایک ہمہ گیر اصولی بات بھی بتائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ ؐ کی سیرت مجسمۂ قرآن ہے۔ آپ کی زندگی بنی نوع انسان کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ آپ کی تقلید میں انسانیت کی نجات مضمر ہے۔

رسول کریم ؐ کی ولادت پر لکھتے ہیں:۔

ہمارے پاس تاج نہیں ہے۔

تو کیا عار !
اے مسلمانو! تم کھجور کی پتیوں سے اپنے آپ کو سنوار لو!
سارا جہاں انھیں تسلیم کر رہا ہے - "ہر کورنش" میں یہی اعلان ہو رہا ہے -
سُن لو! آج روئے زمین کو 'حرا' کیا -
مژدہ سُنا رہا ہے۔

O O O

یمن ، نجد ، حجاز ، تہامہ ، عراق ، شام
مصر ، عمان اور طہران کس عظیم الشان ہستی کے نام پہ
یہ ورد کر رہے ہیں ——— "صلی اللہ علیہ وسلم"

O O O

ہر طرف تیاریاں ہو رہی ہیں -
سواریوں کا غلغلہ ہے -
کیا ہی حسین سماں ہے کہ حوریں اور پریاں سرشار ہو کر فردوس کا حمام کھول رہی ہیں -
ان کی کمروں پہ گھڑوں میں آب کوثر چھلک رہا ہے -
سُن لو! دمامے ، توپیں اور تمام سازو سامان
بلند آوازسے کس کے نام پہ
یہ وظیفہ پڑھ رہے ہیں ——— "صلی اللہ علیہ وسلم"

O O O

اے مستان!
بس رُک جا!
دیکھ لے! آج سیستان کا بوستان کس قدر سرشار ہے -
رستم ، دربان بن کر بے نیام تلوار لئے کھڑا ہے -
کہربا باجہ بج رہا ہے - ہر جا گلزار بنا ہوا ہے -
ہر سو چہل پہل ہے!

O O O

جنوب میں بحیرۂ عرب موجزن ہے - وہ خوشی میں باغ باغ ہے -
مغرب میں بحیرۂ احمر کے نیلے پانی میں خون جوشندہ میں آگ لگ رہی ہے -

صحرا، اور گوبی کے ریگستانوں میں ہریالی چھانے لگی ہے۔

O O O

کرسی کے نور سے
طور کی چوٹی معمور ہے۔
ہر سو حوریں ناچتے ہوئے مسرت کے گیت گا رہی ہیں۔
ایرانیوں، درّانیوں اور ترکوں کی سرخ دستاروں سے شوخ رنگت ٹپک رہی ہے۔
آج بدّو اپنے اپنے گھوڑے چھوڑ کر
اور نیزے پھینک کر
یہ درود پڑھ رہے ہیں ——— "صلی اللہ علیہ وسلم"

وفات پر دو بند ملاحظہ ہوں:-

وفات پر:-

(۱)

کیا ہی دردناک منظر ہے! عزرائیل کی آنکھیں بھی پُرنم ہیں!
اس کا پتھر دل بھی آج کانپ رہا ہے۔ گویا وہ بخار میں کراہ رہا ہے۔
اس کا جانگداز اور مضبوط پنجہ آج بالکل ڈھیلا ہو گیا ہے۔
اس کا قبضہ بے قابو اور کلیجہ چھلنی ہو گیا ہے۔ اس کا نیلا تاج خاک چوم رہا ہے۔
جبرائیل کے آتشیں بازو چور چور ہو گئے ہیں۔
آج تو وہ فارغ الذمہ ہو رہا ہے پھر بھی اس کا دل بے چین ہے!
میکائیل دریائے شور کا تمام پانی
ساری کائنات پر مسلسل برسا رہا ہے۔
سرد ہوا کی لہروں سے جھاؤ کے درخت لرز رہے ہیں۔
کیا یہی چاند کی بارھویں ہے؟ کیا یہ وہی ربیع الاوّل ہے؟

(۲)

شمال مغربی کونے میں سیاہ جھنڈا کانپ رہا ہے۔ اسرافیل کا صور بھی آج
کراہ رہا ہے! جان فرسا برق آٹھ آٹھ آنسو رو رہی ہے!
رسول کریمؐ کے دروازے پر عزازیل شیطان کیوں کھڑا ہے؟
اس کے سینے پر بھی آنسو بہہ رہے ہیں۔ مدینے کے تمام میدان غرقاب ہو رہے ہیں۔
براق ایک ایک جست میں آسمان کی خبر لے رہا ہے۔

اور عرش کی طرف نگاہ اُٹھائے دھاڑیں مار مار کر رو رہا ہے۔ زور زور سے واویلا کر رہا ہے۔

ہائے! حوریں اور پریاں
پُرنم آنکھوں سے دیکھ رہی ہیں!
آج اشک ریزیوں سے جہنم کے شعلے تک بجھ گئے ہیں۔
فردوس کے تمام لالے اور نرگسیں خوشبودار آنسو بہا رہی ہیں۔
(فاتحۂ دوازدھم، بلشیر بانشی)

اس میں شک نہیں کہ نذرالاسلام بنگلہ ادب کے پہلے شخص ہیں جن کی شاعری میں پورے طور پر نظریۂ مساوات اور عالمگیر برادری کی ترجمانی ملتی ہے۔ انھوں نے ایک ایسے معاشرے کا خواب دیکھا جو ظلم وستم سے پاک ہو، جہاں لوگ اپنے ارادوں کے مطابق اپنی صلاحیتوں کو اُجاگر کر سکیں، امن وامان اور فارغ البالی کے ساتھ دن گذار سکیں۔ ایسے معاشرے کو بروئے کار لانے کے لئے انھوں نے رسول کریمؐ کی زندگی کو ایک مثالی زندگی کی حیثیت سے پیش کیا۔ سب سے پہلے رسول کریمؐ کی عالمگیر برادری اور ہمدردی کے پیغامات نے شاعر کی توجہ جذب کرلی۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں لوگوں نے "لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ" (اللہ تعالیٰ نے رسول کریمؐ کی شان میں کہا ـــــــ اگر مجھے آپ کی ولادت منظور نہ ہوتی، تو میں ہرگز یہ کائنات پیدا نہ کرتا۔ "حدیث") سے آپ کی تعریف کی وہاں شاعر نے اِن الفاظ میں ان کی توصیف کی ـــــــ "اگر آپ یتیم ہوکر دُنیا میں پیدا نہ ہوتے تو غریب، یتیم اور مظلوم انسانیت کے دُکھ درد کو دل سے محسوس نہ کرسکتے۔" جہاں عام لوگوں نے انھیں "حبیبِ خدا" کے لقب سے نوازا ہے، وہاں شاعر نے انسان دوستی کا سہرا ان کے سر باندھا ہے۔ فرماتے ہیں:۔
(ترجمہ کسی اور صفحے پر ملاحظہ ہو)۔

نذرالاسلام کی چند مقبولِ عام نعتیہ غزلیں پیش کی جاتی ہیں:۔

میرے سینے میں کعبے کی تصویر ہے۔
اور آنکھوں میں محمد الرسول اللہ کا جلوہ ہے۔
میرے سر پر خدا کا عرش ہے۔
میں اسی کے والہانہ گیت گاتا ہوں۔

لیلیٰ کی محبت میں مجنوں متوالا تھا۔
اور میں "لا الٰہ" کا متوالا ہوں۔
درویش خدا مست مجھے پہچانتا ہے۔
غیر عاشق تو مجھے پاگل کہتا ہے۔

میرا دل خوشی کا باغ ہے۔
اس میں بلبلیں ہمیشہ نغمہ سرائی کرتی ہیں۔
وہ رحمِ خدا کے طالب ہیں۔
اور میں عشقِ الٰہی کا طالب ہوں۔

میرے دل کی مسجد میں ہزاروں موذن
اذان دیتے ہیں۔
میری لوحِ جان پر قرآن مکتوب ہے۔
میری روح رات دن اس کی تلاوت کرتی ہے۔

خاتونِ جنت رضہ میری ماں ہیں۔
حسن رضہ اور حسین رضہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔
اس لئے میں روزِ قیامت کے دشوار گذار پُل صراط سے
ہرگز نہیں ڈرتا ہوں۔

——(ذوالفقار)

صحرا میں ایک پھول کھلا ہے۔
اور یہ رنگین گُل لالہ ہے۔
اسی پھول کی خوشبو سے
ساری دُنیا مہک گئی ہے۔

اسی کی خاطر چاند، سورج اور ستاروں میں
رقابت ہو رہی ہے۔
نیلا آسمان چپ چاپ
جُھک کر اسے چوم رہا ہے۔

اس پھول کی روشنی سے
عرش اور کرسی روشن ہو گئے ہیں۔
اسی کے رنگ میں

ساری کائنات رنگ چکی ہے۔

اس باغ میں لاکھوں
پرندے آتے ہیں۔
اس پھول کو سینے سے لگانے کے لئے
درخت کی شاخیں لہرا رہی ہیں۔

جن ، انسان ، حوریں ، پریاں اور فرشتے
سب ہی اس پھول پر نثار ہیں۔
فقیر ، درویش اور بادشاہ
اسے اپنے گلے کا ہار بنانا چاہتے ہیں۔

عاشق مزاج بھونروں اور بلبلوں کو
اس پھول کا پتہ ضرور معلوم ہے۔
کوئی اسے "حضرت محمدؐ"
اور کوئی "کملی والا" پکارتا ہے۔

———(ذوالفقار)

تم ماں آمنہ کی گود میں دیکھ لو۔
وہاں چودھویں کا چاند جھول رہا ہے۔
گویا صبح کی گود میں سرخ آفتاب جھول رہا ہے۔
ساری دنیا میں آج یہ غلغلہ ہے کہ وہ کون آیا ہے ؟
کلمۂ شہادت لب پر لئے ہوئے وہ کون آیا ہے ؟
خدا کا نور پیشانی میں لئے ہوئے وہ کون آیا ہے ؟
آسمان اور تارے اس کی طرف جھکنے لگے ہیں ——— وہ کون آیا ہے ؟
بہشت کے دروازوں کو کھول کر
فرشتے درود پڑھ رہے ہیں۔

(ذوالفقار)

(اس غزل کا باقی حصہ کسی اور صفحہ پر ملاحظہ ہو)۔

"صلِّ علیٰ محمد مصطفیٰ"
تو بادشاہوں کا بھی بادشاہ ہے، تو کملی والا ہے۔
تیری آمد سے ظلم و عصیاں بھری تاریک دنیا
بہشت کے نور سے معمور اور روشن ہو گئی ہے۔
گنہگار امت کے لئے تجھے کبھی چین نہیں ملا۔
تو اکیلا رو رہا ہے۔
قیامت کے دن پیاسی امت کے لئے
تو "شراباً طہوراً" کا پیالہ لئے کھڑا رہے گا۔
حشر کے دن جب نصف النہار کا آفتاب سر پر تاباں ہوگا،
اور سب نبی "نفسی" "نفسی" کہنے لگیں گے۔
اس وقت تو ہی اکیلا "یا امتی یا امتی" کہہ کر
خدا کا عرش چومتا رہے گا۔ روتا رہے گا۔
گنہگار اُمت کی نجات ہی تیری دُھن ہے۔
اولیاء و انبیاء تیرا ہی دھیان کرتے ہیں۔
خود خدا نے تیری تعریف کی ہے۔

(گل باغیچہ)

ان نعتوں سے قارئین کو اندازہ ہوگا کہ شاعر کو اللہ اور اللہ کے رسول سے کس قدر محبت تھی۔ یہ وہ غزلیں ہیں جو مذہبی محفلوں میں گائی جاتی ہیں۔ مذہبی جوش و جذبے سے بے بہرہ آدمی کے سامنے بھی یہ غزلیں پڑھی جائیں تو اس پر ایک کیفیت ضرور طاری ہوگی۔ جو لوگ نذرالاسلام کی شاعری اور ان کے مذہبی عقائد کے متعلق چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔ وہ بھی ان غزلوں کو سن کر داد دئے بغیر رہ نہیں سکتے۔ ان کی نعتیہ غزلوں کی زبان میں ایسی سلاست، روانی اور شیرینی ہے، دل چاہتا ہے کہ انھیں بار بار پڑھے اور لطف اُٹھائے! جس شاعر نے یہ کہا تھا کہ "میں کسی کے آگے اپنا سر نہیں جھکاتا ہوں" ان میں نیازمندی کا یہ عالم ہے کہ:

عشق الٰہی کی شراب پی کر
میں مدہوش پڑا رہتا ہوں۔

یہ وارفتگی ان کی انانیت کی تندی میں توازن پیدا کرتی ہے۔ بالفاظ دیگر ان کی شاعری میں ناز ہے تو وہ "بے لذت نیاز نہیں"۔ ان کے یہاں ناز کے پہلو بہ پہلو نیاز بھی موجود ہے ——— اقبال بھی ہمیں یہی سناتے ہیں :-

خودی کی شوخی و تندی میں کبر و ناز نہیں
جو ناز ہو بھی، تو بے لذت نیاز نہیں

نذر الاسلام اور اُن کا مذہب

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملاّ کی اذاں اور، مجاہد کی اذان اور
——— (اقبالؔ)

عام طور پر نذر الاسلام " باغی شاعر" کے نام سے مشہور ہیں - اس لئے کہ ان کی شاعری سامراج، سرمایہ داری، سماج کے فرسودہ آئین وقانون اور رسم و رواج کی کورانہ تقلید سے بغاوت ہے - وہ ظلم بھری دنیا کے نقشِ کہن کو ٹھوکر سے اُڑا دینا چاہتے ہیں- وہ اپنی ہنگامی نظموں میں جذبات کی رو میں اس قدر بہے جاتے ہیں کہ نہ صرف موجودہ نظام ان کے سامنے ایک بے معنی حقیقت ہوکر رہ جاتا بلکہ ان کی شاعری کا ایک معتد بہ حصہ بظاہر ان کی جارحانہ اور سفاکانہ ذہنیت کا پتہ دیتا ہے- فرماتے ہیں :-

میں اکیلا خون نہیں بہا سکتا ہوں -
اسی لئے یہ خونبار الفاظ لکھے جاتا ہوں-

وہ نہ صرف کسی کے آگے سر جھکانا گناہ سمجھتے ہیں بلکہ اپنی سربلندی کا دعویٰ کرتے ہوئے خدا کے عرش سے بھی آگے نکل جاتے ہیں- ایک طرف اسلامی اصولوں کا سبق سکھاتے ہیں تو دوسری طرف شیام سنگیت اور وشنو سنگیت بھی گائے جاتے ہیں- مسجد کے امام پر حملہ کرتے ہیں تو مندر کے پروہت پر بھی وار کرنے سے نہیں چوکتے- دنیا کے من گھڑت نظام کے خالق سے بغاوت کرکے دم نہیں لیتے بلکہ کبھی کبھی خالقِ کائنات سے بھی شوخیاں کرگذرتے ہیں-

یہی وجہ ہے کہ بعض کوتاہ نظر لوگوں نے شاعر کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ کئے بغیر ہی انھیں "جنگ جو"، "تخریب پسند"، "ہندو پرست"، "لامذہب"، "ملحد"، "کافر" وغیرہ الزامات سے مطعون کیا- ان کی شاعری کی قدر کرنا تو دور کی بات ہے، ان کے خلاف ملک میں زہر افشانی کرنے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی -

حقیقت یہ ہے کہ نذر الاسلام کے پہلو میں ایک حساس اور دردمند دل تھا- ساتھ ہی ساتھ وہ دلیر اور غیور بھی تھے- انھیں دنیا کی ناانصافیاں اور بدعنوانیاں ایک آنکھ نہ بھائیں- وہ ہمدردانہ اور مجاہدانہ جذبات کی رو میں بے قابو ہوکر بغاوت اور انقلاب پر تل گئے- اور سماج کے بوسیدہ نظام کو توڑ پھوڑ کر مسمار کردینا چاہا- انھوں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ مذہب کا نام زبان پر لاتے تو ہیں مگر ان کے دل میں مذہب اور انسانیت کا کوئی احترام نہیں ہوتا- وہ مذہب کی آڑ میں اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں-

قرآن اور وید کے پیغامات تو سُناتے ہیں مگر انسان کے خون چوسنے میں دریغ نہیں کرتے۔

نذرالاسلام نے اپنی نظم "مانوش" (انسان) میں مفاد پرست اہلِ مذہب کے خلاف آواز بلند کی اور کہا ــــ

"مذہب انسان کے لئے ہے، انسان مذہب کے لئے نہیں۔ بہت سے دُنیا پرست مذہبی رہنما بغل میں کتابیں دبائے پھرتے ہیں مگر انسان کا خون چوسنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ ان سے مذہبی کتابیں چھین لینی چاہیئے۔ یہ لوگ دراصل عیار ہیں، مذہبی پیشوا نہیں۔"

شاعر کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:۔

واہ! وہ کون ہیں جو قرآن، وید اور انجیل کو چوم رہے ہیں۔
ان سے زور زبردستی کتابیں چھین لو ــــ
انسان ہی کے لئے کتاب نازل ہوئی تھی مگر مذہب کا دم بھرنے والی
ایک جماعت انسان کو تباہ کرکے کتاب کی پوجا پاٹ کر رہی ہے۔
انسان ہی کتاب کو لایا ہے ــــ کتاب انسان کو نہیں لائی۔

(مانوش، سرب ہارا)

ظاہر ہے کہ جب انسان کمزور اور بے قابو ہوجاتا ہے اور اسے اپنی مطلب برآری کا کوئی سہارا نظر نہیں آتا، تو وہ تقدیر کے بہانے اپنا دکھ بھول جانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ "تقدیر کا لکھا ٹل نہیں سکتا" پر خوش رہتا ہے اور خیالی پلاؤ پکاتا رہتا ہے کہ ایک دن خدا تقدیر چمکائے گا اور اس کی ساری تکالیف کا خاتمہ ہو جائے گا۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا ہے اور قسمت پر بھروسہ کرکے ظلم وستم برداشت کئے جاتا ہے مگر خونخوار ظالم کے دل میں رحمت ورافت نہیں ہوتی۔ وہ غریبوں اور بیکسوں کا آخری قطرہ تک اپنے لئے حلال سمجھتا ہے۔ مظلوم آسمانی تائید کا انتظار کرتا ہے، مگر تقدیر چمکتی ہی نہیں۔ وہ روتا ہے۔ اور تقدیر ہنستی ہے۔ حالانکہ وہ اس حقیقت سے بے خبر ہے کہ اس پر اُمڈے ہوئے مصائب وآلام کے لئے اس کی تقدیر ذمہ دار نہیں بلکہ وہ خود مجرم ہے۔ اس کا معاشرہ مجرم ہے۔ اس لئے کہ شخصی زندگی میں انسان خود اپنی تقدیر کا خالق ہے۔ اور قومی زندگی میں معاشرہ خود اپنی اجتماعی تقدیر کا خالق ہے۔

قرآنِ پاک میں متعدد موقعوں پر اس بات کی وضاحت کی گئی ہے:۔ "لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی" اور "لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" کہکر ہر فرد بشر کو کلیتہً اس کے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ بار بار اس پر زور دیا گیا کہ "اگر کوئی شخص اپنے آپ کو پاک کرے گا تو وہ اپنی ذات ہی کے واسطے ایسا کرے گا" (ومن تزکی فانما یتزکی لنفسہ)۔ "اگر کوئی محنت ومشقت کرے گا تو اس کا پھل خود ہی پائے گا" (من جاھد فانما یجاھد لنفسہ) "اور اگر کوئی نیکو کاری اختیار کرے گا تو خود اسی کا اس میں بھلا ہوگا" (ومن عمل صالحا فلنفسہ) اور کوئی بھلا کرے گا تو اپنے ہی لئے کرے گا اور اگر بُرائی کرے گا تو وہ بھی اپنے لئے ہے" (ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اساتم فلھا)۔

نذرالاسلام جنگ سے واپس آئے تو دیکھا کہ ملک زبون حالی میں پڑا ہوا ہے، عوام کی قوت شل ہو چکی ہے۔ ان کی قوتِ ارادی بے کار ہو گئی ہے۔ پورے معاشرے پر جمود چھایا ہوا ہے۔ سامراج اور سرمایہ داروں کے پنجے میں پڑکر لوگ آہیں بھر رہے ہیں مگر اینٹ

کا جواب اینٹ سے دینے کی ہمت نہیں۔ ملک کی اس نازک حالت نے انھیں بغاوت پر اُبھارا۔ انھوں نے بھانپ لیا کہ سامراج اور سرمایہ دارانہ نظامِ حکومت کی وجہ سے عوام پہ تباہی آئی ہوئی ہے۔ اس لئے وہ حکومت کے خلاف ایسے جھنجھلائے کہ انگریز سامراج لرز اٹھا۔ دوسری طرف انھوں نے اپنی گرجدار زبان سے عوام کو ایسا جھنجھوڑا کہ ان میں خود اعتمادی اور خود ادادی کا جذبہ جاگ اٹھا۔ ملک بھر میں اعصابی جنگ (Cold war) چھڑ گئی اور رفتہ رفتہ سماج دشمن عناصر کے پاؤں تلے سے زمین سرکنے لگی۔

نذر الاسلام نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنے مذہبی رہنماؤں کے خلاف بھی بغاوت کی جو انسانیت سے معرّا اور اپنی مطلب براری میں اندھے بنے ہوئے تھے۔ انھوں نے مفاد پرست، تنگ نظر اور بزدل ملاّ، مولوی، مفتی اور پروہتوں کی قلعی کھول دی۔ دراصل ان کے دل میں مذہب کا پورا احترام تھا۔ ان میں مذہبی کوتاہیاں ضرور تھیں مگر انھوں نے کچھ ایسا نہیں کہا، جس سے اپنے مذہب کو ٹھیس لگے۔ انھیں ان نکتہ چینیوں سے صرف مفاد پرست مذہبی رہنماؤں کی بے رہروی کا اظہار کرنا مقصود تھا۔ ایک دفعہ ایسے مذہبی رہنماؤں کی عیاری اور چالبازیوں سے تنگ آکر اقبال بھی بول اٹھے :-

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری

نذر الاسلام نے اپنی شاعری میں قرآن اور پران کو پہلو بہ پہلو رکھ کر اسلامی اور غیر اسلامی تہذیب و تمدّن کی ترجمانی کی ہے۔ مسلمانوں کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کے خیالات و تصوّرات کو بھی پیش کیا ہے۔ کہیں فرشتوں کا ذکر کیا ہے تو کہیں دیوتاؤں اور دیویوں کا بھی راگ الاپا ہے۔ اس سے ان کی مذہبی عقیدت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اس لئے کہ وہ ایک شاعر تھے۔ ان کا تعلق ادب سے تھا۔ یہ بدیہی بات ہے کہ ماحول، معاشرہ اور زمانے کے تقاضوں سے بے نیاز ہو کر کوئی ادب وجود میں نہیں آسکتا۔ اگر آئے بھی تو وہ ادھورا رہ جاتا ہے۔ ادب زمانے کی تاریخ اور عوام کے جذبات و احساسات اور تہذیب و تمدّن کا ترجمان ہوتا ہے۔

نذر الاسلام پاک و ہند میں پیدا ہوئے۔ اس سرزمین میں ہندو بھی بستے ہیں۔ اور مسلمان بھی۔ لہٰذا ان دونوں فرقوں کی ذہنیت اور تہذیب و تمدّن کی عکاسی کرنا ان کا فرض تھا ——— انھوں نے اس ادبی اور اخلاقی فریضہ پر عمل کیا۔ قرآن کے پہلو بہ پہلو پران کو بھی مدِّنظر رکھا۔ اس کے سوا ان کے لئے کوئی چارۂ کار بھی نہ تھا۔ ہندوؤں کو نظر انداز کر کے مسلمانوں کے لئے ادب پیدا کرنا یا مسلمانوں کو نظر انداز کر کے ہندوؤں کے لئے ادب پیدا کرنا ان کے لئے ناممکن تھا۔ کیونکہ وہ انسانیت کے شاعر تھے۔ انسانیت کی ترقی و تکمیل ان کی منزلِ مقصود تھی۔

اقبال کو دیکھئے ——— ان کی شاعری اسلامی تہذیب و تمدّن کے لئے وقف ہے۔
رابندر ناتھ کو دیکھئے ——— ان کی شاعری میں ہندو تہذیب و تمدّن کی کار فرمائی ہے۔

ہاں نذر الاسلام بنگلہ ادب میں پہلے شخص ہیں جن کی شاعری میں دو قومی نظریہ کا تصوّر ملتا ہے۔ جنھوں نے مسلمان اور غیر مسلمان کو الگ الگ قوم قرار دیا۔ دونوں کے لئے الگ الگ مذہبی نظمیں لکھیں۔ اور دونوں میں زندگی کا ولولہ پیدا کیا۔ مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :-

ہم اسی ملّت کے افراد ہیں ———

جو مذہب کی راہ میں شہید ہوتے ہیں - ہم وہی ملّت ہیں -
ہم ہی مساوات اور میل محبّت کو وجود میں لاتے ہیں -
ہمیں لوگوں نے ساری دُنیا کو اپنا سمجھا ہے -
———— ہم وہی ملّت ہیں -

(بلبل)

اسی طرح انھوں نے پُران میں بیان کئے ہوئے شجاعت و بسالت کے مختلف واقعات کی طرف ہندوؤں کی توجہ منعطف کرکے ان میں ہمّت و حوصلہ پیدا کرنے کی کوشش کی - انھوں نے اپنی شاعری میں دیوتاؤں اور دیویوں پر کچھ لکھا بھی ہو تو اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ان کو ہندو مذہب سے عقیدت تھی - بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا دل مذہب اسلام کی محبّت سے معمور تھا - جب ہی تو اسلام کو خطرے میں دیکھ کر اُن سے رہا نہ گیا - ان کی زبان سے یہ پرجوش الفاظ نکلے :-

اے مسلمانو! تم آجاؤ!
وہ دیکھو ———— اسلام ڈوب رہا ہے -

میرے خیال میں نذرالاسلام نے کہیں ایسا نہیں کہا کہ" اے ہندوؤ! ہندو مذہب ڈوب رہا ہے - تم آجاؤ" البتہ سیاست کے مشترکہ مفاد میں انھوں نے دونوں فرقوں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھا - یکساں دونوں کے جذبات و احساسات کی آئینہ داری کی - ملک کو آزاد کرنا اور ظلم و ستم کا خاتمہ کرکے اس میں خوشحالی قائم کرنا ہی ان کا نصب العین تھا - اس لئے مذہب سے قطع نظر کرکے انھوں نے ملک کے کل عوام میں سیاسی اور سماجی بیداری کی روح پھونکنے کی کوشش کی -

عرصۂ دراز تک برطانوی سامراج کے دباؤ سے پاک و ہند کے عوام کا سیاسی، سماجی اور اقتصادی شعور ختم ہوتا جا رہا تھا - ایسے نازک وقت میں مذہبی جذبہ کو بیدار کرنے کے سوا ملک اور قوم کو جگانے کی کوئی اور صورت نہ تھی - اسی خیال سے اُس وقت کے سیاسی سربراہوں نے بھی تحریکِ خلافت کا بول بالا کرکے مسلمانوں میں بیداری کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی تھی - نذرالاسلام نے بھی صورت حال کو بھانپ لیا کہ مذہبی جذبات کو بیدار کئے بغیر عوام میں سیاسی اور سماجی بیداری پیدا کرنا مشکل ہے - ان کو بخوبی معلوم تھا کہ مشرقی ممالک کے لوگ مذہب کے نام پر مر مٹ سکتے ہیں - اسی لئے مذہبی بیداری کے ذریعے عوام میں آزادی کا خون دوڑانا زیادہ آسان ہے - اس طریقِ کار پر انھوں نے عمل بھی کیا - اور اپنی شاعری سے ہندو اور مسلمان، دونوں کو مذہبی جذبات سے سرشار بنا کر انھیں جنگِ آزادی کے میدان میں لا کھڑا کیا - انھوں نے پُران کے واقعات یاد دلا کر ہندوؤں کو سامراج اور ظلم و ستم کے خلاف کیسے اُکسایا ہے، اس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو :-

میں پرشورام کی سخت کلہاڑی ہوں -
میں دُنیا کو شاہنشاہیت سے پاک کروں گا -
اور ہمہ گیر امن و امان قائم کروں گا -

(بدروہی)

ہندوؤں اور مسلمانوں کے تہذیب و تمدن کی اس ترجمانی کے ساتھ نذرالاسلام کا مذہبی رشتہ جوڑنا اور یہ کہ

ان کا کوئی خاص مذہب ہی نہیں یا ان کو ہندو مذہب سے دلی عقیدت تھی یا یہ ترجمانی ان کی ایمانی کمزوری کی دلیل ہے بجا نہ ہوگا اس لئے کہ اسلام صرف مسلمانوں کے لئے وجود میں نہیں آیا بلکہ پوری دنیا کی سالمیت، بنی نوع انسان کی نجات اور انسانیت کو فروغ دینے کے لئے آیا ہے۔ نذر الاسلام نے ہندوؤں کے مذہبی جذبات سے فائدہ اٹھا کر ان میں آزادی کی لہر دوڑائی، تو اس سے ان کے اپنے مذہب پر کوئی آنچ نہیں آتی - بلکہ یہ ان کی وسیع النظری اور انسان دوستی کی دلیل ہے۔

اقبال نے "جبریل اور ابلیس" کے مکالمے میں ابلیس کا ایک نمایاں کردار پیش کیا اور اسے سرگرمیوں کا مجسمہ قرار دیا ہے - جبریل کے جواب میں ابلیس کہتا ہے:-

دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزم خیر و شر
کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے؟ میں کہ تو؟
گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو؟
میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط! اَللّٰہ ھُو اَللّٰہ ھُو اَللّٰہ ھُو!

اس سے یہ مطلب تھوڑا ہی نکلتا ہے کہ اقبال ابلیس کی متکبرانہ اور کافرانہ خودی کے قائل ہیں - نعوذ باللہ! انھیں تو صرف اس کی جدوجہد اور سرگرمیوں کا اظہار کرنا مقصود تھا - انھوں نے نادر شاہ، نپولین اور مسولینی پر نظمیں لکھ کر خراجِ عقیدت پیش کیا تو اس کی بنا پر یہ کہنا ہرگز مناسب نہ ہوگا کہ وہ نادر شاہ کی تاخت و تاراج کو بھی پسند کرتے ہیں یا نپولین اور مسولینی کے مذہب سے بھی عقیدت رکھتے ہیں - ان کا روئے سخن صرف ان کی خودی، عمل، ہمت اور شجاعت کی طرف تھا - بنابریں قیاس اگر نذر الاسلام نے کہیں کہیں بشو، پرشورام یا بلرام وغیرہ کی شجاعانہ تصویریں پیش کی ہوں تو اس سے ان کے مذہب یا عقیدت کو کوئی سروکار نہیں۔

نذر الاسلام کے متعلق مشرقی پاکستان کے شاعر نور الاسلام نے کہا:-
وہ نبی کریمؐ کے بے لوث معتقد اور تابعدار ہیں۔
مجاہد نذرل ـــــــ اسلام کی ایک قابل صد احترام تصویر ہیں۔

ـــــــ نور الاسلام

نذر الاسلام شروع سے لیکر آخر تک ایک مسلمان اور سچے مسلمان ہیں - ان کا جذبہ مجاہدانہ ہے - وہ عمل اور کردار کے قائل ہیں - ان کے نزدیک کمزوری گناہ ہے - کمزور مومن کامل نہیں ہو سکتا - رسول کریم صلعم نے فرمایا:-

"قوی مسلمان ضعیف مسلمان سے بہتر ہے"

اقبال نے بھی یہی بات بتائی کہ کمزوری جرم ہے - کمزور زندہ نہیں رہ سکتا۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!

ـــــــ اقبال

یہی وجہ ہے کہ نذرالاسلام مسلمانوں کی ظاہرداری کے سخت مخالف تھے۔ ان کے نزدیک وہ مذہب بے معنیٰ ہے جو بے جان ہو۔ جس سے انسانیت کو کوئی فائدہ نہ پہنچے۔ وہ مسلمان، مسلمان ہی نہیں جو کمزور اور جوش ایمان سے بے بہرہ ہو۔ انھوں نے بے جان، بے عمل مسلمانوں کی ظاہرداری اور ریاکاری کا پول اس طرح کھولا:-

درخت مسلم کو جتنا بھی ہلاؤ، اس سے سوائے
داڑھی، شیروانی، چغہ، تسبیح اور ٹوپی کے کچھ نہیں گرے گا۔
(خالد، ترجمہ)

اقبال بھی بے جان، بزدل، پست ہمت اور بے عمل ملاؤں اور فقیہوں سے بیزار تھے۔ انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ نام نہاد ملاؤں اور فقیہوں کی عبادت میں روح نہیں ہے۔ وہ قوم اور قوم کی امامت کے راز سے ناواقف ہیں۔ یوں تو وہ خدا کے آگے سر جھکاتے ہیں مگر دراصل ان کے دل صنم آشنا ہیں۔ ان کی نماز "إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ" (بے شک نماز فحش اور برائی سے روکتی ہے) کے مصداق نہیں۔ فرماتے ہیں:-

آہ! اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہ
وحدت افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام!
قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام!

نذرالاسلام نرے مذہبی رہنما سے قومی ہیرو کا زیادہ احترام کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی نظم "خالد" میں حضرت خالدؓ سے یوں خطاب کیا:-

خدا کے حبیب محمدؐ فرما گئے کہ مسیح اور مہدیؑ پھر دنیا میں نازل ہوں گے۔
اے بہادر (خالد)! میری خواہش ہے کہ تو ہی ہاتھ میں تلوار لئے پھر آجا۔

نذرالاسلام نے اپنی عقیدت و مذہب کے متعلق خود اپنا تعارف کرایا۔ فرماتے ہیں:-

اللہ میرا رب ہے پھر مجھے کیا خوف!
محمد صلعم میرے نبی ہیں۔ جن کی دنیا بھر میں ثنا خوانی ہو رہی ہے۔
مجھے کیا ڈر ہے!
قرآن میرا ڈنکا ہے۔
اسلام میرا مذہب ہے۔ اسلام ہی میری پہچان ہے۔

کلمۂ طیبہ میرا تعویذ ہے۔ توحید میرا مرشد ہے۔
ایمان میری زرہ ہے۔ ہلال میری ضیاء ہے
نعرۂ "اللہ اکبر"——

میرا اعلانِ جہاد ہے -
میری منزلِ مقصود آسمانوں کا فردوس بریں ہے -

عرب ہو یا مصر، چین ہو یا ہند سارا جہاں میرا بھائی ہے -
کوئی اعلیٰ اور کوئی ادنیٰ نہیں - یہاں سب ہی برابر ہیں -
مختلف قالبوں میں ایک ہی روح کارفرما ہے -
امیر اور فقیر برابر ہیں -
میں بیک تکبیر جاگ اُٹھتا ہوں - میری کامیابی یقینی ہے -
(ذوالفقار)

واقعی نذرالاسلام کے الفاظ ———— "ایک ہی تکبیر سے جاگ اٹھتا ہوں، میری کامیابی ہے" سچ نکلے - وہ خود بھی جوشِ ایمان لئے ہوئے جاگ اُٹھے - اور ان کی جرأت مندانہ اور مجاہدانہ تکبیر سے سرزمین بنگال کے مسلمان بھی جاگ اُٹھے - ان کے تن نازک میں شاہین کا جگر پیدا ہوا -

نوا پیرا ہو، اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہین کا جگر پیدا
———— (اقبال)

عوام میں خود ارادتی اور حرکت وعمل کا جذبہ پیدا ہوا - سیاسی اور سماجی شعور بیدار ہوا - مولانا محمد علی اور شوکت علی مرحوم کی قیادت میں خلافت کی جو تحریک شروع ہوئی تھی، اس میں مسلمان نوجوان جوق در جوق کود پڑے - مسلمانوں کی اس بیداری کو دیکھ کر شاعر مسرت بھرے جذبات میں بول اٹھا :-

کیا پھر شبستان کے اندھیرے میں
صبح کی شہنائی بج اٹھی ہے ؟
آخری شب کو مینار کی چوٹی سے
زیر آسمان آوازِ اذان سُن رہا ہوں -
کیا قافلے کے مسافروں نے "دوستو جاگ اُٹھو"
کی آواز بلند کی ہے ؟
کیا صبح کے پرندے اپنے اپنے آشیانے چھوڑ کر
باغوں کی طرف پرواز کرنے لگے ہیں ؟
کیا پھر آج صبح سے کعبے کی راہ پر
ہجوم ہونے لگا ہے !

کیا پھر "حرا" سے نور کے ہزاروں دھارے
دنیا بھر میں بہنے لگے!
کیا خالد، طارق، موسیٰ
خون سے رنگین جامے پہرائے!
نئے بلال کے شیریں سُر سے
حسین صبح پھر نمودار ہوئی ہے!
کیا پردیسی اور بدیسی زائرین کعبہ
عرفات میں جمع ہونے لگے ہیں!
کیا پھر کوہِ طور پر ضابطہ "لا شریک لہٗ"
کا طوفان اُمڈا ہے!
کیا بہادر شہیدانِ کربلا انگلی بھر کر حیاتِ جاوید لئے ہوئے آگئے!
آج نوجوانی کے سُرخ نور سے زمین و آسمان روشن ہو گئے ہیں!!

ساری مُسلم دُنیا میں بیداری اور انقلاب کا جذبہ دیکھکر نذر الاسلام نے خوشی محسوس کی اور اس کی ایک جیتی جاگتی تصویر اپنی شاعری میں پیش کی۔ ان کو یقین ہوگیا تھا کہ مسلمانوں کا عہدِ تاریک گذر چکا ہے۔ اب ایک روشن مستقبل اس کے سامنے ہے۔ انھیں پھر اپنی پُرانی شان و شوکت نصیب ہوگی۔ ساری دنیا کے مسلمان پھر آزاد ہو جائیں گے۔ شاعر نے گایا:۔

دیکھو! آج عیدگاہ شہادت میں جماعت بھاری ہوگئی ہے۔
پھر دنیا میں اسلامی فرمان جاری ہوگا۔
توران، ایران، حجاز، مصر، ہند، مراکش اور عراق
شانہ بہ شانہ صف باندھے کھڑے ہوگئے ہیں۔
جو اب تک آنسو اور افسوس لئے ہوئے بیہوش پڑے تھے،
وہ بھی فردوس کے آرزومند ہوگئے اور نیا جوش لئے ہوئے جاگ اُٹھے ہیں۔
تو بھی اس جماعت میں آجا، 'دُنیا داری' بھول جا۔
جو زنداں میں تھے، وہ آج فراخ دل اور نئی توانائی لے کر
شمشیر لئے ہوئے میدان میں کود پڑنے لگے۔
تقدیر بدل گئی ہے، آج ان کے نعرہ ہائے تکبیر بلند ہونے لگے ہیں۔

(ذوالفقار)

اسلامی ممالک کی اٹھان دیکھ کر اقبالؔ بھی پھڑک اُٹھے۔ انھوں نے ان الفاظ میں مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی:۔

دلیلِ صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
اُفق سے آفتاب اُبھرا، گیا دورِ گراں خوابی !
عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا وفارابی
عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی ، ذہنِ ہندی ، نطقِ اعرابی
سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
کتابِ ملّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

سرزمینِ بنگال میں مسلمانوں کی آزادی کے خواب دیکھنے والے نذرالاسلام کا خواب آج شرمندۂ تعبیر ہوا۔ پاک و ہند کے مسلمانوں کو آج صرف آزادی ہی نہیں ملی - انھیں ایک آزاد وطن ——— پاکستان بھی ملا۔ لہٰذا ہم کہیں گے کہ نذرالاسلام ہمارے "قومی شاعر" ہیں۔

نذرالاسلام اور بچوں کا ادب

نذرالاسلام نے بچوں کے لئے جو نظمیں لکھی ہیں، وہ بنگلہ ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ وہ زندگی بھر بچے ہی رہے۔ ان کی فطرت ہمیشہ بچوں کی طرح رہی۔ بچوں کی طرح ہنستے کھیلتے زندگی گزار دی۔ شاعر غلام مصطفےٰ نے ان کی فطرت کی تصویر یوں کھینچی ہے:-

ایک مرتبہ میں قاضی نذرالاسلام
کے گھر پر گیا۔
دیکھا کہ بیٹا اچھلتے کودتے ہیں۔
رات دن ہنسی خوشی بس گائے جاتے ہیں۔

دل میں خوشی موجزن ہے۔
دنیا میں کوئی ان کا پرایا نہیں۔

وہ بچوں کی نفسیات سے پوری طرح واقف تھے۔ انھوں نے بچوں کے لئے جو نظمیں لکھی ہیں، وہ بچوں کی نفسیات کے مطابق اور ان کی ذہنی نشو ونما کے لئے سازگار ہیں۔ انھوں نے بچوں میں جوانمردی، حب الوطنی اور ایثار نفسی کی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ ان کو اس بات کا اچھی طرح احساس تھا کہ قوم کے نونہال اس کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ ان پر قوم و ملک کا مستقبل موقوف ہے۔ اس لئے انھوں نے بچوں سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ رکھیں۔ اور ان میں صحت مندانہ ذہنیت ابھارنے کی تدبیر سوچی۔ ان کی تعمیری اور حوصلہ افزا نظموں میں "سات بھائی چمپا" کی نظمیں مقبول عام ہیں۔ یہ نظمیں بچوں کے نصاب میں رکھی جاتی ہیں۔ بچے انھیں نہایت ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔ اور رٹ رٹ کر ازبر کر لیتے ہیں۔ شاعر نے جدید نفسیات کے مطابق محض خشک اخلاقی سبقوں سے بچوں کے ننھے دل و دماغ کو بوجھل نہیں کیا بلکہ کبھی رومانیت، کبھی چشم دید واقعات پر رنگ چڑھا کر اور کبھی الفاظ کی دلکش صوتی کیفیت سے ان کی دلچسپی بڑھانے کی کوشش کی۔ "سات بھائی چمپا" سے ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے:-

میں سوداگر ہوں۔ سات سمندر پار روانہ ہوں گا۔
سات سمندر میں میرے جہاز چلتے پھرتے نظر آئیں گے۔

میں اپنا مالِ تجارت لے کر تمام بندرگاہوں کا دورہ کروں گا۔
ساری دنیا کی منڈیوں میں میری خرید وفروخت کا سلسلہ جاری رہے گا۔
(سات بھائی چمپا)

میں چار دیواری میں اور نہیں رہوں گا - اب دنیا کو دیکھ لوں گا۔
مجھے دیکھنا ہے کہ کس طرح انسان زمانے کی گردشوں کے ساتھ ساتھ چکر لگا رہا ہے۔
کس طرح وہ ملک ملک گشت لگا رہا ہے!
کس امید پر اور کیسے لاکھوں بہادر مر مٹ رہے ہیں!
کس امید پر وہ موت کی سختی قبول کر لیتے ہیں۔

علاوہ ازیں شاعر نے بچوں کی ذہنی نشاط وانبساط کے لئے بہت سی مزاحیہ نظمیں بھی پیش کی ہیں - اس سلسلے میں "لیچو چور"، "کٹھ بڑالی"، "کھاندورادو"، "ٹھینگ پھولی" وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

نذرالاسلام کی شاعری میں عربی، فارسی اور اُردو الفاظ کا استعمال

قدیم بنگلہ اور اُردو

نذرالاسلام کے زبان وادب کے مطالعے سے قدیم "پوتھی ادب" کی تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ جب بنگال میں "پوتھی ساہتیہ" کا دَور دورہ تھا۔ کہنے کو تو وہ ادب ایک الگ نام ——— "پوتھی ادب" سے موسوم تھا۔ مگر اس کی زبان فارسی اور اُردو سے بہت قریب تھی۔ فارسی اور اُردو کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ بنگال کے حکمران حسین شاہ اور نصرت شاہ وغیرہ کے عہد کے بنگلہ ادب پر نظر ڈالیں، تو اس کے سیکڑوں، ہزاروں عربی، فارسی اور اُردو الفاظ کی روشنی میں اسلامی تہذیب وتمدّن، اسلامی جذبات واحساسات اور قدیم مسلمانوں کی شان وحمیت کا نقشہ ہماری نگاہوں میں پھر جاتا ہے۔

پوتھی ادب کا روپ

پوتھی ادب کا ایک معتدبہ حصّہ عربی رسم الخط میں لکھا جاتا تھا۔ اور وہ دائیں طرف سے لکھا جاتا تھا۔ عربی رسم الخط میں لکھے ہوئے بنگلہ ادب کا ایک قابلِ قدر سرمایہ اب بھی موجود ہے۔ "پوتھی ساہتیہ" کی زبان نہایت سادہ مگر پُرکیف تھی۔ یہ مقامی بولیوں سے بہت قریب تھی۔ اس زبان وادب پر اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلامی روایات وثقافت کا نمایاں اثر تھا۔ "خلاصۃ الانبیاء"، "حاتم طائی"، "شاہنامہ"، "امیر حمزہ"، "قصص الانبیاء" "جنگ نامہ"، "تذکرۃ الانبیاء"، "شہادت نامہ"، جیسی پوتھیاں اس کا زندہ ثبوت ہیں۔ ان پوتھیوں کا کوئی صفحہ شاید ہی ایسا ہو جس میں عربی وفارسی اور اُردو کے دس بیس الفاظ نہ ہوں۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں :-

خلاصۃ الانبیاء :-

حاتم طائی :-

شاہنامہ :-

امیر حمزہ :-

(مصنّف نے یہاں بنگالی زبان کے اقتباسات دیئے ہیں)

مذکورۂ بالا اقتباسات میں عربی، فارسی اور اُردو الفاظ ——— خلاصۃ الانبیاء، کتاب، نبی، تمام،

سیر، قلم، نام، الٰہی، شروع، فرصت، جی، قرار، سوال، قصہ، تمام، گھوڑا، میرا، توڑنا، لگام، طرف، مردانہ، روانہ، اولاد، راہدار، راہ، سوار، بادشاہ، بیٹی، مہرنگار، عاشق، سہیلی، تار نار، امیر اور بات پر غور کیجئے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ زبان اُردو سے کتنی قریب تھی۔

مگر زمانے کا اُلٹ پھیر ہے کہ یہ زبان کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے؟ ہندوؤں اور انگریزوں کی کارسازیوں نے اس کا چہرہ مسخ کر دیا۔ انھوں نے اسلامی بنگلہ کو "اینگلو-ہندو بنگلہ" بنانے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ہندو ادیبوں اور شاعروں نے پوتھی ساہتیہ کی سیدھی سادی اور لوچ دار زبان میں نہ صرف سنسکرت کے بھاری بھرکم الفاظ ٹھونس دئے بلکہ ان بتانِ عجم کے پجاریوں نے اس میں ہندو مذہب کے جذبات و خیالات اور غیر اسلامی تصورات و تخیلات کی روح پھونک کر اسے اپنی بنیادی خصوصیات سے بیگانہ بنا دیا۔ اسے سنسکرت کی متبنیٰ بیٹی بنا کر اس کی رفتار پر بارِ عظیم ڈالا۔ انھوں نے اس چہیتی زبان کے چہرے کو اس قدر بگاڑ دیا کہ موجودہ سنسکرت نما بنگلہ اور پوتھی ساہتیہ کو پہلو بہ پہلو رکھ کر ان پر نگاہ ڈالی جائے تو دونوں میں بہت بڑا فرق نظر آئے گا۔ سنسکرت کی اس اناپ شناپ تقلید سے بنگلہ اور اُردو جو ڈیڑھ سو پونے دو سو سال پہلے دو مماثل اور قریب تر زبانیں تھیں، وہ اس قدر کترا گئی ہیں کہ اب اگر غیر بنگالیوں کو بنگلہ سیکھنے کی ترغیب دی جائے تو ان میں اکثر اسے بیگانہ زبان سمجھ کر ہچکچانے لگتے ہیں۔ دوسری طرف بنگالیوں کو اُردو سیکھنے کی ہدایت دی جائے تو ان میں بھی بہت لوگ اسے اپنے پر بارِ عظیم خیال کرتے ہیں۔

نذرالاسلام اور بنگلہ زبان کا نیا روپ

مسلمان گھرانوں کے سیکڑوں عربی، فارسی اور اُردو الفاظ جو کئی صدیوں سے بنگلہ ادب میں مستعمل تھے اور حکومت برطانیہ کے عہد میں فورٹ ولیم کالج کے ہندو پنڈتوں کی دست برد سے صفحۂ ادب سے روپوش ہو کر گھر کے گوشوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے تھے، وہ دوبارہ نذرالاسلام کے زبان و ادب میں آب و تاب کے ساتھ رونما ہوئے۔ "سہراب و رستم"، "جنگ نامہ"، "ابو حنیفہ" اور "امیر حمزہ" کے ورق ورق میں درج کئے ہوئے قدیم مسلمانوں کی دلاوری اور بہادری کے جو نقوش ہیم، بنکم اور نبین کی سادھو بھاشا سے راندۂ بارگاہ ہو کر دیہاتوں میں گائی جانے والی پوتھیوں میں اپنا دم توڑ رہے تھے، وہ یکایک نذرالاسلام کی آمد کے ساتھ ساتھ بنگلہ ادب میں حیات تازہ لے کر چمک اٹھے۔

بنگلہ، حکومت برطانیہ سے پہلے

زیادہ واضح لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ عہد برطانیہ سے قبل سرزمین بنگال میں گوڑی کی زبان کو مرکزیت حاصل تھی۔ ملک بھر کے زبان و ادب پر گوڑی زبان کی چھاپ تھی۔ اور وہ زبان ہیم، بنکم اور نبین کی زبان سے بہت مختلف تھی۔ گوڑی زبان پوتھی ادب کا ذریعۂ بیان تھی۔ اسی زبان میں بھارت چندر جیسے پنڈت نے بھی شعر و شاعری کی تھی۔ جدید بنگلہ ادب میں کسی کو اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو اسے پیاری چاند کی کتاب ——— "آلالیر گھر بدلال" (۱۸۵۸ء) پر نظر ڈالنی چاہئے۔ پوتھی ادب کی زبان کو مسلمان حکمرانوں نے پانچ سو سال تک پالا پوسا اور پروان چڑھایا۔ حسین شاہ اور نصرت شاہ نے اسی زبان کی سرپرستی کی تھی۔ شاعر علاول اور دولت قاضی نے اسی زبان میں شاعری کی تھی۔ اسی زبان میں دلیلیں اور دستاویزیں بھی لکھی جاتی تھیں۔ مگر افسوس کا مقام یہ ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی کی ابتدا سے لے کر سو سوا سو سال تک سنسکرت اثرات نے پوتھی ادب کی زبان کا چہرہ مسخ کر رکھا تھا۔ بنگال کی اصلی زبان نے اپنی اصلی

شکل وصورت کو کھو کر سنسکرت کا رنگ روپ دھار لیا تھا۔ بظاہر یہ خیال ہوتا تھا کہ بنگلہ زبان سنسکرت ہی کی بیٹی ہے۔ حالانکہ وہ نہ سنسکرت ہے اور نہ سنسکرت کی بیٹی۔ بلکہ وہ سرزمین بنگال کے قدیم باشندوں کی اصلی زبان ہے۔

حکومت برطانیہ کی سرپرستی میں فورٹ ولیم کالج کے ہندو پنڈتوں نے پوتھی ادب کی زبان کو بدلنا شروع کیا۔ جن کی تنگ نظری کی وجہ سے قدیم اور اصلی بنگلہ زبان کا چہرہ مسخ ہو کر رفتہ رفتہ سنسکرت نما ہوتا گیا۔ آخر اس زبان کا نام "سادھو بھاشا" قرار پایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پوتھی ادب کی زبان نے اسکولوں اور مدرسوں سے رخصت ہو کر گھروں میں پناہ لے لی۔ مدت دراز تک صرف ہندو ہی نہیں بلکہ مسلمان اہل قلم بھی قدیم اصلی زبان سے احتراز کرتے رہے اور اس مصنوعی زبان کو اپنی زبان سمجھتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ "سادھو بھاشا" کا دور دورہ ہو گیا اور بنگال کی اصلی زبان کو بحال کرنے کا جذبہ لوگوں کے دل سے مٹتا گیا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

آخر خوش قسمتی سے زبان کی تاریخ میں ایک موڑ آیا۔ بنگلہ ادب کے اُفق پر نذرالاسلام طلوع ہوئے اور پوتھی ادب کی روپوش شدہ زبان نے نشاۃ الثانیہ کا منہ دیکھ لیا۔ بے شک اس سے پہلے بھی ستیندر ناتھ اور موہت لال نے بنگلہ ادب میں عربی وفارسی الفاظ کا استعمال کیا تھا مگر وہ استعمال اتنے وسیع پیمانہ پر نہ تھا جتنا کہ نذرالاسلام کا ہے۔ ستیندر ناتھ اور موہت لال نے موقع ومحل کے لحاظ سے مسلمانی ماحول پیدا کرنے کے لئے عربی و فارسی الفاظ کا استعمال کیا نہ کہ اسلامی تہذیب وتمدن کی ترجمانی کے لئے ستیندر ناتھ اکثر اوزان اور بحور پر رنگ چڑھانے کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال کرتے تھے۔ مگر نذرالاسلام نے حسن صوری سے زیادہ حسن معنوی اور فصاحت سے زیادہ بلاغت پیدا کرنے کے لئے عربی وفارسی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔

مشرقی پاکستان میں بنگلہ زبان کا نیا رجحان

حصول پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان میں بنگلہ زبان وادب کا جو نیا رجحان نظر آتا ہے، اس کے بانی دراصل نذرالاسلام ہیں۔ اب مشرقی پاکستان میں بنگلہ زبان کا جو دھارا بہ رہا ہے، وہ مغربی بنگال کی زبان سے بہت مختلف ہے۔ مغربی بنگال کی زبان اپنی پرانی رفتار اور پرانے رنگ وآہنگ پر قائم ہے۔ دوسری طرف مشرقی بنگال کی بنگلہ اپنی پرانی کینچلی بدل کر نئے چولے اور نئی روح کے ساتھ دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔ اب سنسکرت کے اثرات مٹ کر اس میں اسلامی تہذیب وتمدن کا رنگ جھلکنے لگا ہے۔ ایشور، بھگوان، دیوتا، سرگ، نرک، آشیرباد، جل، اسنان وغیرہ کی جگہ اللہ، خدا، فرشتہ، بہشت، دوزخ، دعا، پانی، غسل وغیرہ کا استعمال ہونے لگا ہے۔ بلاشبہ اس تبدیلی اور نئے رجحان کا سہرا نذرالاسلام کے سر باندھا جائے گا۔

نذرالاسلام کی زبان پر اسلامی ماحول کا اثر

جدید بنگلہ ادب میں وسیع پیمانہ پر عربی وفارسی اور اردو الفاظ کا استعمال نذرالاسلام ہی کے ساتھ شروع ہوا۔ ان کی پیدائش ایک مسلمان گھرانے میں ہوئی۔ ان کے والد قاضی فقیر احمد ایک بزرگ آدمی تھے۔ وہ عربی وفارسی سے کم وبیش واقف تھے۔ نذرالاسلام کو گھر ہی میں اپنے والد سے عربی وفارسی سیکھنے کا موقع ملا۔ علاوہ ازیں ان کے چچا قاضی بذل کریم فارسی ادب کے بڑے ماہر تھے۔ وہ اردو اور فارسی نما غزلیں لکھتے اور گایا کرتے۔ نذرالاسلام نے ابتدائی عمر میں ان سے بھی فارسی پڑھی۔ اور ان کی دیکھا دیکھی عربی وفارسی آمیز

بنگلہ زبان میں طبع آزمائی بھی کی ۔ نذرل کے زمانے میں ان کے پیدائشی مقام چرلیا اور راسں کے اردگرد کے علاقوں میں "لیٹوناچ" کے نام سے ایک قسم کا "جاترا گان" رائج تھا ۔ تنگدستی کا شکار ہو کر گیارہ سال ہی کی عمر میں ان کو لیٹوناچ سے منسلک ہونا پڑا ۔ اسں سلسلے میں انھیں بہت سے منظوم ناٹک اور گیتوں کی بھی تصنیف کرنی پڑی ۔ اس زمانے میں دیہاتی گیتوں خاص کر کے مرشدی اور زاری گیتوں میں عربی و فارسی کے الفاظ کثرت سے استعمال کئے جاتے تھے ۔ نذرالاسلام کو بھی رائج الوقت طرز کو اختیار کرنا پڑا ۔ اسں مخلوط زبان کا اثر ان کی ابتدائی نگارشات پر تو پڑا ہی تھا ۔ علاوہ ازیں ان کی شاعرانہ زندگی کے ہر دَور خصوصاً آخری دَور کے کلام پر نمایاں طور پر پڑا ۔ انھوں نے اسکول میں فارسی اختیاری زبان کی حیثیت سے لی اور فارسی کے ماہر اُستاد حافظ نور النبی صاحب سے اسں کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران "بنگالی پلٹن" میں فارسی کے ماہر ایک پنجابی مولوی صاحب سے نذرل کی ملاقات ہوئی تھی ۔ انھوں نے مولوی صاحب سے دیوانِ حافظ، مثنویٔ مولاناؒ اور فارسی کی دوسری کتابیں پڑھیں ۔ غرض انھیں عربی، فارسی اور اُردو سے واقفیت حاصل کرنے کا بارہا موقع ملا ۔ اور ان تعلیمات کے اثر سے عربی و فارسی کے سیکڑوں ہزاروں الفاظ ان کی زبان میں شیر وشکر ہو گئے ۔

عربی، فارسی اور اُردو الفاظ کا برمحل استعمال

نذرالاسلام عربی و فارسی کے الفاظ کو استعمال کی خاطر استعمال نہیں کرتے، بلکہ جو مروجہ الفاظ ان کی زبان کا جزو بن گئے تھے، انھیں کو وہ استعمال میں لاتے ۔ یہ الفاظ دیگر ان کا یہ استعمال آمد تھا، آورد نہ تھا ۔ وہ قلم برداشتہ لکھتے جاتے اور برجستہ گائے جاتے اور عربی، فارسی اور اُردو الفاظ ان کے نوکِ قلم سے صفحۂ قرطاس پہ اس طرح ٹپکتے پڑتے کہ معلوم ہوتا ہے اسی سرزمین ہی کے لئے وہ پیدا ہوئے تھے ۔ پھر بھی انھیں ایسے الفاظ کے استعمال میں موقع ومحل کا لحاظ ضرور ہوتا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں غیر اسلامی ماحول کی بہ نسبت اسلامی ماحول ہی میں عربی و فارسی الفاظ کا استعمال زیادہ نظر آتا ہے ۔ اس سلسلے میں ان کی نظم "عید مبارک"، "نوروز" "فاتحۂ دوازدہم"، "محرم"، "انور"، "کمال پاشا" وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ یہاں یہ بات جان لینا مناسب ہوگا کہ نذرالاسلام نے عربی و فارسی الفاظ کا استعمال نثر میں بہت کم ہی کیا ہے ۔

نذرالاسلام نے عام طور پر عربی و فارسی کا استعمال ایسی خوبی سے کیا ہے کہ اس سے عبارت کی روانی، سامعہ نوازی اور جھنکار کی کیفیت دوبالا ہو جاتی ہے ۔ ان کی نظم "محرم" کی دو سطریں ملاحظہ ہوں:-

"لال سیاہ آسمان لالِ لال دنیا
اماں لال تیری خون کیا خونیا"

نیلا آسمان لال ہو گیا ہے ۔ پوری دنیا سرخ ہو گئی ہے ۔
اے اماں! تیرے لال کو کس خونی نے خون کر دیا ہے؟

یہاں ایک لفظ بھی بنگلہ کا نہیں ۔ دوسری سطر کو بنگلہ کے بجائے اُردو کہنا ہی مناسب ہوگا ۔ عربی و فارسی کے الفاظ نے عبارت میں کوئی کرختگی پیدا نہیں کی بلکہ انھوں نے اس کی خوبی میں مزید اضافہ کر دیا ہے ۔

شاعر کے ابتدائی کلام کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے ـــــ اور بنگلہ الفاظ کے ساتھ ساتھ نشان دادہ عربی و فارسی کے الفاظ، ان کی ساخت اور ان کی ترکیبوں پر غور کیجئے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ان کا ابتدائی ادب پوتھی ادب سے کتنا قریب تھا ۔

نذر الاسلام بولے بھائی کرو بندگی
کھوائیونا آجنم گنا ہیئے زندگی
شرمندگی ہوے حشر پر ملجھے

مسلمان گھرانوں کی روز مرّہ زندگی میں عربی، فارسی اور اُردو کے سیکڑوں ہزاروں الفاظ مثلاً غسل، چراغ، پانی، مہمان، میزبان، شطرنجی، برتن، کتاب، دعا، مناجات، شیرینی مستعمل ہیں، جو عام طور پر ہندو گھرانوں میں نہیں ہیں۔ نذرالاسلام مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کا گھر اس سے مستثنیٰ نہ تھا۔ انھوں نے ان مروّجہ الفاظ کو بنگلہ ادب میں اس خوبی سے کھپایا ہے جس طرح انگوٹھی میں نگینہ جڑا جاتا ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ دو ایک جگہ پر ایسے الفاظ سے ان کے کلام میں کرختگی اور بدنمائی پیدا ہو گئی ہے۔ مگر عام طور پر اس سے کلام کی سامعہ نوازی اور شگفتگی میں اضافہ ہی ہوا ہے۔

عربی وفارسی الفاظ اور اسلامی تہذیب وتمدّن کی ترجمانی

اتنی بات لسانیات کے ہر طالب علم کو معلوم ہے کہ الفاظ غیر جاندار ہونے کے باوجود جاندار ہی ہوتے ہیں۔ وہ اسلاف کے جذبات و خیالات، اور قدما کی امیدوں اور حسرتوں کو معدومیت کی دست برد سے ابدالآباد تک محفوظ رکھتے ہیں۔ ایک زمانے کے ذہنی خزانوں کو آیندہ نسلوں تک پہنچاتے ہیں۔ عہد بہ عہد کی خصوصیات، تاریخی واقعات، مذہبی رسوم و اعتقادات اور تہذیب وتمدّن کی آئینہ داری کرتے ہیں۔ نذرالاسلام کے خاص خاص عربی وفارسی کے الفاظ اسلام کی ثقافتی تاریخ کا کام انجام دیتے ہیں۔ اور آگے چل کر بھی کام دیتے رہیں گے۔ ان کی شاعری میں محرم، قربانی، عید، فاتحۂ دوازدھم، جیسے الفاظ مسلمانوں کے مذہبی رسوم کے علاوہ خاص خاص تاریخی واقعات پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ رسول کریمؐ کے اصحاب عمر فاروقؓ، شیرِ خدا علیؓ، سیف اللہ خالد (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)، ترکستان کے کمال پاشا و انور پاشا، مصر کے زاغلول پاشا، مراکش کے ربیع سردار اور افغانستان کے امان اللہ وغیرہ کا ذکر ان کے کلام میں بار بار ملتا ہے۔ ان ناموں کے ساتھ ساتھ ان کی بلند و بالا شخصیتوں کا تصوّر اور ان کی شجاعت و حمیّت کی تصویریں بھی ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ غرض مختلف عربی، فارسی اور اُردو الفاظ کے توسّط سے نذرالاسلام کی شاعری میں اسلامی تہذیب وتمدّن کی وہ ترجمانی ملتی ہے جس سے مدّتوں ہمارا ادب بڑی حد تک محروم تھا۔ ذیل کی سطروں میں عربی وفارسی کے الفاظ۔ امت، گنہگار، حبیب، خدا، پل صراط، نبی، کس طرح اسلامی تہذیب وتمدّن کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

امت آمی گنہگار،
تبو بھی نہیں رے آمار
احمد آمار نبی
جنی خود حبیب خدار
جا نہار امت ہئتے چائے سکل نبی
تا نہاری دامن دھری
پل صراط ہووُ پار، ہووُ پار

نذرالاسلام نے صرف ماحول پیدا کرنے کے لئے عربی وفارسی الفاظ کا استعمال نہیں کیا بلکہ کہیں شدّت

جذبات و احساسات کی عکاسی، اور کہیں تاثیر کلام کے لئے بھی ان کا استعمال کیا ہے۔ ان کی نظم "کمال پاشا" کی چند سطریں پیش کی جاتی ہیں۔ یہاں شاعر نے عربی و فارسی کے الفاظ ـــــ دلاور، تلوار، نیست و نابود، جانور، افسوس، بخت، صاف، جوش وغیرہ سے اپنے جذبے کا کس خوبی سے اظہار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

الور ! الور !
دلاور تومی ، زور تلوار ہانو ، آر
نیست و نابود کرو ، مارو جنتو جانور
الور ! افسوس !
بختری صاف دوش
رکتیر او نائی بھائی آرشے جے تاپ جوش
بھینگے گیچھے شمشیر ـــــ بڑے آچھے کھاپ کوش
الور ! افسوس !

قافیوں کی رعایت اور کلام میں جھنکار کی کیفیت پیدا کرنے کے لئے بھی نذرالاسلام نے کبھی کبھی عربی وفارسی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ ذیل میں ان کے کورس گیت "چل چل چل" کی چند سطریں ملاحظہ ہوں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ یہاں انھوں نے 'شہیدی عید'، 'نید محل'، (نیند محل)، 'خیالی بادشاہی' اور 'مسافر' سے کلام میں کس قدر تلاطم اور ترنم کی کیفیت پیدا کی ہے۔ فرماتے ہیں:-

اور دے آدیش ہانیچے باز
شہیدی عید بر سینا را سلج
دِکے دِکے چلے کوچ کو اج
کھول رے نید محل
کبے شے خیالی بادشاہی
شئ شے اُتی ئے آجو چاہی
جاس مسافر گان گاہی
فلیس امسرو جل

نذرالاسلام نے مفردات کے علاوہ عربی، فارسی اور اُردو ترکیبات مثلاً "سیّد مکی و مدنی"، "آب حیات"، "کلمۂ شہادت"، "شیریں شہد" وغیرہ کے ذریعے بھی بنگلہ زبان وادب کو نئے نئے معانی و مضامین سے روشناس کرایا۔ ان کو زبان اور شاعرانہ آرٹ پر بڑی قدرت تھی۔ وہ مذہبی اصطلاحات اور عربی، فارسی اور اُردو کے فقروں مثلاً "انا للہ ـــــ راجعون"، "اللہ اکبر"، "لا الٰہ الا اللہ"، "لا شریک لہ"، "انا الحق" کو اس فنکارانہ کمال اور بلاغت کے ساتھ بیان کر گئے کہ کلام میں کرختگی کا احساس تو درکنار، بلکہ اس سے پڑھنے والوں میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ دو ایک نمونے پیش کئے جاتے ہیں:-

اوئی روپ دیکھے رے پاگل ہو لو
منصور حلاج
"اناالحق" ، "اناالحق" بولے
تیجلو بیبون

کانڈاری اِے تری پاکا ماجی ملاح
دانڑی مکھے ساری گان لاشریک لۂ

کمال! تونے کمال کیا بھائی
ہو ہو کمال! تونے کمال کیا بھائی
خوب کیا بھائی خوب کیا
بزدل وہ دشمن سب بالکل صاف ہو گیا۔
خوب کیا بھائی خوب کیا۔

غرض نذر الاسلام نے کبھی زور بیان اور تاثیر کلام کے لئے ، کبھی اسلامی تہذیب و تمدن کی ترجمانی کی خاطر اور کبھی شاعرانہ آرٹ کے تقاضوں پر عربی ، فارسی اور اردو الفاظ کا استعمال کیا اور بنگلہ زبان و ادب کو ایک گراں قدر لفظی سرمایہ بخشا۔ اُسے نئے نئے تصورات سے آشنا کیا ، اسلامی ادب کے ایک بیش بہا ذخیرے سے اس کا درجہ بلند کیا۔ اس کو اسلامی سانچوں میں ڈھال کرآنے والی نسلوں کے لئے "پاکستانی بنگلہ" وجود میں لانے اور اس کے فروغ دینے کا راستہ ہموار کیا۔

• نذر الاسلام نے کچھ اردو گیت اور اردو نظمیں بھی لکھیں ۔ اردو حمد کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:۔

اے ستار ، اے غفار ، کردے بیڑا پار۔
دریا ، پہاڑ ، جنگل ۔ کرتے ہیں روز منگل
زمین و آسمان کے ذرّے ذرّے کا عقیدہ ہے۔
تو ہے پالن ہار ۔ تو ہے کھیون ہار۔ تو ہی ہے کرتار ۔ اے ستار۔
روزی دینا کام ہے تیرا ۔ سب سے اعلیٰ نام ہے تیرا۔
تو رحمٰن ہے ۔ ذی شان ہے ۔ سلطان ہے ۔ اے ستار
دردِ دل تیرے سوا آہ سنائیں کس کو ۔ میرا مالک ، میرا خالق ، میرا معبود ہے تو۔
اے ستار ۔ اے غفار!

ادب میں نذر الاسلام کا درجہ

پچیس سالہ ادبی زندگی میں نذرالاسلام نے نظم ونثر کی پچاس سے زیادہ کتابیں پیش کی ہیں ۔ نثر نگار کی حیثیت سے بنگلہ ادب میں وہ امتیازی حیثیت کے مالک نہ بھی ہوں تو بھی ان کے نثری کارنامے قابل ذکر ضرور ہیں ۔ انھوں نے افسانہ، مقالہ، ناول، ناٹک ——— ادب کے چار اہم شعبوں میں کارنامے چھوڑے ہیں ۔ مگر کسی بھی شعبے میں اتنے ممتاز نہیں جتنے کہ شاعری میں ۔ اس کے باوجود ان کی نثری نگارشات اس معنی میں اہم ہیں کہ انھوں نے اپنی شاعری میں جو باتیں اجمالی طور پر کہی ہیں، نثری تحریرات میں ان کی توضیحات پیش کی ہیں ۔ ان کی نثر شاعرانہ ہے ۔ اس میں غور و فکر سے جذبات کی کارفرمائی زیادہ ہے ۔

ادب اور سنگیت کو بنگال کی ثقافتی زندگی کا اہم ترین شعبہ خیال کیا جاتا ہے ۔ ان دونوں پر نذرالاسلام کا غیر معمولی احسان ہے ۔ وہ موجودہ صدی کی تیسری اور چوتھی دہائیوں میں ثقافتی زندگی کے ممتاز ترین نمائندے تھے ۔ مختلف الوجوہ ذہانت کے لحاظ سے ربندرناتھ کے بعد وہ بیسویں صدی کے سب سے بڑے شاعر ہیں ۔ وہ عہد آفریں اور قومی شاعر ہیں ۔ بنگلہ زبان وادب کے میدان میں وہ عوامی انقلاب کے سب سے بڑے 'ہیرو' ہیں ۔ پاک وہند کی سرزمین نے انھیں اپنی گود میں جنم دے کر بنگلہ ادب کو عالمی انقلابی ادب کی صف اوّل میں کھڑا کر دیا ۔ ان کا شمار دنیا کی ادبی تاریخ میں درجہ اوّل کے فطری اور عملی شاعروں میں ہوتا ہے ۔ ریکارڈ گیتوں میں تعداد کے لحاظ سے وہ دنیا بھر میں لاثانی ہیں ۔ وہ موجودہ صدی کے مقبول ترین بنگلہ شاعر ہیں ۔

یہ بات ظاہر ہے کہ ہنگامی جذبات کے تحت جو کارنامے معرضِ وجود میں آتے ہیں، وہ دیرپا نہیں ہوتے ۔ جذبات کی شدت میں بہت سے کام درہم برہم ہو جاتے ہیں ۔ عجلت میں صحت مند منصوبے نہیں بنائے جا سکتے ۔ نذرالاسلام نے بہت سی نظمیں ہنگامی جذبات کے زیر اثر لکھی ہیں ۔ شدتِ جذبات کی وجہ سے ان کی بعض نظمیں قدرے سطحی اور غیر منظم ہو گئی ہیں اور بعض بہت طویل بھی ہو گئی ہیں ۔ بعض مقامات میں ایک ہی خیال کو بار بار دہرایا گیا ہے ۔ کہیں کہیں حسین ترین مصرعوں کے پہلو بہ پہلو پست درجے کے مصرعے بھی نظر آتے ہیں ۔ تاہم اس سے ان کی شاعرانہ عظمت پر کوئی حرف نہیں آتا ۔ انھوں نے قوم کو جو کچھ دیا ہے وہ بھی کیا کم ہے ؟ انھوں نے نظموں کا ایک ایسا ذخیرہ بھی چھوڑا ہے جو لفظی اور معنوی حیثیتوں سے ادب کے لئے مایۂ ناز ہے ۔ انھوں نے قوم پر جو احسان کیا ہے، وہ کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ۔ ان کی شاعری نے قوم کے لئے عیسیٰ نفسی کا کام کیا ہے ۔ اس کے مردہ قالب میں خونِ زندگی دوڑایا ہے ۔

ہنگامی نظموں کے تمام نقائص کے باوجود بھی یہ نذرالاسلام کا وہ کارنامہ ہے، جس نے انھیں بنگال کا محبوب ترین شاعر

بنادیا ہے۔ شروع شروع میں وہ "سپاہی شاعر" کہلاتے تھے، ہنگامی نظموں نے انھیں "باغی شاعر" کے لقب سے نوازا ہے۔ ان نظموں کو کہاں تک ادبی پائداری نصیب ہوگی، خود زمانہ اس کا فیصلہ کرے گا۔ مگر اس سے کسی کو انکار نہ ہوگا کہ ان کی شاعری ظلم وستم کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ اسی لئے جہاں جور واستبداد سر اٹھائے گا، وہیں زمانے کو نذرالاسلام اور ان کے ادب کی ضرورت محسوس ہوگی۔ اپنے ماحول کا ترجمانی کرنا اور سماج کی غلطیوں کا ازالہ کرنا شاعر کا فرضِ اوّلین ہے۔ نذرالاسلام نے اس فریضے کو بخوبی انجام دے کر زمانے کی مانگ پوری کی ہے۔ اس لئے سیاسی اور سماجی تاریخ انھیں کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ ممکن ہے کہ یہ نظمیں انھیں حیاتِ جاوید بخشنے کے لئے کافی نہ ہوں۔ تو کیا حرج! وہ نظموں اور گیتوں کے ایک ایسے بھاری ذخیرے کے بھی خالق ہیں، جو انھیں زندہ جاوید بنانے کے لئے کافی ہے۔ یہ وہ کارنامہ ہے جس کی اہمیت سے نہ کوئی شاعر انکار کرسکتا ہے، نہ کوئی بڑے سے بڑا نقاد۔

اقبال کی طرح نذرالاسلام بھی زندگی کے شاعر تھے۔ ان کا ادب ہرگز برائے ادب نہ تھا۔ ان کو ادب سے دماغی عیاشی کرنا بالکل پسند نہ تھی۔ انھیں تو اپنے جذبات سے ملک اور ملّت کے جذبات کو متاثر کرنا مقصود تھا۔ اسی لئے وہ فلسفیانہ موشگافیوں سے دلچسپی نہیں لیتے تھے۔ صناعی اور رنگینی کی طرف ان کی توجہ نہ تھی۔ انسانیت کو افلاس، جہالت اور ظلم سے نجات دلانا ہی ان کا فلسفۂ زندگی تھا۔ ان کے ادب کا مستقبل کیا ہے، انھیں اس کی پرواہ ہی نہ تھی۔ خود فرماتے ہیں:۔

بھائیو! میں دورِ حاضر کا شاعر ہوں۔ مستقبل کا ہی نہیں ہوں۔
مجھے شاعر یا غیر شاعر جو بھی کہو —— بسر وچشم مان لیتا ہوں۔
دوستو! میں درد کا مارا ہوں۔ بڑے بڑے خیالات اور بلند پروازیاں
میرے دماغ میں نہیں آسکتیں۔
دوستو! تم لوگ، جو عیش وآرام میں ہو، لافانی نظمیں لکھتے رہو۔
وقت کے ان ہنگاموں کا خاتمہ ہوجائے، تو میں زندہ رہوں یا نہ رہوں،
مجھے اس کی پروا ہی نہیں۔
سر پر رہندر ناتھ فروزاں ہے۔ ملک میں دوسری لائق و فائق ہستیاں بھی ہیں۔
(وہی لوگ اپنی لافانی نظموں سے زندہ جاوید ہوکر رہیں گے)۔

" ادب کے متعلق نذرالاسلام کا نظریہ یہ ہے :۔

" آرٹ کے معنی اظہارِ حقیقت (Execution of truth) ہے۔ ہر حقیقت حُسن ہے اور ہر حُسن خیر۔ آرٹ کو تخلیق، جذبۂ مسرّت یا انسان اور فطرت (Man Plus Nature) وغیرہ بہت کچھ کہا جاسکتا ہے مگر اظہارِ حقیقت ہی اس کا اہم ترین مقصد ہے "

نذرالاسلام کی شاعری کو اس معیار پر جانچا جائے تو وہ پوری پوری اُترتی ہے۔ خلوص اور واقعیت ان کی شاعری کی جان ہے۔ وہ سیاسی شاعر ہیں۔ ان کا ایک فلسفۂ زندگی ہے۔ اسی لئے ہم ان سے صناعی اور عبارت آرائی کی توقع نہیں کرسکتے۔ وہ حقیقت پسند شاعر ہیں۔ حقیقت کے اظہار میں انھوں نے کبھی کوتاہی نہیں کی۔ یہی ان کا فلسفۂ ادب ہے، یہی اُن کا فلسفۂ حیات ہے۔

اقبال کے نظریۂ فن کا خلاصہ بھی یہی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
ترا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شئے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!

(ضرب کلیم)

ترک شاعر ناظم حکمت نے آرٹ کے متعلق جو نظریہ پیش کیا ہے، اس معیار پر بھی نذرالاسلام کی شاعری پوری اُترتی ہے:۔

"Real art is the art that reflects life, One can find in it all the Conflicts, struggles, inspiration, Victories, deferts, and love of life, all the aspects of human, Personality. Real art is the art that does not gine false ideas of life."

ٹیگور "ادب برائے ادب" کے قائل ہیں مگر نذرالاسلام "ادب برائے ادب" کے قائل نہیں بلکہ "ادب برائے زندگی" کے قائل ہیں۔ انھوں نے ادب سے شیشہ سازی کے بجائے خارا شگافی کا کام لیا ہے۔ ان کے نزدیک وہ آرٹ، آرٹ ہی نہیں جو "ضربِ کلیمی" نہ رکھتا ہو۔ ان کا ادب پڑھتے وقت لوگ اپنے کو کھو نہیں دیتے بلکہ وہ زندگی کے قائل ہو جاتے ہیں۔ ان کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ نرم آوازوں سے ظالم طبقے کا دل ہلایا نہیں جا سکتا۔ "ادب برائے ادب" کے پجاریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ان کی سُریلی آوازوں سے غریبوں اور مظلوموں کے دل مسرور نہ ہوں گے۔ فلاکت زدہ لوگوں کو وہ ادب چاہئے۔ جو ان کے معاشی مسائل کے حل اور بنیادی حقوق کے حصول میں معاون ثابت ہو۔ زمانے کی مانگ یہ ہے کہ آرٹ برائے حیات ہو۔ جو آرٹ برائے آرٹ ہوا اس کا محل خاک میں مل جائے گا۔ فرماتے ہیں:۔

تمہارے فن کارانہ بانسری کے سُروں سے یہ لوگ (غریب) مسرور نہ ہوں گے۔
ضرورت کے تقاضوں پر تمہارے آرٹ کا یہ محل خاک میں ملا دیا جائے گا۔

نذرالاسلام کا ادب عوامی ادب ہے۔ وہ ادب سے عوام میں انقلاب لانا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ادب میں صناعی اور گل کاری نہیں کی بلکہ سیدھے سادے اور پُرجوش الفاظ سے عوام میں بیداری کی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ ان کی آواز کے ساتھ ان کا خونِ جگر شامل تھا۔ اسی لئے عوام پر ان کے کلام کا سحر کارانہ اثر ہوا ہے۔

نذرالاسلام نے عوامی ادب کی تعریف ان الفاظ میں کی :-

"ملک کے بے شمار عوام کے دلوں میں جو ادب انقلاب لا سکتا ہے، وہی "عوامی ادب" ہے ۔ اس کی زبان سیدھی سادی ہوگی تاکہ سب لوگ اسے سمجھ سکیں ۔"

(جوگ سرشتا نذرل)

نذرالاسلام کو کورانہ تقلید بالکل پسند نہ تھی ۔ وہ علم و ہنر سے کرداروں کی تشکیل کرنا چاہتے تھے ۔ ان کے آرٹ اور ہنر کا مقصد یہی تھا کہ اس سے لوگوں میں احساس نفس بیدار ہو ۔ قومی اور حب الوطنی کا جذبہ پیدا ہو ۔ قومی احساس کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی اور عالمگیر احساس بھی اُبھر آئے ۔ انھوں نے کہا :-

"غیر کے تمام خیر و شر کے اصولوں کو اندھا دھند مان لینا اپنی روحانی قوت اور قومی صداقت کی انتہائی تحقیر ہے ۔ اپنی قوت اور اپنی قومی خصوصیت کا کھو دینا انسانیت کی بڑی توہین ہے ۔ ہاں ساری دُنیا سے اپنے ملک کا رشتہ جوڑ لینا چاہیئے ۔ اپنے ملک کی حدود میں رہ کر آفاقیت کا ترانہ گانا چاہیئے ۔ قومی خصوصیتوں کی بنیاد پر ہمارے ملک کے آنے والے محسنوں کے کردار تعمیر کئے جائیں ۔"

(سچی تعلیم ، جوگ بانی)

نذرالاسلام ایک ایسے طرزِ تعلیم کے خواہاں تھے ، جس سے انسانی صلاحیتیں بروئے کار آ سکیں ۔ ہر فرد بشر میں خودی بیدار ہو سکے ۔ ہمارے ملک کے نونہالوں میں زندگی اور حرکت و عمل کا جذبہ پرورش پا سکے ۔ بیک وقت ان کی جسمانی اور روحانی قوتیں پنپ سکیں ۔ انھوں نے کہا :-

"ہماری خواہش ہے کہ ہمارا طرزِ تعلیم ایسا ہو جس سے ہماری زندگی کی صلاحیتیں رفتہ رفتہ اُبھر آئیں اور توانا ہو جائیں ۔ جس طرزِ تعلیم سے بچوں کی جسمانی اور ذہنی قوتیں یکساں صحت مند ہو سکیں ، وہی ہمارا طرزِ تعلیم ہوگا ۔"

(قومی یونیورسٹی ، جوگ بانی)

مختصر لفظوں میں نذرالاسلام کا ادب اتنا ہی وسیع ہے جتنی کہ ہماری زندگی ۔ انھوں نے اپنی نگارشات اور شاعری سے قوم کی زندگی کو سدھارنے کی کوشش کی ہے ۔ حقیقت کا اظہار ان کا نصب العین تھا ۔ زندگی بھر انھوں نے اس پر شد و مد کے ساتھ عمل بھی کیا ہے ۔ اسی لئے ہم انھیں بنگال کا "ترجمان الحقیقت" اور "لسان العصر" کہہ سکتے ہیں ۔

انھوں نے مستقبل کی پروا نہ کی مگر مستقبل نے ان کی پروا کی ۔ بنگلہ ادب میں ان کا نام اکرام و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے ۔ اور لیا جائے گا ۔ انھوں نے بنگلہ ادب کو لفظی اور معنوی حیثیت سے نئے رنگ و آہنگ سے آشنا کیا ۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جنھوں نے ٹیگور ہی کے عہد میں ٹیگور کے طرز ادب سے الگ ہٹ کر "جدید ادب" کو جدید تر بنانے کی کوشش کی ان میں نذرالاسلام کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے ۔

جدید شعراء پر نذرالاسلام کا اثر :- بنگال کے جدید شعراء پر نذرالاسلام کا زبردست اثر ہے ۔ پریمیندر مترا ،

جیونانند داس، بمل چندر گھوش، سُبھاش مکھوپدھیائے، دینس داس، سُکانتو بھٹاچاریہ، غلام قدوس، بے نظیر احمد، محی الدین وغیرہ ان کے باغیانہ وجوانمردانہ خیالات، سماجی غلطیوں کے خلاف ان کے اظہار نفرت، ان کی تعلیم مساوات، انسان دوستی اور حب الوطنی کا گہرا اثر نظر آتا ہے۔ فرخ احمد، تعلیم حسین، میزان الرحمٰن اور منفرالاسلام ان کی اسلامی تہذیب وتمدن کی ترجمانی اور قدیم شان وشوکت کی نمایندگی سے بہت متاثر ہیں۔ نذرالاسلام کی طرح یہ حضرات بھی اسلامی ضابطۂ حیات کو عملی شکل دے کر دنیا میں امن وامان قائم کرنا چاہتے ہیں۔ غلام مصطفےٰ (سنہ ۱۸۹۷ء —— سنہ ۱۹۶۴ء) نذرالاسلام کے ناقد بھی تھے اور معتقد بھی۔ ان کی شاعری پر بھی نذرالاسلام کی گہری چھاپ ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ نذرالاسلام نے جدید بنگلہ شاعری پر لفظی حیثیت کی بہ نسبت معنوی حیثیت سے زیادہ اثر ڈالا ہے۔ یہ ایک بڑی حیرت انگیز بات ہے کہ نذرالاسلام زندگی بھر جس شاعر کی استادی کا اعتراف کرتے رہے وہی آخر اپنے شاگرد سے متاثر ہوئے بغیر رہ نہ سکا۔ وہ ہے سلطان الشعراء ربندرناتھ ٹیگور۔ ان کی شاعری کا عام رجحان عرش بریں کی طرف رہا۔ مگر نذرالاسلام کی عوامی شاعری کی مقبولیت کو دیکھ کر انھوں نے بھی بالآخر اپنی شاعری کو خاک نشینوں کے جذبات کا آئینہ بنا دیا۔ انھوں نے غالباً نذرالاسلام ہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:-

میں اس شاعر کا پیغام سننے کے لئے ہمہ تن متوجہ ہوں-
جو مٹی سے قریب ہے-

عوامی شاعر نذرالاسلام:

گو ستیندرناتھ، جتیندرناتھ وغیرہ کی شاعری میں مفلوک الحال لوگوں کے جذبات واحساسات کی ترجمانی ملتی ہے مگر ان کے یہاں وہ گہرائی، خلوص اور واقعیت نہیں ملتی جو نذرالاسلام کی شاعری میں ملتی ہے۔ ان کی شاعری عوامی جذبات کی بہترین ترجمان ہے۔ شاید ہی بنگلہ ادب کی تاریخ میں آج تک کسی کی شاعری میں عوام کے سُکھ دُکھ کی ایسی کامیاب ترجمانی ملے۔ ان کی شاعری میں یکساں طور پہ ہندو اور مسلمانوں کے جذبات کی نمایندگی ملتی ہے۔ سرزمین بنگال میں کسی شاعر کو ایسی ہردلعزیزی نصیب نہیں ہوئی جتنی کہ نذرالاسلام کو ہوئی ہے۔ دوسری طرف کسی کی شاعری بھی عوام کے دل پر ایسے زبردست نقوش نہیں چھوڑ سکی جیسے کہ ان کی شاعری نے چھوڑے ہیں۔ ان کی شاعری کے دو مقصد تھے —— سیاسی آزادی اور اقتصادی آزادی۔ پہلا مقصد حاصل ہوا۔ ملک آزاد ہوا۔ عوام بھی آزاد ہوئے مگر اقتصادی حیثیت سے اب بھی عوام آزاد نہ ہو سکے۔ جس امن وامان اور حسن کے وہ جویا تھے وہ اب تک وجود میں نہیں آیا۔ اسی لئے اب بھی ہمیں ان کے ادب کی سخت ضرورت ہے اور جب تک دنیا میں ظلم وستم برقرار رہے گا، طبقاتی اونچ نیچ باقی رہے گا۔ اور عوام کو معاشی آزادی حاصل نہ ہوگی۔ قوم اور ملت کو ان کے ادب کی ضرورت محسوس ہوتی رہے گی ⁂

نذرالاسلام کا اثر مشرقی پاکستان پر

عشق کو فریاد لازم تھی، سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ!

——— اقبالؔ

نذرالاسلام مشرقی پاکستان کے مقبول ترین شاعر ہیں۔ ملک کے اِس حصّے کا بچّہ بچّہ ان کے نامِ گرامی سے واقف ہے۔ پیر و جوان، خواص و عوام سب ہی انھیں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ گو ان کی پیدائش مشرقی پاکستان میں نہیں ہوئی۔ پھر بھی یہاں کے لوگوں کے دل میں ان کی اور ان کے ادب کی بڑی عظمت ہے۔ انھوں نے یہاں اپنی زندگی کے کافی دن گزارے۔ مختلف مقامات کی سیر کی۔ ان کے ادب پر مشرقی پاکستان کے فطری مناظر کا نمایاں اثر نظر آتا ہے۔ انھوں نے اپنی ابتدائی زندگی میں کچھ دنوں تک میمن سنگھ کے دری رام پور ہائی اسکول میں تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ بہت دنوں تک کوملا اور ڈھاکے میں رہے۔ ان کی پہلی شادی کوملا میں ہوئی اور دوسری شادی بھی یہاں کی ایک خاتون سے ہوئی۔ وہ ایک دفعہ ڈھاکہ ڈویژن سے مرکزی قانون ساز اسمبلی کی رکنیت کے بھی امیدوار رہے۔ مشرقی پاکستان کے لوگوں کے دل و دماغ اور یہاں کے ادب و ثقافت پر ان کا زبردست اثر نظر آتا ہے۔

نذرالاسلام کی پیدائش ملک اور عوام کے لئے باعثِ رحمت تھی۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد مسلمانوں پر ادبار کی گھٹائیں چھانے لگیں۔ مغلیہ حکمرانوں کی رہی سہی شان و شوکت بھی ختم ہونے لگی۔ پستی و ابتری نے ان کا منھ دیکھ لیا تھا۔ چاروں طرف سے مسلمان ٹھوکریں کھانے لگے۔ طوفانِ مغرب میں ان کی عزّت و حرمت اور تہذیب و تمدّن کی متاعِ عزیز بہتی چلی جا رہی تھی۔ متاعِ کارواں کے ساتھ احساسِ زیاں بھی جاتا رہا تھا۔ عوام کا جوشِ علم اور گرمیٔ عمل سرد پڑ چکی تھی۔ ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی زندگی نڈھال نظر آ رہی تھی۔ دلوں میں ہراس اور آنکھوں میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہر شخص کا مستقبلِ قریب بھیانک نظر آ رہا تھا۔ برائے نام جو رہنمایانِ قوم رہ گئے تھے، وہ خود اپنی بنیادی کمزوریوں اور بے پناہ سیاسی خطروں سے کانپ رہے تھے۔

اس نازک وقت میں سرسیّد (۱۸۱۷ء ——— ۱۸۹۸ء) کی علی گڑھ۔ تحریک نے اصلاح کا بیڑا اُٹھایا۔ تعلیم و تربیت کی طرف مسلمانوں کی توجّہ منعطف کی۔ مسلمانانِ ہند کو قعرِ مذلت سے نکال کر ان میں نئی روشنی کی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ سرسیّد کے رفقاءِ کار نے اس تحریک کی بڑی حمایت کی۔ اپنے مضامین اور شاعری سے عوام کی ذہنیت کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ حصولِ آزادی کی طرف ان کی توجّہ مبذول کرائی۔ حالیؔ (۱۸۳۷ء ——— ۱۹۱۴ء) نے اپنی قومی نظموں سے سیدھے سادے اور دردناک انداز میں مسلمانوں کو ان کی سنگین غفلت اور خوفناک حالات سے آگاہ کیا۔ اکبرؔ الٰہ آبادی (۱۸۴۶ء ——— ۱۹۲۱ء) نے طنز و مزاح کے

حربوں سے مغرب تہذیب و تمدن کے سیلاب کو روکنے کی کوشش کی۔ غیر اسلامی تہذیب و تمدن کی کورانہ تقلید کا خوب خوب مذاق اُڑایا۔ مشرقی اور اسلامی تہذیب و تمدن کو فروغ دینے کے لئے خون اور پسینہ ایک کردیا۔ آخر حکیم الامت شاعر مشرق، ترجمانِ حقیقت علامہ اقبال (۱۸۷۶ء ــــ ۱۹۳۸ء) قوم میں "بانگ درا" اور "ضرب کلیم" لئے ہوئے "خضر راہ" بن کر آئے۔ انھوں نے "بانگ درا" سے قوم کو خوابِ غفلت سے چونکایا۔ "ضربِ کلیم" سے لوگوں کو میدانِ عمل میں لاکھڑا کیا۔ پاکستان کا خواب بھی دیکھا اور اس کی تشکیل و تعمیر کا راستہ بھی ہموار کیا۔

بلاشبہ علی گڑھ۔ تحریک اور حالی و اقبال کے پیغامات نے قومی بیداری میں اہم رول انجام دیا تھا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ بنگالی مسلمانوں پر ان تحریکات کا خاطر خواہ اثر نہیں ہوا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ سرزمین بنگال علی گڑھ سے کافی دور واقع ہوئی ہے۔ مزید براں ان تحریکوں کے زمانے میں مواصلات کا بھی کوئی اچھا انتظام نہ تھا جیسا کہ آجکل ہے۔ سرسید نے "تہذیب الاخلاق" نکال کر قوم کو سدھارنے کی کوشش کی۔ یہ پرچہ اُردو میں تھا۔ حالی۔ اکبر اور اقبال اُردو بولنے والے تھے۔ انھوں نے اُردو میں شاعری کی اور اُردو ہی میں قوم کو بیداری کا پیغام سنایا۔ بنگالی مسلمان اُردو سے بہت کم واقف تھے۔ اس وجہ سے ملک کے اس حصے میں سیاسی اور ادبی تحریکوں سے حسب توقع قومی بیداری اور سیاسی آزادی کا احساس پیدا ہونا مشکل تھا۔ بیشک ۱۹۰۶ء میں نواب سرسلیم اللہ کے زیر سرکردگی ڈھاکے میں "مسلم لیگ" کی داغ بیل پڑی۔ مگر عوام اس قدر بے حسی میں مبتلا تھے کہ یہ تحریک بھی ان کے مُردہ قالب میں خونِ زندگی دوڑانے کے لئے کافی نہ تھی۔ یہ تحریک بھی تعلیم یافتہ حلقوں میں محدود ہو کر رہ گئی۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب تک ادبی تحریک سے لوگوں کی ذہنی نشوونما نہ ہو، سیاسی تحریک کارگر نہیں ہو سکتی۔ سرزمین بنگال میں کوئی ایسا پُرجوش اسلامی ادب نہ تھا جو مسلمانوں کی رگِ حمیت میں خونِ زندگی دوڑا سکتا۔

ترکی حکومت کو مسلم دُنیا کی قوتوں کا سرچشمہ خیال کیا جاتا تھا۔ ہر اسلامی ملک اور ہر مسلمان کو "پین اسلامزم" (Pan Islamism) اور عالمی برادری کی بنا پر اس ملک سے دلی ہمدردی تھی۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد، جب یہ ملک خطرے میں نظر آیا، برطانوی حکومت اور اتحادی قوتوں نے جنگ کے دوران کئے ہوئے اپنے وعدے فراموش کر کے اسے آپس میں بانٹ لینے کا تہیہ کر لیا، تو پاک و ہند کے مسلمانوں کے مذہبی جذبے کو ٹھیس لگی۔ وہ ترکوں کی حمایت پر تل گئے۔ مولانا محمد علی اور شوکت علی کے زیر قیادت ملک بھر میں تحریکِ خلافت (۱۹۱۹ء) کی آگ بھڑک اٹھی۔ ساتھ ہی ساتھ مہاتما گاندھی کی تحریک ترکِ موالات نے بھی مسلمانوں کی حمایت پاکر زور پکڑا۔

غرض پاک و ہند میں حکومت برطانیہ کے خلاف ایک زبردست انقلاب برپا تھا۔ اس انقلاب کا اثر بنگال پر بھی پڑا۔ عالمگیر اسلامی برادری کی بنیاد پر ترکوں کی اس نزاکت حال سے اس علاقے کے مسلمان متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے تھے؟ مگر بدقسمتی سے اس دفعہ بھی انقلاب کا اثر سیاسی اور تعلیمی حلقوں سے گذر کر عوام تک پہنچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ اس لئے کہ ملک کے جو عوام مدتوں سے غفلت کی گہری نیند سو رہے تھے ان کی روح کو گرمانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس کے لئے ایک ہمہ گیر ذہنی انقلاب کی ضرورت تھی۔ جب تک ذہنی انقلاب نہ ہو، سیاسی انقلاب کارگر نہیں ہو سکتا۔ کچھ وقتی اثر اگر کہیں رونما بھی ہو تو وہ دیرپا نہیں ہو سکتا۔ قوم کی اس نازک حالت میں ٹیگور کی شاعری کا آفتاب نصف النہار پر تو تھا مگر ان کے نرم و نازک نغمے عوام کو کب بیدار کر سکتے تھے؟ اس کام کے لئے سرزمین بنگال میں ایک ایسی فولادی شخصیت کی ضرورت تھی جس کے پاس

عزرائیلؑ کے پنجے کا نذر ہو، اسرافیلؑ کا صور ہو اور میکائیلؑ کی کڑک ہو۔ جو انقلاب کا پیغام گھر گھر پہنچا سکے۔ غلامی، ناانصافی، جفاکاری اور باہمی جنگ وجدل کے خلاف اعلانِ جنگ کر سکے اور ایک جہانِ نو کی تخلیق و تعمیر کی بشارت دے سکے۔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مدّت دراز کے انتظار کے بعد اس نازک حالت میں بنگال کی خوابیدہ بستی میں مجاہدِ اعظم نذرالاسلام رونما ہوئے۔ انھوں نے دیکھا کہ "انسان نوعِ انسان کا شکاری ہے"۔ انسانی قدریں پامال کی جارہی ہیں۔ حکومتِ برطانیہ عوام پر مظالم ڈھا رہی ہے۔ حکومت کے خلاف ملک میں احتجاج کیا جارہا ہے۔ تحریکِ آزادی کا آغاز ہو رہا ہے۔ بدیں حالات تحریک۔ آزادی کو عوام تک پہنچانے اور اسے بارآور بنانے کے لئے انھوں نے ادب کو حربہ بنایا اور انقلابی نعروں سے لوگوں میں سیاسی، سماجی اور اقتصادی شعور پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اور عوامی بیداری سے ملک کی آزادی حاصل کرنا چاہی۔

یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ بنگال کے مسلمان کسی شاعر کے اس قدر مرہونِ منت نہیں جتنے کہ وہ نذرالاسلام کے ہیں۔ انھوں نے بنگال کے چار پانچ کروڑ مسلمانوں کو سوزِ حیات بخشا۔ یوں تو ان کی شاعری کا اثر ہمارے پاک و ہند پر ہوا۔ مگر بنگال کے مسلمانوں پر اس کا اثر نمایاں طور پر پڑا۔ انھوں نے قوم میں انقلاب کا جو بیج بویا تھا، وہ ایک تناور درخت بن کر تحریک پاکستان کی شکل میں نمودار ہوا۔ ہمیں جو پاکستان ملا ہے، وہ بڑی حد تک ان کی انقلابی تحریک کا ثمرہ ہے۔ انھوں نے تحریک علی گڑھ، تحریکِ خلافت اور حالیؔ و اقبالؔ کے پیغامات کو یہاں بارآور بنایا۔ ان کی سعی مشکور ہوئی۔ ان کے طفیل قوم سربلند ہوئی ہے۔ ان کے بارِ احسان سے قوم کبھی سر اٹھا نہیں سکتی۔

قیامِ پاکستان کے بعد نذرالاسلام اور اقبالؔ کی اہمیت پہلے سے اور بھی بڑھ گئی ہے۔ آزاد قوم ہی قومی "ہیرو" کا صحیح احترام کر سکتی ہے۔ یہ دونوں ادبی انقلاب کے قومی ہیرو ہیں۔ یوں تو یہ دونوں پورے پاکستان میں عزیز ہیں، مگر نذرالاسلام مشرقی پاکستان کے اتنے ہی پیارے ہیں جتنے کہ مغربی پاکستان میں اقبالؔ۔ مشرقی پاکستان پر نذرالاسلام کا اثر اس قدر غالب ہے جس قدر کہ اقبالؔ کا اثر مغربی پاکستان پر۔ مشرقی پاکستان میں ہر سال ۱۱ جیٹھ کو نذرالاسلام کا یومِ ولادت بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔ یہاں کی ثقافتی زندگی پر ان کا نمایاں اثر نظر آتا ہے۔ ان کے اسلامی سنگیتوں کے بغیر مذہبی محفلوں میں گرمی پیدا نہیں ہوتی۔ سیکڑوں ہزاروں لوگ ان کی نعتیں اور غزلیں اثر لے کر پڑھتے ہیں اور سر دھنتے ہیں۔ میلاد شریف میں ان کے بنگلہ قصائد پڑھے جاتے ہیں۔ ان کا مترجم پارہ عم شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ رسول کریمؐ کی سیرت پر لکھی ہوئی ان کی کتاب "مرو بھاسکر" اسلامی ادب کا مایۂ ناز ہے۔ مختصر لفظوں میں نذرالاسلام مذہبی حلقے میں بھی لوگوں کے پیارے بنے ہوئے ہیں۔

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مذہبی لوگوں کا ایک طبقہ پہلے بھی نذرالاسلام سے ناراض تھا اور اب بھی ہے۔ ان کا ایک ہندو لڑکی سے شادی کرنا، ہندو خاندانوں میں ان کا بے تکلفانہ رہنا سہنا، اپنے بیٹوں کا غیر اسلامی نام رکھنا —— یہ ایسی باتیں ہیں جس کی وجہ سے مذہبی لوگوں کے جذبے کو ٹھیس لگنا فطری بات ہے۔ کون ہے جو نذرل کے اسلامی جوش و جذبے سے متاثر نہیں ہوتا۔ اگر ان میں یہ مذہبی کوتاہیاں نہ ہوتیں تو وہ آج سبھوں کے یکساں نورِ چشم بنے رہتے۔ رہی یہ بات کہ "نذرالاسلام نے خدا سے بغاوت کی ہے" یہ ادب میں کوئی نئی چیز نہیں۔ عمر خیامؔ، حافظؔ، غالبؔ، اقبالؔ وغیرہ نے بھی باغیانہ انداز میں

خدا سے بات چیت کی۔ اور وہ طرزِ سخن بہ ظاہر اس سے کہیں زیادہ گستاخانہ ہے۔ یہ دراصل ان کی بغاوت یا گستاخی نہیں بلکہ شوخی ہے۔ بہر حال مشرقی پاکستان کے لوگوں کے دل و دماغ پر نذرالاسلام چھائے ہوئے ہیں۔ ثقافتی محفلوں میں "نذرل گیتی" نہ سُنائی جائے، تو وہ ادھوری خیال کی جاتی ہیں۔ ریڈیو پاکستان، ڈھاکے کے روزانہ پروگراموں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو، جس میں ان کے دو چار گیت اور غزلیں شامل نہ ہوں۔ دن رات رستورانوں اور ہوٹلوں میں ان کے نغموں کے ریکارڈ بجائے جاتے ہیں۔ قومی اجتماعوں میں قومی جذبات کو اُبھارنے کے لئے زیادہ تر انھیں کی نظمیں گائی جاتی ہیں۔ مشرقی پاکستان کے گوشے گوشے میں لوگ "نذرل سوسائٹی"، "نذرل ساہتیہ پریشد"، "نذرل لائبریری"، "نذرل بک ڈپو" غرض ان کے نام پر مختلف اداروں کے قیام سے انھیں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ محلوں سے لے کر جھونپڑوں اور میدانوں تک ہر جگہ ان کے نغمے سنائی دیتے ہیں۔ اسکول، مدرسے اور کالج کے نصابوں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس میں نذرالاسلام کا کلام کم و بیش شامل نہ ہو۔

مشرقی پاکستان کے متعدد شعراء پر نذرالاسلام کی شاعری کا گہرا اثر نظر آتا ہے۔ بے نظیر احمد، محی الدین، فرخ احمد، تعلیم حسین، غلام مصطفےٰ اور میزان الرحمٰن کے نام اس سلسلے میں قابلِ ذکر ہیں۔ محی الدین اور بے نظیر احمد نے نذرالاسلام کے انقلابی رنگ و آہنگ، ان کے معاشرتی احساس، ان کے فلسفۂ حیات اور انسان دوستی سے اثر قبول کیا ہے۔ بے نظیر کی کتاب "بیساکھی" میں "جرتو کو تھابُلو" (موت کہاں ہے بولو) کے عنوان سے ایک نظم ہے۔ اس کا طرز و انداز ہمیں نذرالاسلام کی نظم "بدروہی" کی یاد دلاتا ہے۔ اس نظم میں بے نظیر صاحب نے "انانیت" کا وہ تصوّر پیش کیا ہے، جو نذرالاسلام نے "بدروہی" میں پیش کیا تھا۔ بے نظیر صاحب کا خیال ہے کہ سرمایہ داروں کی خود غرضی اور انتہائی ہوا و ہوس ہی عوام کے دکھ درد کا ذمّہ دار ہے۔ کسانوں کی محنت سے سرمایہ داروں کا گنجینہ بھرپور ہوتا ہے مگر وہ خود تنگدست رہ جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو انھوں نے اِن الفاظ میں ادا کیا ہے (سرمایہ داروں سے خطاب ہے)۔

میں خوب خوب جانتا ہوں کہ تیرے گھر کی اینٹوں کی لالی
زینت کی بہار دکھا رہی ہے۔
میرے سینے کے تازہ خون ہی سے
ہمیشہ اس کا رنگ روپ تیار ہوتا ہے۔
تیرے وہاں تو چاندنی رات ہے۔
مگر میرے یہاں تو روشنی کا وجود ہی نہیں۔

فرخ احمد اور تعلیم حسین بھی نذرالاسلام کے اسلامی جذبات و خیالات سے متاثر ہیں۔ یہ دونوں بھی نذرالاسلام کی طرح مسلمانوں کی قدیم شان و شوکت واپس لانے کی آرزو رکھتے ہیں۔ اسلامی تصوّرات و تفکّرات کی روشنی میں ایک پُرامن معاشرے کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ اسلامی موضوعات پر یہ دونوں نذرالاسلام کے کامیاب ترجمان ہیں۔ اسلامی تہذیب و تمدّن اور اسلامی شریعت کے علامتی نشان "ہلال" سے فرخ احمد اس طرح خطاب کرتے ہیں:۔

تو پھر حجازی ریگستان کی بادِ سموم لے آ۔

تاریکی کی چوٹی توڑ دے، جمود کی نیند مٹا دے۔
تو انسانیت کا تند طوفان ساتھ لے آ۔
تباہی کے سینے پر زندگی کی مہر ثبت کر دے۔
" اوس" دھان کے ملک میں مدینے کی خوشبو مہکا دے۔
اے دلیر! تو بیساکھی طوفان میں جاگ اٹھ۔ اے میرے جرأت مند ہلال! تو جاگ اٹھ۔
اے میرے نشان! تو آسمانوں میں دائم قائم رہ جا!

(نشان، سات ساگر یر ماجھی)

تعلیم حسین فرماتے ہیں :-

تم کہہ دو ـــــ اگر کوئی دین ہے، تو وہ اللہ ہی کا دین ہے۔
اس کا واحد نام ہے ـــــ "دین" ـــــ اور بس
پُر امن اور بے خطر اگر کوئی دین ہے تو وہ ـــــ اسلام ہے۔
اس لئے بلند آواز میں ہم یہی پیغام سُناتے ہیں :-
کہہ دو ـــــ ہمیں کائنات سے محبت ہے۔
اگر کچھ پھوٹ ہو، تو اسے آپس میں مٹاتے ہیں۔

(کرانتی پتھک، شاہین)

خیالات کے علاوہ طرزِ نگارش میں بھی تعلیم حسین پر نذر الاسلام کا اثر نظر آتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی نظم " قربانی" ، " مجاہد آتما رپرتی" (روح مجاہد کے نام)، " ذی النورین" ، " محترم" وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان نظموں میں انہوں نے نذر الاسلام کی طرح فنکارانہ طور پر عربی، فارسی اور اردو الفاظ کا وسیع استعمال کیا ہے۔ کلام میں زور اور روانی پیدا کی ہے۔

ان شاعروں کے علاوہ اشرف علی خاں، جسیم الدین، مفخر الاسلام وغیرہ پر بھی براہ راست ہو یا بالواسطہ نذر الاسلام کا اثر کم و بیش نظر آتا ہے۔ مفخر الاسلام کی چند سطریں پیش کی جاتی ہیں۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ ان کے خیالات اور اسلوبِ بیان پر نذر الاسلام کا کہاں تک اثر ہے :-

ـــــ ہم آج اپنی قربانیاں پیش کریں گے، ہم نئے اسماعیل ہیں۔
سخت چٹانیں ہمارے قدموں کے تلے ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔
زمزم کی موجیں اٹھ اٹھ کر ہمارے قدم چومیں گی۔
زندگی کے دہشت ناک صحرا کو ہم پُر امن بنائیں گے۔
اس کے راستوں کو رہزنوں سے پاک کرائیں گے۔

اس ویرانے کی بنجر اور سخت زمین پر ہمارے نقشِ قدم بہار کے پھول کھلائیں گے۔
محنت کے پسینے ہماری پیشانیوں پر جواہرات کے تاج کی طرح چمکیں گے۔

(صبح جہاد۔ مترجمۂ احسن احمد اشکؔ)

غرض موجودہ دور کے بہت سے شعراء نذرالاسلام کے جذبات وخیالات اور ان کے اسالیب بیان سے متاثر ہیں۔ نذرالاسلام کی شاعرانہ روایات کا دھارا اب بھی تیز رفتار ہے۔ اور غالباً آگے چل کر بھی اس کی تیز رفتاری برقرار رہے گی۔ اس لئے کہ وہ نرے شاعر نہیں۔ وہ درجۂ اول کے صاحب طرز انقلابی شاعر ہیں۔ نئے رنگ و آہنگ کے خالق ہیں۔ سب سے بڑھ کر وہ ایک عہد آفریں اور قومی شاعر ہیں۔

افسوس! آج نذرالاسلام علیل ہیں۔ فطرت نے انھیں ہم سے جیتے جی جدا کر دیا ہے۔ مگر وہ جدا ہو کر ہم سے اور زیادہ قریب ہو گئے ہیں۔ انھیں حیاتِ جاوید مل گئی ہے ان کی شخصیت دھندلی ہونے کے بجائے اور واضح، ان کی شاعری مُرجھانے کے بجائے اور تر و تازہ ہو گئی ہے۔

نذرالاسلام، اقبال اور ٹیگور ایک نظر میں

آزادی کا حصول کوئی فوری حادثہ نہیں ہوتا - بلکہ یہ ایک طویل عمل کا نتیجہ ہوتا ہے - بیج بویا جاتا ہے لیکن درخت کے جڑ پکڑنے اور پھلنے پھولنے سے پہلے کئی ہاتھوں کے ذریعے اسے پروان چڑھایا جاتا ہے - ہمارے حصولِ آزادی کی بھی یہی روداد ہے -

پاک و ہند کی قومی بیداری اور حصولِ آزادی میں تنہا کسی ایک ادیب یا شاعر کا حصّہ نہیں - بلکہ حالی (۱۸۳۷ء — ۱۹۱۴ء)، اکبر (۱۸۴۶ء — ۱۹۲۱ء)، اقبال (۱۸۷۷ء — ۱۹۳۸ء)، ربندناتھ ٹیگور (۱۸۶۱ء — ۱۹۴۱ء)، نذرالاسلام (۱۸۹۹ء —) اور دوسرے ادباء و شعراء نے یکے بعد دیگرے برصغیر پاک و ہند کے لوگوں کی ذہنی نشوونما میں اہم کردار ادا کیا ہے - یکایک قومی بیداری کا شعور نہیں ابھرا اور نہ بیک روز پاک و ہند آزاد ہوا - بلکہ مختلف ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے ہماری قوم موجودہ درجے پر پہنچی ہے -

سب سے پہلے حالی نے اپنی قومی نظموں سے ہماری قومی بیداری کا بیڑا اُٹھایا - اس کے بعد اکبر اور اقبال نے بھی قومی شاعری کے میدان میں قدم رکھا - انھوں نے حالی کی بتائی ہوئی راہ میں گامزن ہو کر مسلمانوں میں مذہبی جوش و جذبے کی روح پھونکنے کی کوشش کی - اکبر نے انھیں اپنی ثقافت اور روایات کو مغربی تہذیب و تمدن کے حربوں سے بچانے کی تلقین کی - اقبال نے "خضرِ راہ" بن کر پیغمبرانہ شان سے قوم اور ملت کو "اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی" کی ہدایت دی -

سرزمینِ بنگال پر حالی، اکبر اور اقبال کی شاعری کا اثر خاطر خواہ نہیں پڑا - اس لئے کہ یہ تینوں اُردو کے شاعر تھے - انھوں نے اُردو میں قوم کو پیغام دیا - تقسیم ملک سے پہلے مشرقی پاکستان میں اُردو کا رواج بہت کم تھا - یہاں کے لوگ پورے معنوں میں ان کے کلام سے استفادہ نہ کر سکے - البتہ ربندرناتھ ٹیگور اور نذرالاسلام نے ان کے مقاصد کو یہاں بارآور بنایا -

نذرالاسلام اور ربندرناتھ دونوں معاصر ہیں - دونوں ایک ہی علاقے اور ایک ہی زبان کے شاعر ہیں - نذرالاسلام نے شاعری کے میدان میں اس وقت قدم رکھا، جب ربندرناتھ کی شاعری بامِ عروج پر تھی - تمام شعراء و ادباء انھیں کے چشمۂ فیض سے استفادہ کر رہے تھے - شروع شروع میں نذرالاسلام بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے - مگر وہ ایک غیر معمولی ذہانت و فطانت کے مالک تھے - ان کی غیور طبیعت نے زیادہ دنوں تک کسی کی تقلید گوارا نہ کی - تھوڑے ہی عرصے میں انھوں نے اپنا راستہ الگ نکالا - اور دورِ ربندرناتھ ہی میں اپنی عہد آفرینی کا ثبوت دیا - ایک تو فطرت نے ان کی طبیعت میں جودت اور ذکاوت ودیعت کر رکھی تھی، مزید براں زمانے کے تقاضوں نے 'سونے پر سہاگہ' کا کام کیا - مظلوم انسانیت کی پکاروں نے ان کی شاعری میں ایک طوفانی اور ہیجانی کیفیت پیدا کر دی - یہی جذباتی کیفیت مظلوم انسانیت کے حق میں تو

مفید ثابت ہوئی مگر اس کی وجہ سے ان کی ہنگامی نظموں میں گہرائی نہ آنے پائی - یہی چیز ان کے اعلیٰ درجے کے خلاق ہونے کی راہ میں رکاوٹ بنی مگر اس جذبہ کا یہ بھی ایک فیضان ہے کہ ان کی نگارشات میں جو تندی و تیزی ملتی ہے وہ نہ ٹیگور میں ہے اور نہ اقبالؔ میں -

ربندرناتھ کی شاعری ایک اتھاہ سمندر ہے - جس میں گہرائی تو ہے مگر تلاطم نہیں - نذرالاسلام کی شاعری ایک جوئبار ہے جو گہرا تو نہیں مگر پرہیجان ضرور ہے - جو اچھلتا ، پھسلتا اور سرکتا ہوا تیزی سے آگے نکل جاتا ہے - ربندرناتھ کی شاعری میں ظلم و ستم کے خلاف صرف احتجاج ملتا ہے ، مگر نذرالاسلام کی شاعری میں وہ جنگ کی شکل اختیار کرلیتا ہے -

نذرالاسلام ، ربندرناتھ اور اقبالؔ تینوں کو انسانیت سے والہانہ محبت تھی - تینوں نے انسانیت کے گیت گائے - فرق صرف یہ ہے کہ ربندرناتھ اور اقبالؔ نے عوام سے دور رہ کر انھیں محبت کا پیغام سُنایا - مگر نذرالاسلام نے دلدل میں پھنسے ہوئے انسانوں کے قریب پہنچ کر انھیں نکالنے کی کوشش کی - ٹیگورؔ کی شاعری کا جو منشا تھا ، اقبالؔ اور نذرالاسلام کا بھی وہی تھا - ٹیگورؔ نے جو باتیں نیازمندانہ انداز میں سُنائیں ، وہی اقبالؔ اور نذرالاسلام کے یہاں جیتی جاگتی اور انقلابی شکلوں میں پیش کی گئیں - اقبالؔ اور ٹیگورؔ عوام سے اتنے قریب نہیں جتنے کہ نذرالاسلام ہیں - انھوں نے عوام کو اتنے پاس سے نہیں دیکھا جتنے کہ نذرالاسلام نے دیکھا ہے -

اس میں شک نہیں کہ ٹیگور کی شاعری میں ایک عالمگیر اور گہری محبت کی تلقین ہے - جو سرزمین بنگال کے کسی شاعر میں نظر نہیں آتی - روحانی تجزئیے ، زبان کی ملاحت و حلاوت ، خیالات کی بلندی ، مضامین کے سوز و گداز اور فنکارانہ کمال میں کوئی شاعر ان کا ہمسر نہیں - ذہانت اور گوناگوں حیثیتوں کے لحاظ سے پاک و ہند کے اربابِ قلم میں ٹیگور کا نام سرِفہرست نظر آتا ہے -

نذرالاسلام اور ٹیگورؔ بنگلہ شاعر ہیں - مگر اقبالؔ فارسی اور اُردو دونوں میں اعلیٰ درجے کے شاعر ہیں - یہ تینوں قادرالکلام شاعر ہیں - مگر نذرالاسلام اتنے بڑے خلاق نہیں جتنے کہ ٹیگورؔ اور اقبالؔ ہیں - ٹیگورؔ اور نذرالاسلام نے نظم و نثر دونوں کے اہم شعبوں میں قابلِ ذکر کارنامے چھوڑے ہیں مگر اقبالؔ کو یہ فوقیت حاصل نہیں - اقبالؔ شاعر ہیں فلسفی ہیں اور ——— بس - نذرالاسلام شاعر ، گیت نویس ، موسیقی دان ، افسانہ نگار ، ناول نگار ، ناٹک نگار ، اداکار ، صحافی اور مترجم ہیں - ٹیگورؔ بیک وقت شاعر ، گیت نویس ، موسیقی دان ، افسانہ نگار ، مقالہ نگار ، ناول نگار ، ناٹک نگار ، نقاش ، نقاد اور صحافی ہیں -

نذرالاسلام ، ٹیگورؔ اور اقبالؔ تینوں کو جمالیاتی قدروں کا احساس تھا - حُسن اور عشق سے تینوں کی دلچسپی تھی - غلامی ، ناانصافی ، پسماندگی ، جہالت اور ظلم و ستم کے خلاف تینوں کے یہاں احتجاج ملتا ہے مگر فرق صرف نوعیت اور کیفیت کا ہے - اقبالؔ مظلوم انسانیت کی غمخواری میں " کاخِ امراء کے در و دیوار ہلا دو " کا پیغام سُناتے ہیں - " بانگِ درا " اور " ضربِ کلیم " سے گمراہ قوم کو راہِ راست پر لانا چاہتے ہیں - نذرالاسلام طبل اور دمامہ بجا کر لوگوں کو جور و استبداد کے خلاف لڑنے کے لئے برسرِ پیکار لا کھڑا کرتے ہیں - ٹیگورؔ عالمگیر محبت اور برادرانہ ہمدردی کی دعوت دے کر مفاہمت میں مرض کا علاج ڈھونڈتے ہیں - منزل تینوں کی ایک ہی ہے - تینوں حرکت و عمل کے شاعر ہیں - " ترکِ آب و گِل " سے کسی کا واسطہ نہیں -

کسی کے یہاں فراری کیفیت نہیں - بلکہ کام کرنے کے ولولے اور آگے بڑھنے کے جوش وجذبے سے ان کی شاعری سرشار ہے - ان میں مغرب کے عمل اور مشرق کی روحانیت کا حسین امتزاج نظر آتا ہے -

بایں ہمہ اشتراکِ خیالات ، نذرالاسلام ، رابندر ناتھ اور اقبال میں تھوڑا بہت فرق بھی ہے - نذرالاسلام فلسفی شاعر نہیں وہ صاف گو اور عوامی شاعر ہیں - وہ فلسفیانہ مسائل میں نہیں اُلجھتے - اقبال اور رابندر ناتھ فلسفی شاعر ہیں - مگر رابندر ناتھ اتنے فلسفی نہیں جتنے کہ وہ شاعر ہیں - برخلاف اس کے اقبال بیک وقت شاعر بھی ہیں اور فلسفی بھی - یہ کہا نہیں جا سکتا کہ ان کا کون سا پہلو راجح ہے اور کونسا مرجوح - ٹیگور "ادب برائے ادب" کے قائل ہیں مگر اقبال اور نذرل "ادب برائے زندگی" کے حامی ہیں -

ٹیگور ظلم وستم کی طرف قوم کی توجہ منعطف کرکے اس کی خامیوں کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں - وہ قوت اور انقلاب کے شاعر نہیں - وہ اپنی منزلِ مقصود کو پہنچنے کے لئے قوت کا استعمال کرنا نہیں چاہتے - بلکہ صلح وآشتی اور میل محبت کے حربوں سے میدانِ جنگ جیتنا چاہتے ہیں - نذرالاسلام ، اقبال کی طرح "نقشِ کہن" کو مٹا کر ایک "جہانِ نو" کی تخلیق کرنے کے آرزومند تو ہیں مگر وہ اسے بروئے کار لانے کا کوئی واضح اور منظم طریقۂ کار پیش نہیں کرسکتے - یہ فضیلت حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبال کو حاصل ہے - وہ "زمین و آسمانِ مستعار" کو مٹا کر "اپنی دنیا آپ پیدا کر" کا پیغام سناتے ہیں - وہ تشخیصِ مرض کے بعد اس کا علاج بھی پیش کرتے ہیں - قوم کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لئے ایک منظم طریقۂ کار پیش کرتے ہیں - بہ الفاظِ دیگر نذرالاسلام کے یہاں "بانگِ درا" اور "ضربِ کلیم" تو ہیں مگر "خضرِ راہ" نہیں - رابندر ناتھ کے یہاں "طاؤس و رباب" تو ملتا ہے، مگر "شمشیر وسناں" نہیں ملتی - ہاں حکیم الامت ڈاکٹر اقبال کے "بانگِ درا" بھی ہے ، "ضربِ کلیم" بھی ہے اور "خضرِ راہ" بھی - "طاؤس و رباب" بھی ہے اور "شمشیر وسناں" بھی -

ٹیگور کی شاعری ، ان کی تشبیہات و استعارات ، ان کے محاوروں اور کہاوتوں میں عام طور پر ہندو تہذیب و تمدن کی ترجمانی ملتی ہے - دوسری طرف اقبال نے اپنی شاعری کو صرف اسلامی جذبات و خیالات اور مذہبی واقعات و سانحات کے لئے وقف کردیا - مگر نذرالاسلام کی شاعری گنگا - جمنا اور دجلہ فرات کا سنگم ہے - یہاں ہندو اور مسلمان دونوں فرقوں کی تہذیب و تمدن کی ترجمانی نظر آتی ہے - انھوں نے ہر فرد بشر میں اپنے اپنے مذہب کی انقلابی روح پھونک کر اس میں سیاسی اور سماجی شعور پیدا کرنے کی کوشش کی - بہرحال تینوں قومی رہبری کے علم بردار اور آفاقی شاعر ہیں - قومی تعمیر میں کسی کا حصہ کم نہیں - تینوں قومی تعمیر کی صفِ اولین میں دوش بدوش نظر آتے ہیں - قوم تینوں کی مرہونِ منت ہے اور تینوں کو خراجِ عقیدت پیش کرتی ہے - پاک و ہند کی آزادی پر تینوں کا زبردست احسان ہے -

نذرالاسلام کی تصنیفات

(ایک تعارفی جھلک)

نظمیں:۔

۱۔اگنی بینا

اگنی بینا ـــــ اس میں بارہ نظمیں ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

(۱) تباہی کی خوشی (۲) باغی (۳) سرخ لباس میں ملبوس ماں (کالی) (۴) آمد آمد کا گیت۔ (۵) دھوم کیتو (۶) کمال پاشا (۷) انور (۸) طبل جنگ (۹) شط العرب (۱۰) دریا پار اترنے کی کشتی (۱۱) قربانی (۱۲) محرم۔

ہر نظم گویا آگ کا ایک ایک شعلہ ہے۔ ہر ایک میں نئی روح، نئی تڑپ اور نئی ہلچل پیدا کرنے کا سامان موجود ہے۔

برلن یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ہیل متھ فن کلاسینپ نے اس کتاب کے متعلق لکھا۔

"The Poems deserve with full right the names the author has given them; They are full of emotion like fire and Sweet like the tune of vina."

طبع اوّل ـــــ ۱۳۲۹ب (۱۹۲۲ء)
طبع دوم ـــــ ۱۳۳۰ب (۱۹۲۳ء)

۲۔دولن چانپا

اس میں ۱۹ نظمیں ہیں۔ ان میں پجاری محبوبہ، گمراہ، درد کا ناز، بے وقت کا بلاوا، بددعا، امیدوار محبوبہ، شاعر کی رانی اور آخری التجا بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

طبع اوّل ـــــ ۱۳۳۰ب (۱۹۲۳ء)

۳۔بیشیر بانشی

اس میں ۲۷ گیت اور نظمیں ہیں۔ ان کے عنوان یہ ہیں:۔

(۱) مسز ایم رحمٰن (۲) فاتحہ دوازدھم (ولادت) (۳) فاتحہ دوازدھم (انتقال) (۴) خدمت گار (۵) بیداری کا گیت (۶) صور کی آواز (۷) بیماری (۸) تنبیہ (۹) بے خوفی کا پیغام (۱۰) خودی کی قوت (۱۱) قیدی کا گیت (۱۲) مداحی (۱۳) قبولِ موت (۱۴) آزادی طلب رضا کاروں کا گیت (۱۵) زنجیر پہننے کا گیت (۱۶) عہدِ نو کا گیت (۱۷) آزاد قیدی (۱۸) چرخی کا گیت (۱۹) ذات کی بدذاتی (۲۰) سچا پیغام (۲۱) فتح مندی کا گیت (۲۲) مست مسافر (۲۳) بھوت بھگانے کا گیت (۲۴) لعنت (۲۵) باغی کا پیغام (۲۶) آزاد پنجرا (۲۷) جھوٹ۔

یہ مختلف رسالوں میں شائع شدہ گیت اور نظمیں ہیں۔ یہ لاکھوں کروڑوں واماندہ اور مظلوم عوام کے دلوں کی دھڑکنیں ہیں۔ ان گیتوں اور نظموں نے غلامی کی آگ میں جلنے والوں کے خون میں ہیجان پیدا کر دیا۔ شمع آزادی کے پروانوں کو جہاد میں کود پڑنے پر آمادہ کیا۔

طبع اوّل ـــــــ ۱۳۳۱ب (۱۹۲۴ء) حکومتِ وقت نے ضبط کرلی۔

طبع دوم ـــــــ ۱۳۵۲ب (۱۹۴۵ء)

۴۔ بھانگار گان ـــ

اس میں گیارہ گانے ہیں۔ ان میں توڑ پھوڑ کا گیت، بیماری کا گیت، ترانۂ اتحاد، جارحانہ حکومت کی خونخواری، عیدِ شہادت زیادہ اہم ہیں۔

یہ جابرانہ حکومت اور خونخوار سرمایہ داروں کے خلاف آکسانے والے گیتوں کی کتاب ہے۔

طبع اوّل ـــــــ ۱۳۳۱ب (۱۹۲۴ء) طبع اوّل حکومت نے ضبط کرلی۔

طبع دوم ـــــــ ۱۹۴۹ء

۵۔ چھایانٹ ـــ

اس میں پچاس نظمیں ہیں۔ ازاں جملہ فتح مند خاتون، چیتی ہوا، آخری نغمہ، آنتا کی یاد، جھیٹر، دردمند، رخصت کا وقت، امید، شام کا تارا قابلِ ذکر نظمیں ہیں۔

طبع اوّل ـــــــ ۱۳۳۲ب (۱۹۲۵ء)

۶۔ پوبیر ہوا ـــ

یہ کتاب باغی شاعر کے عاشقانہ جذبات کی تصویر ہے۔

طبع اوّل ـــــــ ۱۳۳۲ب (۱۹۲۵ء)

۷۔ شموبادی ـــ

یہ ایک طویل نظم ہے۔ اس میں کئی ضمنی نظمیں ہیں۔ یہ نظم "لانگل" کے پہلے نمبر میں شائع ہوئی۔ بعد میں کتابی شکل میں پیش کی گئی۔ بعدازاں "سرب ہارا" میں شامل کر دی گئی۔

طبع اوّل ـــــــ ۱۳۳۲ب (۱۹۲۵ء)

۸- چِتّو نامہ ——

دیس بندھو چت رنجن داس کی موت پر شاعر کی جو نظمیں اور گیت مختلف اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوئے۔ "چتّو نامہ" انھیں کا مجموعہ ہے۔

طبع اوّل —— ۱۳۳۲ب (۱۹۲۵ء)

۹- سرب ہارا ——

طبع اوّل —— ۱۳۳۳ب (۱۹۲۶ء)

اس کتاب میں کل ۱۲ نظمیں ہیں اور وہ یہ ہیں:-

(۱) بے نوا (۲) کسان کا گیت (۳) مزدور کا گیت (۴) ماہی گیروں کا گیت (۵) طلبا کا گیت (۶) ناخدا! ہوشیار! (۷) مساوات کا قائل —— ایشور - انسان - گناہ - چور ڈاکو - طوائف - جھوٹا - عورت - راجا پرجا - مساوات - قلی مزدور- (۸) فساد (۹) میری کیفیت (معذرت) (۱۰) مناجات (۱۱) گوکل ناگ ——

(طبع اوّل)

شاعر کی مقبول ترین کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس کتاب میں غریب، کسان، مزدور، چور ڈاکو غرض ہر طرح کے مظلوم انسان کے جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے۔

۱۰- فنی منسا ——

طبع اوّل —— ۱۳۳۴ب (۱۹۲۷ء)

(۱) گھمانے والے کی گھومنے والی چرخی میں (۲) سرخ جھنڈے کا گیت (۳) جاگتا ہوا صور (۴) ہوشیاری کی گھنٹی (۵) دل درد مند (۶) بنگال میں مہاتما گاندھی (۷) بین الاقوامی سنگیت (۸) راستے کا سراغ (۹) ہندو مسلم جنگ (۱۰) محنتی مزدور - اس کتاب کی قابل ذکر نظمیں ہیں۔

اس کتاب کی اکثر نظمیں ہنگامی واقعات اور خاص خاص بلند شخصیتوں سے متعلق ہیں۔

۱۱- سندھو ہندول ——

طبع اوّل —— ۱۳۳۴ب (۱۹۲۷ء)

اس کتاب کا بنیادی خیال عشق و محبت ہے۔ اس میں ۱۹ نظمیں ہیں۔ اور ان کے عنوان یہ ہیں:-

(۱) سندھو —— پہلی ترنگ - (۲) سندھو —— دوسری ترنگ - (۳) سندھو —— تیسری ترنگ - (۴) مخفی محبوبہ (۵) بے نام محبوبہ (۶) رخصت کی یاد میں (۷) راستہ کی یادگار (۸) اُداسی (۹) اتھاہ راستے کا مسافر (۱۰) مفلسی (۱۱) بسنت کا گیت (۱۲) بھاگن کا گیت (۱۳) رسم کی ادائیگی (۱۴) بہو کا استقبال۔ (۱۵) مبہم (۱۶) راکھی بندھن (۱۷) چاندنی رات میں (۱۸) بسنت کا آلاپ (۱۹) دروازے پر زنجیر کھڑکھڑا رہی ہے۔

۱۲- جھنگے پھول ——

طبع اوّل —— (۱۹۲۶ء)

یہ بچوں کے لئے لکھی ہوئی نظموں کی کتاب ہے - بچوں کے ادب پر نذرالاسلام کا بڑا احسان ہے - اس کتاب کی ہر نظم میں بچوں کی توجہ منعطف کرنے کا سامان اور ان کی ذہنی صلاحیت کے فروغ پانے کا سرمایہ موجود ہے -

۱۳ - ساتھ بھائی چمپا ———

یہ بچوں کی ایک طویل نظم ہے - طبع اوّل ——— ؟

۱۴ - پُتلیر پئے ———

طبع اوّل ——— ؟

۱۵ - زنجیر ———

طبع اوّل ——— ۱۳۳۵ب (۱۹۲۸ء)

اس میں ۱۶ نظمیں ہیں - عنوان یہ ہیں :-

(۱) برسات کی سوغات (۲) اگہن کی سوغات (۳) مسز ایم - رحمٰن (۴) نقیب (۵) خالد (۶) صبح امید (۷) خوش آمدید (۸) نوروز (۹) بزدل (۱۰) پیش رو مسافر (۱۱) عید مبارک (۱۲) آجا بہشت میں کون جائے گا ، آجا ! (۱۳) زندہ جاوید زغلول (۱۴) امان اللہ (۱۵) عمر فاروق (۱۶) یہ میرا فخر ہے -

اس کتاب میں زیادہ تر اسلامی خیالات و جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے -

۱۶ - چکر باک ———

طبع اوّل ——— ۱۳۳۶ب (۱۹۲۹ء)

اس میں ۲۳ نظمیں ہیں - ازاں جملہ (۱) تیری یاد آئی (۲) کرنافلی کے پاس چھالیہ کے درختوں کی قطاریں (۳) گرن پھولی (۴) راہی (۵) یہ میرا فخر ہے (۶) کینہ پرور - خاص اہمیت رکھتی ہیں -

۱۷ - سندھیا ———

طبع اوّل ——— ۱۳۳۶ب (۱۹۲۹ء)

اس میں ۲۳ نظمیں ہیں - ان میں (۱) میں اس کا گیت گاتا ہوں (۲) زندگی کی نغمہ سرائی (۳) چل - چل چل - (۴) سودیس کا اندھا دیوتا (۵) زندگی (۶) زادِ راہ (۷) شاعر پردا کے نام - اس کتاب کی اہم ترین نظمیں ہیں -

۱۸ - پرلئے شِکھا ———

طبع اوّل ——— ۱۹۳۰ء - طبع اوّل حکومت نے ضبط کرلی -

طبع دوم ——— ۱۳۵۶ب (۱۹۴۹ء)

۱۹ - نتون چاند ———

طبع اوّل ——— ۱۹۴۵ء

اس میں ۱۷ نظمیں ہیں : ان میں (۱) ازلی محبوبہ (۲) تو میری شاعری ہے (۳) آنسوؤں کے پھول (۴) کسانو اٹھو ! (۵) شعلہ (۶) 'آزاد' خاص اہمیت رکھتی ہیں -

۲۰ - مَرو بھاسکر ——— یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوم سیرت ہے - شاعر نے یہ کتاب ماہنامہ

سوغات (۱۳۶۳ ب) میں لکھنا شروع کی مگر پایۂ تکمیل کو نہیں پہونچی۔ اختتام سے پہلے ہی شاعر کا قلم خاموش ہوگیا۔ اس لحاظ سے یہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

طبع اوّل (نامکمل) ۱۳۶۴ ب (۱۹۵۷ء)

مشہور بنگلہ ادیب واجد علی نے بھی اسی نام سے رسول کریم صلعم کی سیرت پر بنگلہ نثر میں ایک کتاب لکھی ہے۔

۲۱۔ شیش سوغات ـــــ

اس میں بیالیس نظمیں ہیں۔ سدا باغی، عہدِ نو، شاعر کی رہائی اس کتاب کی اہم نظمیں ہیں۔

طبع اوّل ـــــ ۱۳۶۵ ب (۱۹۵۸ء)

۲۲۔ جھڑ ـــــ

طبع اوّل ـــــ ۱۳۶۷ ب (۱۹۶۰ء)

اس میں زنجیر اور سندھیا کی منتخب نظموں کے ساتھ کچھ نئی نظمیں، جو اب تک کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئی تھیں، شامل کی گئیں۔

۲۳۔ سنچیتا (منتخب) ـــــ

یہ شاعر کے منتخب کلام کا مجموعہ ہے۔

طبع اوّل ـــــ ۱۳۳۵ ب (۱۹۲۸ء)

۲۴۔ سنچین (انتخاب) ـــــ

یہ شاعر کے چیدہ اور مقبول عام کلام کا مجموعہ ہے۔

طبع اوّل ـــــ ۱۳۶۲ ب (۱۹۵۵ء)

سنگیت :۔

۱۔ بُلبُل (حصّہ اوّل) ـــــ

یہ شاعر کی مقبول ترین گانوں کی کتاب ہے۔ جن غزلیہ گانوں کی تخلیق سے انھوں نے بنگلہ سنگیت میں نئے نئے سُروں کا اضافہ کیا، ان کا بیشتر حصّہ اسی کتاب میں شامل ہے۔

طبع اوّل ـــــ ۱۳۳۵ ب (۱۹۲۸ء)

۲۔ بُلبُل (حصّہ دوم) ـــــ

اس میں شاعر کے بہت سے جدید گانے شامل ہیں۔ گانوں کی تعداد ۱۰۱ ہے۔

طبع اوّل ـــــ ۱۳۵۹ ب (۱۹۵۲ء)

۳۔ چوکھیر چاتک ـــــ

یہ بڑی حد تک غزلیہ گانوں کی کتاب ہے۔ اس میں ۵۱ گانے ہیں۔

طبع اوّل ـــــــ ۱۳۳۶ب (۱۹۲۹ء)

۴ - چندر بندو ـــــــ

اس میں ۶۱ گانے ہیں - ازاں جملہ ۱۸ گانے طنز و مزاح کا پہلو لئے ہوئے ہیں - ہر گانے میں نوجوانوں کے دل میں آگ لگا دینے کا سامان موجود ہے -

طبع اوّل ـــــــ ؟ حکومتِ وقت نے ضبط کر لی -
طبع دوم ـــــــ ۱۳۵۲ب (۱۹۴۶ء)

۵ - شُر ساقی ـــــــ

اس میں ۹۹ گانے ہیں -

طبع اوّل ـــــــ ۱۳۳۸ب (۱۹۳۱ء)

۶ - ذوالفقار ـــــــ

یہ اسلامی گانوں کی کتاب ہے - اس میں ۴۵ گانے ہیں - ان گانوں سے نذرالاسلام نے خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے مسلمانوں کو جگانے کی کوشش کی - مختلف اسلامی ممالک کی بیداری کو دیکھ کر ان کے دل میں اُمید کی لہر دوڑ گئی - انھوں نے اپنے ملک کے مسلمانوں سے خطاب کر کے کہا :-

" اے بے خبر تو جاگ اُٹھ - تو بھی اپنے دل کا چراغ جلا "

طبع اوّل ـــــــ ۱۳۳۹ب (۱۹۳۲ء)

۷ - بن گیتی ـــــــ

اس کے اکثر و بیشتر گیت شاعر کے عاشقانہ جذبات کے آئینہ دار ہیں -

طبع اوّل ـــــــ ۱۳۳۹ب (۱۹۳۲ء)

اس میں ۷۱ گانے ہیں -

۸ - گل باغیچہ ـــــــ

اس میں مختلف قسموں کے اٹھاسی گانے ہیں ۔ اس کے زیادہ تر گانے میگافون کمپنی میں ریکارڈ کر لئے گئے ہیں -

طبع اوّل ـــــــ ۱۳۴۰ب (۱۹۳۳ء)

۹ - گانیر مالا ـــــــ

طبع اوّل ـــــــ ۱۹۳۴ء

۱۰ - گیتی ست دل ـــــــ

اس میں ایک سو گانے ہیں - یہ گانے ریکارڈ کر لئے گئے ہیں -

طبع اوّل ـــــــ ۱۳۴۱ب (۱۹۳۴ء)

۱۱- نذرل سورلپی ____

طبع اوّل ____ ۱۳۳۸ ب

۱۲- سرلپی ____

طبع اوّل ____ ۱۹۳۴ء

۱۳- سرمکر ____

طبع اوّل ____ ۱۳۴۱ ب (۱۹۳۴ء)

۱۴- نذرل گیتکا ____

یہ گانے کی مختلف کتابوں سے منتخب شدہ گیتوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں گیتوں کی تعداد ۱۲۰ ہے۔ اس کے زیادہ تر گانے ہردلعزیز ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نذرالاسلام کی مقبول ترین کتابوں میں 'اگنی بینا'، 'بیشیر بانشی'، 'سرب ہارا'، 'فنی منسا'، 'زنجیر'، 'سندھیا'، اور 'پرلئے شِکھا' زیادہ تر ان کی باغیانہ ذہنیت اور انقلابی جوش و خروش کی آئینہ دار ہیں۔ ان کے مطالعہ سے سماجی، سیاسی اور مذہبی نظام کے متعلق شاعر کے خیالات و احساسات کی تصویریں ہماری نگاہ میں پھر جاتی ہیں۔

'دولن چانپا'، 'چھایانٹ'، 'پلو بیر ہوا'، 'سندھو ہندول'، 'چکرباک'، 'چوکھیر چانک'، 'بلبل'، 'بن گیتی' شاعر کے عاشقانہ جذبات کی ترجمان ہیں۔ ان کتابوں میں شاعر کے دل میں انسان کی الفت اور فطرت کی محبت کارفرما نظر آتی ہے۔

'گل باغیچہ'، 'ذوالفقار'، 'نتون چاند'، اور 'مرو بھاسکر' زیادہ تر اسلامی جذبات اور روحانی تصورات کی حامل ہیں۔ ان میں قاضی نذرالاسلام نے خدا، رسول، اسلام اور اکابر اسلام سے والہانہ عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے۔

تراجم :-

۱- رباعیاتِ حافظ ____

نذرالاسلام نے حافظ شیرازی کی تمام رباعیات (۷۵) کا منظوم (بنگلہ) ترجمہ کیا۔ آخر میں مختصراً حافظ کے حالاتِ زندگی بھی لکھے۔

طبع اوّل ____ ۱۳۳۷ ب (۱۹۳۰ء)

۲- منظوم پارۂ عم ____

طبع اوّل ____ ۱۳۴۰ ب (۱۹۳۳ء)

اس کے مقدمہ میں نذرالاسلام لکھتے ہیں :-

" میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ میں قرآنِ پاک کا منظوم ترجمہ کروں . . .

اگر عربی اور بنگلہ دونوں زبانوں میں ماہر کوئی آدمی اس طرف متوجہ ہوتا تو میں ہرگز قرآن شریف جیسی عظیم ترین کتاب کا ترجمہ کرنے کی جرأت نہ کرتا اور اس کی ضرورت بھی پیش نہ آتی۔"

"........ .... آج مجھ سے زیادہ صالح آدمی اگر قرآن مجید، حدیث اور فقہ وغیرہ کے بنگلہ ترجمہ کرنے پر آمادہ ہو جائے تو صرف بنگالی مسلمان نہیں بلکہ ساری دُنیا کے مسلم۔ سماج پر اس کا بے حد احسان ہوگا۔"

"........... مجھے یقین ہے کہ اگر قرآن شریف کا منظوم ترجمہ آسان بنگلہ میں ہو جائے تو زیادہ تر مسلمان اُسے آسانی سے حفظ کر سکیں گے۔"

عرض گذار: نذرالاسلام، اگست، ۱۹۳۲ء

۴- رباعیاتِ عمر خیام ــــــــ

اس میں شاعر نے براہِ راست عمر خیام کے فارسی کلام سے ۱۹۸ رباعیات کا منظوم ترجمہ پیش کیا۔

طبع اوّل ــــــ ۱۹۶۰ء

افسانے:-

۱- بیتھار دان ــــــ

طبع اوّل ــــــ ۱۳۲۹ ب (۱۹۲۲ء)

یہ چھ مختصر افسانوں کا مجموعہ ہے۔ افسانوں کے عنوان یہ ہیں:-

(۱) درد کا احسان (۲) حِنا (۳) بادل کی بارش میں (۴) نیند کے خمار میں (۵) بر نہ آئی ہوئی آرزوئیں۔ (۶) سیاسی نظر بند کا خط۔

۲- رکتیر بیدن ــــــ

طبع اوّل ــــــ ۱۹۲۵ء

یہ آٹھ مختصر افسانوں کا مجموعہ ہے۔ افسانوں کے عنوان یہ ہیں:-

(۱) محرومی کا درد (۲) آوارہ کی آپ بیتی (۳) مہر نگار (۴) شام کا ستارہ (۵) چڑیل (۶) سالک (۷) گم کردہ شوہر (۸) نہ تھکنے والا مسافر۔

۳- سیولی مالا ــــــ

طبع اوّل ــــــ ۱۹۳۱ء

یہ چار مختصر افسانوں کا مجموعہ ہے۔ افسانوں کے عنوان یہ ہیں:-

(۱) پدمو گوکھرو (ایک قسم کا زہریلا سانپ) (۲) شاہ جن (۳) جوالا مکھی (۴) سیولی مالا

ناول:-

۱- باندھن ہارا (بے قید) ــــــ

یہ نذرالاسلام کا پہلا ناول ہے۔ بیساکھ، ۱۳۲۷ (۱۹۲۰ء) سے "مسلم بھارت" میں قسط وار

شائع ہوا- ساون، ۱۳۳۴ھ (۱۹۲۷ء) میں پہلی دفعہ کتابی شکل میں شائع ہوا- یہ ایک مراسلاتی ناول ہے- نورالہدیٰ اس کا ہیرو ہے- وہ بے قید زندگی کا ترجمان ہے- یہ کردار نذرالاسلام کی زندگی اور ان کی فطرت کا آئینہ دار ہے- اس لئے یہ کتاب شائع ہوتے ہی لوگ انھیں "باندھن ہارا نذرالاسلام" کہنے لگے-

۲- مرتو کھدا (موت کی بھوک) ـــــــ

طبع اوّل ـــــــ ۱۳۳۶ب (۱۹۳۰ء)

یہ ناول ماہانہ سوغات میں قسطوار شائع ہوا- بعدازاں کتابی شکل میں پیش کیا گیا- کرشنا نگر (ندیا) کے دوران قیام میں نذرالاسلام نے وہاں کے واقعات کے پیشِ نظر یہ ناول لکھا- اس کتاب نے بنگلہ ادب میں ایک ہلچل مچادی- تحریک خلافت اور ترکِ موالات کے زمانے میں یہ کتاب لکھی گئی- اس ناول میں نذرالاسلام نے عوام کی اُمید و یاس کے جذبات کو فنکارانہ طور پر بیان کیا- ایک دولت مند مسلم گھرانے کا نوجوان ـــ انصار اس ناول کا ہیرو ہے- اس کتاب میں ایک عشقیہ کہانی کے ذریعے لوگوں میں سیاسی اور سماجی بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی گئی-

۳- کہیلکا (شبنم) ـــــــ

اس کا ہیرو جہانگیر ایک انقلابی نوجوان اور ملک کی جنگ آزادی کا ایک پیش رو سپاہی ہے- اس کردار کے توسط سے نذرالاسلام نے مسلمان نوجوانوں کو جنگ آزادی کی دعوت دی- یہ ناول اوّلاً ماہانہ "نوروز" پھر ہفتہ وار "سوغات" میں قسطوار شائع ہوا- بعدازاں کتابی شکل میں پیش کیا گیا-

طبع اوّل ـــــــ ۱۹۳۱ء

ناٹک :-

۱- جھلی ملی ـــــــ

یہ ایک ایکٹ کے چار چھوٹے چھوٹے ناٹکوں کا مجموعہ ہے.

طبع اوّل ـــــــ ۱۹۳۰ء

۲- آلیا (WILL-O- THE - WISP) ـــــــ

یہ گیتی ناٹک ہے- اس میں تینتیس گانے ہیں- پہلے اس کا نام "مرو تریشا" تھا- بعد میں "آلیا" رکھا گیا- اس کتاب کی کہانی کا ایک حصہ ہندو پران سے مستعار ہے

طبع اوّل ـــــــ ۱۳۳۸ب (۱۹۳۱ء)

۳- مدھو مالا ـــــــ

یہ تین ایکٹ کا گیتی ناٹک ہے-

طبع اوّل ـــــــ ۱۳۶۳ب (۱۹۵۹ء)

مقالات :-

۱- جوگ بانی ـــــــ یہ "نوجوگ" کے ۲۱ ادارتی مقالوں کا مجموعہ ہے- اس میں آتش فشاں زبان

میں حکومت کے خلاف احتجاج کیا گیا۔اسی لئے حکومتِ وقت نے اسے ضبط کر لیا۔

طبع اوّل ——— سنہ ۱۹۲۲ء

طبع دوم ——— سنہ ۱۳۵۶ اب (سنہ ۱۹۴۹ء)

۲۔ راج بندیر زبان بندی ———

یہ ایک رسالہ ہے۔جو نذرالاسلام نے حکم قید سے پہلے نظر بندی کی حالت میں عدالت میں بیان دینے کیلئے لکھا (۷ جنوری سنہ ۱۹۲۳ء)۔

طبع اوّل ——— سنہ ۱۹۲۳ء

۳۔ رودر منگل ———

یہ کتاب سرکار نے ضبط کر لی۔ یہ مضامین کا مجموعہ ہے۔

طبع اوّل ———؟

یہ مضامین پہلے "دھوم کیتو" میں شائع ہوئے۔بعد میں کتابی شکل اختیار کر گئے۔

۴۔ دُردنیر جاتری ———

یہ کتاب بھی "دھوم کیتو" میں شائع شدہ چند مضامین کا مجموعہ ہے۔اس کتاب کے ہر صفحہ اور ہر سطر میں مُردہ قوم کی رگِ حمیت میں خون دوڑانے کا جوش و جذبہ موجود ہے۔ نذرالاسلام نے کہا :۔

"کہہ دے ——— کسی کی غلامی نہیں مانتا ہوں۔ نہ اپنے دیسی کی نہ بدیسی کی۔جو رسوا کرتا ہے، اس سے زیادہ بُزدل وہ ہے جو رسوائی کو برداشت کر لیتا ہے۔ تیری خودی بیدار ہو جائے، تو دُنیا میں ایسی کوئی طاقت نہیں جو تجھے پاؤں سے روند سکے"

طبع اوّل ——— سنہ ۱۳۳۳ ب (سنہ ۱۹۲۶ء)

۵۔ دھوم کیتو ———

یہ "دھوم کیتو" اور دوسرے اخباروں میں شائع شدہ چند مضامین اور خطوط کا مجموعہ ہے۔

طبع اوّل ——— سنہ ۱۳۶۷ ب (سنہ ۱۹۶۰ء)

جو اخبار ان کے زیر ادارت تھے :۔

۱۔ روزانہ نوجوگ ———

(سنہ ۱۹۲۰ء اور سنہ ۱۹۳۵ء)

۲ - دھوم کیتو ——

(۱۹۲۲ء ہفتہ وار —— سہ روزہ —— پندرہ روزہ ——

جو اخبار ان کے زیرِ ہدایت تھے :-

۱ - لانگل ——

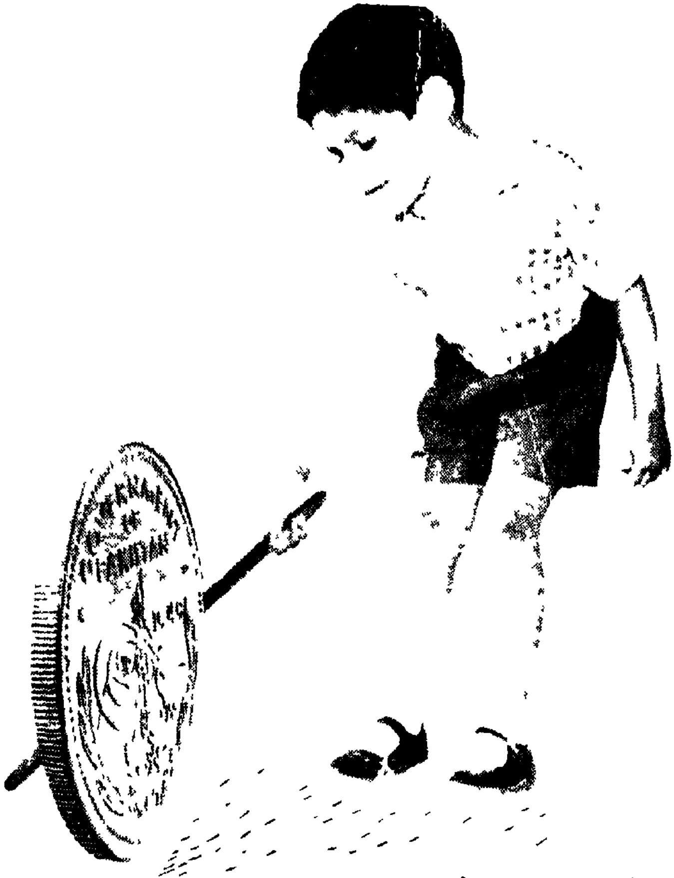
(ہفتہ وار) ۱۹۲۵ء

کئی شماروں کے بعد اس کا نام "گنبانی" رکھا گیا - "گنبانی" کا پہلا شمارہ ۱۲ اگست ۱۹۲۶ء کو شائع ہوا -

۲ - ماہانہ نوروز ، ۱۳۳۴ ب -

تمت بالخیر

۲



گردشِ مدام

روپیہ گردش میں رہتا ہے۔ روپے کو گردش میں رہنا چاہیے۔
سوال صرف اتنا ہے کہ جب یہ دست بدست آپ تک پہنچا
تو آپ نے اسے کس طرح استعمال کیا۔
سیونگ اکاؤنٹ سے روپیہ کی صحت مند گردش جاری رہتی ہے۔
آج ہی سیونگ اکاؤنٹ کھول کر اپنے بچوں کے لئے ایک
قابل تقلید مثال قائم کیجئے کہ
بچت آگے اور ان کے مستقبل کی ضامن ہے
صرف پانچ روپے سے اکاؤنٹ کھولا جا سکتا ہے۔

دی مسلم کمرشل بینک لمیٹڈ

کراچی

ایس مصطفےٰ اسمٰعیل جنرل منیجر

۱۹۷۲ء

SAQI, Karac.. ..kistan) Regd No S 1106

ساقی کراچی نذرالاسلام نمبر ص۱۲۷

کراچی دفتر

۲۰۲ء ۱۸۰۷۰۶